ماہنامہ
حنا
فروری 2016
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1

ہر گھر کے لیے

ماھنامہ

حنا

جلد 38 شمارہ 01

فروری 2016ء

قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

افسانے

انشاء نامہ

مکمل ناول

انٹرویو

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! فروری 2016ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ شمارہ سالگرہ نمبر تھا۔ جس کو قارئین کی کثیر تعداد نے سراہا اور ہماری حوصلہ افزائی کی جس پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

یہ سطور رقم کی جا رہی تھیں کہ خبر ملی کہ دہشت گردوں نے چارسدہ میں ایک اور تعلیمی ادارے پر حملہ کر کے معصوم طالب علموں اور اساتذہ کو شہید کر دیا ہے۔ ان انسانیت دشمنوں نے ہماری قوم کو پیغام دیا ہے کہ وہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ تقریباً ایک سال پہلے پشاور میں آرمی پبلک سکول پر حملے کے بعد کسی تعلیمی ادارے پر یہ دوسرا ہولناک حملہ ہے۔ لیکن یہ حملے دہشت گردوں کے خلاف ہمارا عزم ختم نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ دہشت گرد ہمارا حوصلہ ختم کرنے کے لیے ہماری آئندہ نسلوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ لیکن ہمیں ان کو یہ پیغام دینا ہے کہ وہ ہمارے تعلیمی اداروں پر حملے کر کے ہماری نوجوان نسل کو اپنے ملک کے مستقبل سے مایوس نہیں کر سکتے۔ انشاء اللہ وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہوں گے۔

اس شمارے میں :۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں مہمان سندس جبیں، صوفیہ سرور چشتی اور اُم ایمان کے مکمل ناول، فرح طاہر اور تحسین اختر کے ناولٹ، سویرا فلک اور عالی ناز کے افسانے، اُم مریم، نایاب جیلانی اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

جو دل کی آنکھیں کھلیں ہم کو یہ ہوا معلوم
وہ راز جان گئے جو نہ پہلے تھا معلوم

گناہ گار ازل ہوں سرشت میں ہے خطا
تجھے تو میرے خدا سب ہے ماجرا معلوم

خدا کی ذات کو کیا سمجھے عقل انسانی
ابھی تو اپنی ہی ہستی کا راز نامعلوم

خدا کی ذات کے منکر رہے یہ بھول ہوئی
اجل کا وقت جو آیا تو ہو گیا معلوم

نہیں ہے تو ابھی راز حیات سے واقف
تجھے وجود عدم کا ہے کیا پتا معلوم

جو حال پھول کا پوچھا کلی سے بلبل نے
کلی وہ کہنے لگی مجھے کیا پتا خدا معلوم

تنویر پھول

لازم ہے اس سے پہلے کہ نعت نبیؐ لکھوں
جو کچھ لکھا ہے کچھ نہیں لکھا یہی لکھوں

پاس ادب میں جنبش لب کی کہاں مجال
اور شوق مدح اس پہ مصر ہے ابھی لکھوں

وہ کائنات علم ہیں وہ علم کائنات
منجملہ صفات لکھوں تو یہی لکھوں

جوان سے آشنا ہوا حق آشنا ہوا
آگاہی نبیؐ کو خدا آگہی لکھوں

یارب عطا وہ ذہن رسا ہو کہ نعت میں
جو ماورائے فکر ہے وہ بھی کبھی لکھوں

اس جزو نور کل سے ہے تابندگی تمام
میں کیوں نہ اس کے سائے کو بھی روشنی لکھوں

محسن بھوپالی

سید اختر ناز

شکر کے طور پر نماز پڑھنے یا سجدہ کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن ابو اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوجہل کا سر کاٹے جانے کی خوشخبری دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کام ہو جانے کی خوش خبری دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گر پڑے۔

فائدہ: کسی بھی خوشی کے موقع پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے ایک سجدہ کرنا مسنون ہے، یہ سجدہ کافی طویل بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو وہ سجدے میں گر پڑے۔

فائدہ: حضرت کعب بن مالکؓ حضرت مرارہ بن ربیعؓ اور حضرت بلال ابن امیہؓ، غزہ تبوک سے محض سستی کی بنا پر کسی معقول عذر کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے جس پر اللہ کے حکم سے تمام مسلمانوں نے ان تینوں حضرات کا پچاس دن تک بائیکاٹ کر دیا، اتنی طویل مدت تک یہ حضرات پریشان رہے اور توبہ کرتے رہے، آخر پچاس دن بعد توبہ قبول ہوئی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن کو ان کی زندگی کا افضل ترین دن قرار دیا۔ (صحیح البخاری)

خوشی میں سجدہ

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی خوشی والا معاملہ پیش آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے۔

نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے جو فائدہ دینا ہوتا وہ دیتا اور جب مجھے کوئی اور آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سناتا تو میں اس سے قسم لیتا، اگر وہ قسم کھاتا تو میں اس پر اعتبار کر لیتا اور حضرت ابوبکرؓ نے مجھے حدیث سنائی اور ابوبکرؓ نے سچ فرمایا۔

انہوں نے فرمایا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''

''جو بھی شخص کوئی گناہ کر لیتا ہے پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور اللہ سے بخشش مانگتا ہے تو اللہ اسے ضرور بخش دیتا ہے۔''

فوائد و مسائل: حدیث نبوی قبول کرنے میں احتیاط اور صحیح غلط میں امتیاز کا عمل صحابہ کرامؓ سے شروع ہوا ہے۔

حضرت علیؓ اس لئے قسم نہیں لیتے تھے کہ انہیں صحابہؓ کی روایت پر یقین نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے لوگ حدیث کی اہمیت کو محسوس کریں اور وہی حدیث بیان کریں جو انہیں خوب اچھی طرح یاد ہو، اس کے علاوہ یہ فائدہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر وہ حدیث کسی کو سنائیں تو پورے اعتماد سے سنائیں کہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی صداقت پر اتنا یقین تھا کہ ان کی سنائی ہوئی حدیث بے چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔

وضو اور نماز گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہیں۔

نماز کے باوجود دل میں نادم ہوتے ہوئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرنا ضروری ہے، البتہ چھوٹے گناہ صرف وضو سے یا صرف نماز سے بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بھلا بتاؤ، اگر کسی کے گھر کے سامنے (صاف پانی کا) ایک دریا بہتا ہو، وہ اس میں روزانہ پانچ بار غسل کرے تو اس (کے جسم) پر کتنی میل باقی رہ جائے گی؟''

حاضرین نے کہا۔

''بالکل نہیں رہے گی۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نماز گناہوں کو اسی طرح ختم کر دیتی ہے، جس طرح پانی سے میل کچیل ختم ہو جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: مسنون وضو اور نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، شرعی مسئلہ مثالیں دے کر بیان کرنے سے زیادہ سمجھ میں آتا ہے اور زیادہ یاد رہتا ہے، دوسرے علمی مسائل کی بھی یہی کیفیت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے زنا سے کم تر ناجائز حرکت کی، یہ تو معلوم نہیں کہ اس نے کس حد تک غلطی کی، تاہم زنا نہیں کیا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ بات عرض کی۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی۔

ترجمہ:۔ دن کے کناروں میں بھی نماز قائم کیجئے اور رات کی گھڑیوں میں بھی، یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے، نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے۔''

صحابی نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ (رعایت) صرف میرے لئے ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو بھی اس پر عمل کرے، اس کے لئے ہے۔''

فوائد و مسائل:۔ مرد کا کسی عورت کو اور عورت کا کسی مرد کو گناہ آلود نظر سے دیکھنا، چھونا اور بوس و کنار وغیرہ کرنا یہ سب گناہ کے کام ہیں اور حدیث میں انہیں بھی ''زنا'' قرار دیا گیا ہے، تاہم یہ بدفعلی سے کم تر درجے کے گناہ ہیں، اس لئے جب کوئی شخص ایسی حرکت کا ارتکاب کر کے دل میں نادم ہو، توبہ کرے اور وضو کر کے نماز پڑھ لے تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا، البتہ ناجائز جنسی عمل کے ارتکاب پر حد کا نفاذ ضروری ہے، حد لگ جانے سے وہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔

مومن کے دل میں اللہ کا خوف ہونا چاہیے، اگر نفس امارہ اور شیطان کے غلبے سے غلطی ہو جائے تو فوراً اس کے ازالے اور معافی کی فکر ہونی

چاہیے۔

دن کے کناروں کی نمازیں فجر اور عصر کی ہیں جن کے درمیان ظہر کی نماز آ جاتی ہے اور رات کی نمازیں مغرب اور عشاء ہیں، یعنی نماز پنجگانہ کی ادائیگی گناہوں کی معافی کا باعث ہے۔

پانچ نمازوں کی فرضیت اور محافظت کا بیان

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، میں یہ حکم لے کر واپس آیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔''

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

''آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟''

میں نے کہا۔

''اس نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔''

انہوں نے فرمایا۔

''اپنے رب کے پاس واپس جایئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔''

میں دوبارہ اپنے رب کی طرف گیا تو اس نے نصف نمازیں معاف فرما دیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا۔

انہوں نے فرمایا۔

''اپنے رب کے پاس واپس جایئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔''

میں پھر اپنے رب کی طرف گیا تو اس نے فرمایا۔

''یہ (ادا کرنے میں) پانچ ہیں اور یہی (ثواب میں) پچاس ہیں، میرا فرمان تبدیل نہیں ہوتا۔''

میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے فرمایا۔

''اپنے رب کے پاس واپس جایئے۔''

میں نے کہا۔

''مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہوتی ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت زیادہ نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بنی اسرائیل سے اس قسم کا تجربہ ہوا تھا کہ بنی اسرائیل نے اللہ کے حکم کے مطابق نمازیں ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی۔

پچاس نمازوں کا حکم تبدیل کر کے پانچ کر دینا، اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے اور مسلمانوں پر اللہ کا احسان عظیم ہے، اس احسان کا شکر صرف اسی طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ پانچوں نمازیں پابندی سے اور پورے آداب کا لحاظ رکھ کر بروقت ادا کی جائیں۔

پانچ نمازوں کو پچاس قرار دے کر فرمایا کہ ''میرا فرمان تبدل نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ خود اسی کا قانون ہے کہ صحیح انداز سے خلوص کے ساتھ ادا کی ہوئی نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا لکھا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ ''جو نیکی لے کر حاضر ہوا، اس کا دس گنا (بدلہ) ملے گا۔''

آخری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید تخفیف کی درخواست کرنے سے اجتناب فرمایا کیونکہ پانچ پر پچاس کے ثواب کی خوشخبری میں یہ ارشاد تھا کہ اب مزید تخفیف نہیں کی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے،

انہوں نے فرمایا۔
''تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا تھا تو انہوں نے تمہارے رب سے تخفیف کرا کے پانچ کروا لیں۔''

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔
''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''پانچ نمازیں ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں تو جو شخص انہیں اس طرح لے کر حاضر ہوا کہ ان کے حق کو غیر اہم سمجھ کر ان میں کمی نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے وعدہ فرمائے گا کہ اسے جنت میں داخل کر دے گا اور جو انہیں اس طرح لے کر آیا کہ ان کے حق کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ان میں کمی کی (پوری نمازیں ادا نہ کیں) تو اسے اللہ کے ہاں کوئی عہد حاصل نہیں ہوگا، (اللہ کی مرضی ہے) چاہے اسے عذاب دے، چاہے بخش دے۔''

فوائد و مسائل:۔ صرف پانچ نمازیں فرض ہیں، باقی سب نفل ہیں لیکن بعض نمازوں کی تاکید زیادہ ہے، بعض کی کم، تاہم ان کی ادائیگی میں بھی کوتاہی کرنا جائز نہیں کیونکہ فرضوں کی کمی نوافل سے پوری ہوگی۔

کمی کرنے سے مراد بعض نمازیں ترک کر دینا یا نماز کی ادائیگی کے دوران میں خشوع و خضوع وغیرہ کا خیال نہ رکھنا ہے۔

دین کے فرائض کی کما حقہ اہمیت نہ دینا، اللہ کی رضا سے محرومی کا باعث ہے۔

نماز صحیح طریقے سے اور پابندی سے ادا کرنے والا یقیناً جنت میں جائے گا، اگرچہ بعض گناہوں کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے جہنم میں بھی بھیج دیا جائے گا۔

نماز کو اہمیت نہ دینا مغفرت سے محرومی کا باعث بن سکتا ہے، اس لئے ترک نماز کو کفر قرار دیا گیا ہے کہ جس طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا، اسی طرح بے نمازی بھی عذاب کا مستحق ہو گا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔
''ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ اسی اثناء میں ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر مسجد میں داخل ہوا، اس نے مسجد میں اونٹ بٹھایا، اس کا گھٹنا باندھا پھر کہا۔
''آپ لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہیں؟''
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہؓ کی مجلس میں ٹیک لگائے تشریف فرما تھے، انہوں نے کہا۔
''یہ سفید فام جو ٹیک لگا کر تشریف فرما ہیں۔''
اس آدمی نے کہا۔
''عبدالمطلب کے بیٹے!''
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''(بات کرو) جواب دے رہا ہوں۔''
اس آدمی نے کہا۔
''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ سے کچھ دریافت کروں گا اور سوال میں سختی ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل میں (ناراضی) محسوس نہ کیجئے گا۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''جو چاہو پوچھ لو۔''
آدمی نے کہا۔
''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے رب کی اور آپ سے پہلے لوگوں کے رب کی قسم

دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے سب لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ گواہ ہے، ہاں (یہی بات ہے)۔"
اس نے کہا۔
"میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ گواہ ہے، ہاں۔ (ایسا ہی ہے)۔"
اس نے کہا۔
"میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے سال میں اس مہینے (رمضان) کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے؟"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ گواہ ہے، ہاں۔"
اس نے کہا۔
"میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے دولت مندوں سے یہ صدقہ (زکوۃ) لے کر ہمارے غریبوں میں تقسیم فرمائیں۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ گواہ ہے، ہاں۔"
اس شخص نے کہا۔
"میں آپ کی لائی ہوئی (شریعت) پر ایمان لے آیا ہوں اور میں اپنے پیچھے اپنی قوم کے افراد کی طرف سے پیغام رساں بن کر آیا ہوں، میں بنو سعد بن بکر (قبیلہ) کا ایک فرد ضمام بن ثعلبہ ہوں۔"
فوائد و مسائل:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجد سادہ اور کچی تھی، اس لئے اونٹ وغیرہ کے آنے سے منع نہیں کیا گیا، ممکن ہے اونٹوں کے بٹھانے کے لئے جگہ مخصوص ہو، اس بنا پر آج کل مسجد کے ساتھ سائیکلوں، اسکوٹروں اور گاڑیوں وغیرہ کے لئے جگہ خاص کی جاسکتی ہے۔
مجلس میں معزز شخصیت کے لئے نمایاں نشست مخصوص کی جاسکتی ہے تاکہ آنے والے اجنبیوں کو پہچاننے میں مشکل نہ ہو۔
اگر سائل سوال کرتے ہوئے ادب و احترام کا مناسب خیال نہ رکھ سکے تو عالم کو چاہیے کہ ناراضی محسوس نہ کرے۔
ایک راوی کی روایت (خبر واحد) قابل قبول ہے جبکہ وہ راوی قابل اعتماد (ثقہ) ہو۔
عالم کے پاس سفر کر کے جانا اور اس سے مسائل کی تحقیق کرنا مستحسن ہے۔
نازل سند کے ساتھ حدیث معلوم ہو تو عالی سند حاصل کرنے کی کوشش کرنا اچھی بات ہے۔
قرات علی الشیخ بھی حصول علم کا ایک درست طریقہ ہے۔
جب قوم کسی فرد کو اپنا نمائندہ منتخب کرلے تو پھر اس کی کارروائی پر اعتماد کرنا چاہیے، الا یہ کہ اس سے واضح غلطی سرزد ہو جائے۔
حضرت ابو قتادہ بن ربعیؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ عزوجل نے فرمایا۔"
"میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص انہیں وقت پر پابندی سے ادا کرے گا میں اس جنت میں داخل کروں گا اور جس نے انہیں پابندی سے ادا نہ کیا اس کے حق میں میرا کوئی وعدہ نہیں۔"

☆☆☆

رباعی سے رکابی تک

ابن انشاء

کیا مرد واقعی سست اور بے سلیقہ ہوتے ہیں؟ ہمارے اس سے اختلاف یا اتفاق رائے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ عمومی رائے یہی معلوم ہوتی ہے، اسی صفحے پر آپ ایک کارٹون دیکھیں گے، میاں نے لمبے ڈنڈے والے جھاڑو سے فرشوں کی صفائی کرنے کے بعد باورچی خانے میں بہت سی پلیٹیں دھولی ہیں، لیکن ابھی کچھ باقی بھی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ اس میں میاں نے کچھ زیادہ دیر لگا دی ہے، کیونکہ بی بی پہلے اپنے کمرے میں بیٹھی ریڈیو سنتی رہیں پھر ڈرائنگ روم میں رسالوں میں تصویریں دیکھتی رہیں، آخر اس سے بھی اکتا گئیں، کارٹون میں وہ میاں سے کہہ رہی ہیں۔

”ذرا جلدی کام کیا کرو جی! میرا بھی کچھ خیال ہے؟ کتنی دیر سے اکیلی بیٹھی بور ہو رہی ہوں۔“

☆☆☆

یہ مسئلہ بہت سے گھروں کا ہے، مرد لوگ گھر کی صفائی، چائے بنانے، برتن دھونے وغیرہ میں اتنی دیر لگا دیتے ہیں کہ بیویاں عاجز آ جاتی ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے، صبح کا وقت ہے، بیوی بستر میں پڑی ہیں، میاں چائے دانی بھر کر ان کے بستر کے پاس کی میز پر رکھ تو گئے لیکن پھر جا کر فرش رگڑنے لگے یا ناشتہ بنانے لگے، اتنا خیال نہیں کہ چائے بنا کر بھی دینی ہے، ادھر بیوی ایک ہاتھ سے اخبار تھامے اسے پڑھ رہی ہیں، دوسرے سے سر کھجا رہی ہیں، ان کا کوئی ہاتھ خالی ہوتا تو شاید خود چائے بنا لیتیں، میاں صاحب ناشتہ بنا کر بچوں کو نہلانے اور کپڑے بدلنے میں لگ جائیں گے اور پھر اپنے اور بیوی کے جوتے پالش کرنے کے بعد ان کو دفتر جانے کی جلدی پڑ جائے گی، شام کو آتے ہی باورچی خانے میں جا گھسیں گے یا غسل خانے میں بیٹھ کر بچوں کے کپڑے دھوئیں گے، اس سے فارغ ہوئے تو کچھ سلائی کا کام لے بیٹھیں گے، قمیضوں کے بٹن ٹانک رہے ہیں، جرابیں رفو کر رہے ہیں، گلدان سجا رہے ہیں، گویا ہر چیز کا خیال ہے، نہیں خیال تو بیوی کا جو اپنے کمرے میں پڑی برابر ریڈیو سن رہی ہیں یا معمے حل کر رہی ہیں اور بور ہو رہی ہیں، میاں سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آ کر ان کے پاؤں ہی داب دے۔

☆☆☆

ایک صاحبہ نے پچھلے دنوں ایک مضمون میں اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی اور اشارتاً کہا تھا کہ مردوں کو خانہ داری کی تربیت حاصل کرنا چاہیے، ان کا کہنا تھا کہ شوہر صاحب، علی الصبح بیوی کو بستر ہی میں چائے کی ایک گرما گرم پیالی بنا کر دے دیا کریں، تو یہ معمولی سی بات باہمی محبت میں اضافے کا موجب ہو سکتی ہے۔

انہوں نے اس بات کو شکوہ بھی کیا کہ بہت سے مردوں کو سویٹر بننے نہیں آتے، حالانکہ یورپ میں چند صدی پیشتر یہ کام مرد ہی انجام دیا کرتے تھے، اس کے انہوں نے کئی فائدے بھی گنوائے تھے، کہ سویٹر بننے سے سگریٹ پینے کی عادت

چھوٹ جاتی ہے، وہ یوں کہ سگریٹ کا گل جھاڑنے کے لئے ہر بار سلائیاں ہاتھ سے رکھنی پڑتی ہیں اور یہ سلائیاں چلانا اتنا دلچسپ شغل ہے کہ چند دن کے بعد مرد سگریٹ پر لعنت بھیج دے گا کہ اس سے سویٹر بننے کا مزا کرکرا ہوتا ہے۔

☆☆☆

ہماری رائے میں مردوں کے لئے شروع ہی میں اس قسم کی تربیت کا بندوبست ہو تو اچھا ہے، مثلاً ان کی تعلیم میں خانہ داری کا مضمون ضرور ہونا چاہیے اور اسکولوں میں انہیں آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، طرح طرح کے سالن تیار کرنا، بچوں کی نگہداشت، گھر کی صفائی وغیرہ سکھانے کا عملی انتظام ضرور ہو، تاکہ شادی کے بعد گھر سنبھال سکیں، اس خیال میں نہیں رہنا چاہیے کہ پڑھ لکھ کے گریجویٹ ہو گئے ہیں اور برسر روزگار ہیں تو لڑکیوں کے والدین ان کے گھر کے چکر کاٹنے شروع کر دیں گے۔

اب تو ضرورت رشتہ کے اشتہار میں بھی یہ قید لگا دی جائے گی کہ لڑکا قبول صورت اور پابند صوم وصلوۃ ہونے کے علاوہ گھر داری کا سلیقہ رکھتا ہو، سینا پرونا جانتا ہو، آٹھوں گانٹھ کمیت ہو، جہیز کی کوئی قید نہیں، جتنا زیادہ لا سکے لے آئے۔

لڑکی کی والدہ جب لڑکے کو دیکھنے آئیں گی تو لڑکے والے اس امر کا اہتمام کریں گے کہ اس وقت لڑکا حیا کی سرخی چہرے پر لئے باورچی خانے میں بیٹھا آلو گوشت پکا رہا ہو اور آٹا گوندھ کے ایک طرف رکھ چھوڑا ہو، لڑکے کی والدہ بہانے بہانے اپنی ہونے والی یا نہ ہونے والی سمدھن کو بتائے گی کہ یہ ساری چادریں اور غلاف میرے بیٹے نے کاڑھ رکھے ہیں، اپنے کالج میں سلائی کڑھائی میں ہمیشہ اول آتا رہا ہے، کھانا پکانے کی تربیت بھی ہم نے اچھی دلائی ہے، چھ مہینے تو اس نے شہر کے مشہور مسلم کالی ہوٹل میں خانساماں کا کام کیا ہے اور بیاہ شادیوں میں دیگیں پکانے بھی جاتا رہا ہے۔

ادھر سمدھن اپنی بیٹی کے گن گائیں گی کہ بہت خلیق اور ہنس مکھ ہیں، اپنی صحت کا بہت خیال رکھتی ہیں، اس لئے سہیلیوں کو لئے اکثر باغوں کی سیر کرتی رہتی ہیں، تصویریں بھی بناتی ہیں، آرٹ کونسل کی نمائش میں پہلا انعام ان ہی کو ملا، وہ یوں کہ انہوں نے طوطا بنایا تھا، کسی نے اسے گھوڑا بتایا، کسی نے درخت، کسی نے آٹا پیسنے کی چکی، صحیح کوئی نہ بتا سکا۔

فلم کوئی نہیں چھوڑی اور مطالعے کا ایسا شوق ہے کہ پاکستان کا کوئی فلمی رسالہ نہیں جو نہ منگاتی ہوں، گاتی بھی ہیں، ٹکٹ جمع کرنے اور قلمی دوستی کا شوق ہے، ہم نے اس بات کی احتیاط رکھی ہے کہ کھانے پکانے اور صفائی دھلائی سے اس کے ان اشغال میں حرج نہ واقع ہو، یوں بھی ان کے ابا پرانی وضع کے ہیں، ان امور میں عورتوں کا عمل دخل پسند نہیں کرتے، اب میں مطمئن ہوں کہ جیسا بر میں چاہتی تھی، ویسا اللہ نے دے دیا۔

☆☆☆

بہت سے مرد جن کی شروع کی زندگی بے قاعدگی اور بدنظمی میں گزرتی ہے، شادی کے بعد یکسر بدل جاتے ہیں، بشرطیکہ بیوی اچھی ملے اور میاں کی ذات میں جو کمی رہ گئی ہے اسے پوری کر دے، ہمارے دوست ڈاکٹر رفیق شیرازی کی مثال لیجئے، فلسفے سے ان کی شغف تھا، سو ایم اے میں بھی اول رہے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر یونیورسٹی میں پڑھانے بھی لگے، لیکن علوم مفیدہ سے یکسر نابلد رہے، شادی ہوئی تو ہمیں ان کی آئندہ کی زندگی کے متعلق طرح طرح کے اندیشے تھے، لیکن پچھلے دنوں گاندھی گارڈن کے

سامنے مل گئے، ایک بچہ ان کے کاندھے پر تھا اور دوسرا بچہ گاڑی میں، جسے وہ (بوتل سے) دودھ پلا رہے تھے، معلوم ہوا بیوی اندر پھولوں کی نمائش دیکھنے گئی ہیں۔

ہم نے کہا ''کہو کیسی گزر رہی ہے؟'' بولے یار اس عورت، نجمہ نے تو مجھے کندن بنا دیا ہے، تم جانتے ہو میں کیسا بے کار احدی آدمی تھا، سوائے کتابوں کے کسی بات کا ہوش نہ تھا، روٹی پکانی تو ایک طرف آٹا گوندھنا تک نہ جانتا تھا، کپڑے دھونے اور استری کے فن سے بھی آگاہی نہ تھی اور بچوں کو نہلانے، رات کو اٹھ کر پیشاب کرانے کا سلیقہ بھی کہاں آتا تھا، اب ان دو سال میں سب کچھ آ گیا ہے، چائے بہت عمدہ بناتا ہوں، بلکہ نجمہ کو میرے ہاتھ ہی کی پسند ہے، برتن بھی خدا کے فضل سے اچھے دھوتا ہوں، پچھلے دنوں اس کام کے لئے نوکر رکھا تھا، لیکن اس نے دو پلیٹیں توڑ دیں، آخر اسے ہٹا کر پھر مجھے رکھا، یعنی پھر یہ کام میرے سپرد کیا، پھر قدر داں ایسی ہیں کہ ہر آئے گئے سے تعریف کرتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو خانہ داری کا سلیقہ اتنا اچھا آتا ہے کہ ان کے ہاتھ چومنے کو جی چاہتا ہے، خیر یہ ان کی محبت ہے، من آنم کہ من دانم۔''

ہم نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ شعر بھی تو کہتے تھے اور غزل میں تو آپ کا اپنا رنگ تھا۔''

بولے۔

''ہاں کہتا تھا، لیکن اب معلوم ہوا کہ سب تضیع اوقات تھی، جتنی دیر میں ایک شعر ہوتا تھا اتنی دیر میں پورا باورچی خانہ دھو ڈالتا ہوں۔'' ہم نے کہا۔

''خیر کوئی رباعی ہی سنایئے کہ وہ بھی آپ کی بہت مرغوب صنف ہے۔''

بولے۔

''رکابی؟ اچھا یاد دلایا، آج بازار سے رکابیاں بھی خرید کے لے جانی ہیں، بیگم نے کچھ سہیلیوں کو حلیم کھچڑے کی دعوت دی ہے، بھلا بتایئے تو کیا کیا پڑتا ہے حلیم میں؟ آج پہلی بار پکاؤں گا یہ ڈش۔''
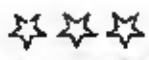
☆☆☆

سندس جبیں

قاری کا مصنف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے، ایسا تعلق جو ان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے، ہماری قارئین بھی مصنفین سے ایسی ہی دلی وابستگی رکھتی ہیں اور وہ مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں کہ ان کی ذاتی زندگی، خیالات، احساسات وہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے "ایک دن حنا کے نام" جس میں ہر ماہ ایک مصنفہ اپنے ایک دن کا احوال لکھیں گی جو صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات نیند کو خوش آمدید کہنے تک وہ کون کون سی مصروفیات ہے لکھنے کے علاوہ جو وہ انجام دیتی ہے، امید ہے آپ کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

فوزیہ شفیق

"A man without a frinnd is beast on earth"
(Aristotle)

یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اس کرۂ ارض پر انسان تنہا سفر نہیں کر سکتا، اسی طرح یہ تاثر دینا غلط ہے کہ رائٹرز کی طرز زندگی عام انسانوں سے مختلف ہے، رائٹرز بھی عام انسانوں کی طرح ہنستے مسکراتے، چلتے پھرتے، دنیا داری کے معاملات میں حصہ لیتے ہیں۔

"I prefer to be surrounded by people, good people and who inspire me, you its necessary to grow in life"

اس لئے مجھے بھی زندگی میں ہنسنا مسکرانا اچھا لگتا ہے، بنیادی طور پر میں خوش طبع اور خوش مزاج شخصیت ہوں، اپنی کہانیوں کے برعکس سنجیدگی مجھے پسند نہیں ہے۔

میں نے گوجرانوالہ کے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہاں ابو جان ہمیشہ سے سحر خیز تھے، ہمارا دن سورج کی کرنوں کے پھوٹنے اور شبنمی اوس گرنے سے پہلے ہوتا ہے، نماز اور تلاوت کے بعد تسبیح لے کر چھت پر واک کرنا بہت پسند ہے۔

لٹریچر سے گہرا تعلق ہے، لٹریچر پڑھا ہے، لٹریچر لکھتی ہوں اور لٹریچر ہی پڑھاتی ہوں، اردو لٹریچر کو شوقیہ گھول کر پیا ہے ہاں البتہ ڈگری ایم انگلش اور بی ایڈ کی پاس ہے، ایک کالج میں انگلش لیکچرار ہوں، صبح کا آغاز نماز تلاوت اور واک سے ہی ہوتا ہے اس کے بعد کالج کی تیاری کرتی ہوں اور ساتھ ساتھ ناشتہ چلتا ہے، کالج کے لئے تیار ہوتے ہوئے لباس کی چوائس موسم اور فیشن کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، سرد جاڑوں میں جینز، کرتہ اور گرم شالز زیادہ استعمال میں رہتی ہے، بہار میں گھیر دار فراکیں اور چوڑی دار پاجامے اور کبھی کھلے ٹراوزرز اور پلازو لانگ شرٹ کے ساتھ چلتے ہیں، سکارف ضرور اوڑھتی ہوں، یہ میرے لباس کا لازمی حصہ ہے، سارا دن اپنے شوق اور جنون کے ساتھ انصاف کرتے گزرتا ہے، اس مصروف ترین ٹائم فریم میں بھی ہنسی خوشی اور تفریح کے مواقع نکال لئے جاتے ہیں، جیسا کہ فرصت کے لمحات میں ندا (میری عزیز تر ساتھی) کے ساتھ ایک کپ چائے اور ساری تھکن غائب ہو جاتی ہے، لنچ میرا ندا کے ساتھ کسی ریسورنٹ میں ہی ہوتا ہے، نئی نئی ڈشز ٹرائی کرنا اور نئی جگہیں Explore کرنا پسند ہے۔

واپسی عموماً چار بجے کے بعد ہوتی ہے، گھر آ کر کچھ آرام اور فریش ہونے کے بعد اپنی کسٹرز کے پاس بیٹھتی ہوں، انہیں ٹائم دینا ان کی دن بھر کی باتیں سننا اور امی جان کے ہاتھ کی بنی چائے سے لطف اندوز ہوتا، اس کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کی سب سے اوپر والی چھت پر ڈوبتے سورج کا اداس منظر دیکھنا میرے معمولات میں شامل ہے، یہی وہ وقت ہوتا ہے جب یادوں کی جاگیر پر دور جا نکلتی ہوں، وہ لوگ جو بچھڑ گئے، جو چلے گئے اور جو زندگی میں ہو کر بھی نہیں ان کی سنبھالی گئی یادوں کو ہر روز نظروں کی یادداشت سے گزارنا معمول ہو چکا ہے۔

مغرب کی اذان کے ساتھ ہی میری مصروفیات کا آغاز پھر سے ہو جاتا ہے، اگلے دن کے لئے لیکچرز تیار کرنا، اپنی اسٹڈی کرنا، کوناول یا ناولٹ کے چند صفحات ہی سہی مگر ضرور لکھنا اور فیس بک آن کرنا سب کچھ اسی وقت کرنا ہوتا ہے، اسی دوران اگر عزیز از جان (ندا) سے بات نہ ہو تو نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

گیارہ بجے تک مجھے سب کچھ سمیٹنا ہوتا ہے، پھر نیند کی وادی اور میں اور بس، آخر میں میں کہنا چاہوں گی کہ:۔

میں نے جو لکھا وہ زیادہ تر مشاہداتی ہے، تجرباتی نہیں، ہمارے معاشرے میں کبھی بھی رائٹرز کو وہ مقام نہیں ملا جس کے وہ حقدار ہیں، زیادہ تر لوگ اس کو شوقیہ اپناتے ہیں کیونکہ انہیں پتا ہے اگر وہ اسے پیشہ بنائیں گے تو بھوکے مر جائیں گے، اس صورتحال پر افسوس ہوتا ہے۔

یہاں آج حنا کے توسط سے میں ان تمام لوگوں کو شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، جنہوں نے اس سفر میں میرا ساتھ دیا، قدم قدم پر حوصلہ دیا اور اپنی قیمتی رائے سے نواز کر مجھے بہتر لکھنے پر اکسایا، اس فہرست میں عاشی جبیر، سہانی خوشی، سبین علی، ندا یوکس، حنا حورانی، سدرہ آفاق، ثنا عاصم، فہیم انجم، طوبیٰ رفیع، اخچل ردا اور دیگر تمام دوستوں کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔

آخر میں حنا کا شکریہ ادا کرتی ہوں جن کی وجہ سے آج میں اس مقام پر ہوں۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا شکریہ۔

☆☆☆

دل گزیدہ

ام مریم

دوسری قسط کا خلاصہ

ماضی کی یادوں کے سرابوں میں بھٹکتی ہوئی عورت پچھتاوے کے جان لیوا عذاب سے دوچار ہر لحہ خود کو فریب دینے کی کوشش میں سرگرداں اپنے نقصان کو بھولنے کی سعی میں مصروف ہے۔

مون مضبوط قوت ارادی اور بلند حوصلوں کا مالک ایسا شخص ہے جسے پلٹ کر پیچھے دیکھنا وقت کے زیاں کے علاوہ کچھ نہیں لگتا، وہ آگے دیکھنا نئی منزلوں کو پالینے کا عزم رکھنے والا انسان ہے، جسے ذاتی مفاد سے زیادہ اجتماعی مفاد عزیز تر ہے۔

منیب چوہدری کو ماضی کا ایک تلخ تجربہ محتاط ہی نہیں زہر خند بھی کر چکا ہے، وہ خود کو مزید تجربات کی نذر ہوتے برداشت نہیں کر سکتا، مگر حالات جیسے اس کے اختیار سے باہر ہو رہے ہیں۔

غانیہ لاابالی اور نوعمر دوشیزہ...... جو پہلی نظر کی محبت کے جال میں ایسے پھنسی ہے کہ خود بھی نکلنا نہیں چاہتی۔

تیسری قسط

اب آپ آگے پڑھیے

میرے ہم سفر تجھے کیا خبر
یہ جو وقت ہے کسی دھوپ چھاؤں کے کھیل سا
اسے دیکھتے اسے جھیلتے میری آنکھ گرد سے اٹ گئی
میرے خواب ریت میں کھو گئے
میرے ہاتھ برف سے ہو گئے
میرے بے خبر تیرے نام پر
وہ جو پھول کھلتے تھے ہونٹ پر
وہ جو دیپ جلتے تھے بام پر
نہیں
وہ نہیں رہے
وہ نہیں رہے کہ جو اک ربط تھا درمیاں وہ بکھر گیا
وہ ہوا چلی کسی شام ایسی ہوا چلی
کہ جو برگ تھے سر شاخ جاں وہ گرا دیئے
وہ جو تھے ریت پر وہ اڑا دیئے
وہ جو راستوں کے یقین تھے
وہ جو منزلوں کے امین تھے
وہ نشان پا بھی مٹا دیئے

بستر پہ نیم دراز دونوں بازو سر کے نیچے رکھے وہ چت لیٹا ہوا تھا، صبیح پیشانی کی رگ ابھری ہوئی تھی جو اس کے شدید طیش اور غیض کی غمازی کیا کرتی تھی، بھینچے ہوئے ہونٹ صاف جتلاتے تھے، وہ بامشکل خود کو کنٹرول کر پا رہا ہے، ابھی کچھ دیر قبل جب وہ شہر سے لوٹا تو سہیل نے اس کے گھر میں گھستے ہی ابا جی کا پیغام دیا تھا۔

''آپ کو ابا جی یاد کر رہے ہیں دیر سے......!''

''کپڑے بدل لوں تو سن لیتا ہوں بات، تم ذرا کنیز سے کہنا میرے لئے چائے بنا دے۔''

آج وہ معمول سے زیادہ تھکا ہوا تھا، نہانے کے بعد ارادہ ذرا آرام کرنے کا تھا، کہ ابا کے پیغام نے اس ارادے پر اوس ڈال دی۔

''چائے کا کہہ دیتا ہوں، مگر بہتر ہوگا پہلے آپ ابا جی کی بات سن لیں، پچھلے دو گھنٹوں سے مجھے یہاں پہرے داری پر مامور کیا ہوا ہے، کب آپ آئیں تو آپ کو ان کے پاس بھیجوں۔'' سہیل کی طویل وضاحت اور تاکید نے اس کی آنکھوں میں حیرت و الجھن بھر ڈالی۔

''کیا مطلب؟ ایسی کون سی اہم اور ضروری بات ہے، گھر میں ٹھیک ہے ناں سب؟'' الجھن کے بعد دوسرا شدید احساس پریشانی کا تھا، سہیل نے جواباً اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں کاندھے اچکا دیئے۔

''بظاہر تو خیریت ہی لگتی ہے، باقی آپ جانیں اور ابا جی! دادی کے کمرے میں ہیں وہیں جائیے گا۔'' سہیل ذمہ داری سے فارغ ہو کر اپنی راہ ہو لیا، منیب نے ایک نگاہ ویسی ہی الجھن آمیز

اپنے فارمل ڈریس پہ ڈالی اور ہاتھ میں یونہی بیگ لئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا کسی قدر تشویش میں مبتلا دادی کے کمرے میں آیا تو ابا جی کو حقہ گڑگڑاتے کس قدر طیش میں اونچا اونچا بولتے پا کر وہیں چوکھٹ پہ تھم گیا، انداز کی الجھن وتشویش میں اضافہ ہی ہوا۔

''خیریت ہے ابا جی! کیا ہوگیا ہے؟'' وہ مداخلت کیئے بغیر نہیں رہ سکا، تاؤ جی نے چونک کر پلٹتے ہوئے اسے دیکھا اور حقے کی نے پرے کرتے اچھی خاصی طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا اور طنزیہ ہی ہنکارا ابھرا تھا، منیب ٹھٹک کر رہ گیا، اسے قطعی ان کا یہ ناگوار سوا گت سمجھ نہیں آسکا تھا۔

''ادھر آ کے بیٹھ، بتا دیتا ہوں کیا ہوا تجھے، بلکہ کیا گل کھلایا ہے تو نے۔'' جواباً ان کا پھنکار زدہ لہجہ پھاڑ کھانے والا ہی نہیں طنزیہ وکاٹ دار بھی ہوا، ملامت بھی سمیٹ لایا، منیب اس مزید عزت نزولی پہ جو بڑھتا موڈ کی خرابی کی وجہ کا اندازہ لگاتا دھیمے تھکن زدہ قدم اٹھاتا ان سے کچھ فاصلے پہ چارپائی پہ اپنا بیگ رکھتا خود بھی پائنتی پہ ٹک گیا، کوٹ اس نے اتار کر بازو پر لٹکا لیا تھا، دادی اور اماں کے ساتھ ابا کے چہرے کو وہ محتاط نظروں سے دیکھتا منتظر ہوا تھا۔

''بتانا پسند کرے گا منیبے کہ ایسا کیا کہا تھا تو نے غانیہ دھی سے کہ وہ بے ہوش ہی ہوگئی۔'' سوال تھا کہ بارود کے گولا جس نے منیب کے وجود کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے تھے، بلکہ سوال بھی کیا تھا، یہ تو الزام تھا، سیدھا سیدھا فرد جرم عائد ہوئی تھی، اس کا رنگ فطری طور پہ متغیر ہوا، اس نے جانا اگر مخاطب کو الفاظ برتنے اور انتخاب کا سلیقہ نہیں آتا تو کیسے آپ کو لمحوں میں فگار اور بے مایا کر کے رکھ سکتا ہے، وہ کتنے مضبوط اعصاب کا مالک تھا، اس قدر پر اعتماد رہتا تھا، کہ سامنے والے کے بھرپور اعتماد کو اس کی اک سرد نگاہ بھی متزلزل کر دیا کرتی تھی، مگر اب اس لمحے اس کا سارا اعتماد سارا کروفر اس کے باپ کے نامناسب الفاظ نے تنکے کی مانند اڑا کر رکھ دیا تھا۔

''بولتا کیوں نہیں ہے اب؟ دیکھ منیبے تو مکر نہیں سکتا کہ جب وہ تمہارے کمرے میں گئی تو وہاں موجود نہیں تھا یا تو نے سرے سے اسے کچھ نہیں کہا، تو وہاں تھا بھی اور وہ تیری کسی غلطی سے ہی بے ہوش ہوئی میں جانتا ہوں۔'' اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر انہوں نے پھر اس پہ کچھ ایسے کڑے اور شدید وار کیے کہ وہ ان لفظوں کی دھار سے کتنا لخت لخت ہوتا بکھرتا چلا گیا، خفت وسبکی اور شک کا یہ انداز ایسا تھا کہ اس کی دبکی ہوئی رنگت خطرناک بلکہ خوفناک حد تک سرخ پڑ گئی، برداشت ختم ہوتی تو ایک دم جھٹکا لگا کر سیدھا کھڑا ہوا تو گود میں دھرا بلیک کوٹ زمین پہ جا گرا، مگر اس وقت اسے ہوش کہا تھا۔

''بس کریں ابا جی! بہت ہوگئی۔'' وہ زور سے تڑخا، اس کی آواز میں گھن گرج تھی، مگر ابا جی کہاں وکیل بیٹے کے اس لہجے سے خائف یا مرعوب ہونے والے تھے، جبھی اس سے زیادہ زوردار آواز میں دھاڑے۔

''اپنی وکالت کا رعب یہاں نہ جھاڑ سمجھا۔'' وہ آنکھیں نکال کر غرائے، اور اسے دبانا چاہا، یہ ان کی عادت تھی، کسی بھی اختلافی مرحلے پہ وہ اسے یونہی اس کی قابلیت کا طعنہ دے کر منہ بند کرایا کرتے، منیب احتراماً چپ ہو جایا کرتا، یہ سوچ کر بھی کیا شک تھا کہ اللہ کی مہربانی کے بعد اسے اس مقام تک لانے میں اس کے والدین کا ہی اہم کردار رہا تھا، مگر اس وقت وہ اس جذباتی بلیک

میلنگ کا شکار ہونے کو ہرگز تیار نہیں تھا، وہ اس جال میں ذرا سا بھی اٹک جاتا تو جانتا تھا، اس گھات میں کب سے بیٹھے ابا ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے اس جال میں پھانس لیتے، یہی نہیں چاہتا تھا وہ۔

''جواب دیئے بغیر تم نہیں جا سکتے منیب۔'' ہونٹ باہم بھینچے جلتی آنکھوں سمیت وہ پلٹ کر وہاں سے جانے کو مڑا ہی تھا کہ ابا جی نے بہت جارحانہ انداز میں اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیا، منیب کو ان کے رویئے سے زیادہ ان کے الفاظ تکلیف دے رہے تھے، ان کا شک میں ڈوبا ہوا انداز اذیت میں مبتلا کر رہا تھا، اس کی آنکھوں میں اترتی لالی میں اضافہ ہونے لگا۔

''مجھ سے باز پرس کرنے کی بجائے کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ ایک سوال اس لاڈلی سے بھی پوچھ لیتے، وہ کیا کرنے آئی تھی میرے کمرے میں؟'' جواب میں جس آتشیں لہجے میں بغیر لحاظ رکھے وہ پھنکار کر بولا وہی برداشت نہ ہو سکا تھا تاؤ جی سے، جبھی ان کی آنکھیں غیض وغضب سے سلگ اٹھیں۔

''وہ بچی ہے نادان، ابھی اچھے برے کی تمیز نہیں تھی اسے، اگر اس سے بھول ہو گئی تھی کوئی تو کیا تمہیں اس حد تک پستی میں اترنا چاہیے تھا کہ اس کے بعد میں اپنے بھائی کا سامنا کرنے کے بھی قابل نہ رہتا۔'' تاؤ جی کا لہجہ صرف ملامت برساتا سنگ باری کرتا ہوا ہی نہیں تھا، شک سے لبریز زہر میں ڈوبا ہوا بھی تھا، منیب اس درجہ یقین اس درجہ سنگین الزام پہ تھرا اٹھا، گویا کسی دہکتے الاؤ میں جا پڑا، اس نے دکھ سے لبریز لہو رنگ ہوتی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور بے اختیار چیخ اٹھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے ابا جی جو آپ اتنے فضول الزام دھر رہیں مجھ پہ، دکھ تو یہ ہے یہی اعتماد تھا آپ کو مجھ پہ؟'' آخر میں اس کی آواز بے ساختہ و بے اختیار بھرا کر رہ گئی تو ہونٹ بھینچ ڈالے، آواز اور گلے کا یوں بھیگ جانا اس کے شدید ترین ذہنی اذیت وصدماتی کیفیت کی جانب اشارہ کرتا تھا، اس وقت جو آگ اس کے دل کو نگل رہی تھی وہ ایک طرف اس سے کہیں بڑھ کر وحشت بھرا احساس دامن پہ آ لگنے والے داغ کا تھا، جو اسے بے قابو ہو جانے پاگل بنا دینے کے در پے تھا۔

''خون اور تربیت کو بیچ میں مت لا، آج کی چاہے سگی اولاد کیوں نہ ہو قسم دینا محض حماقت ہے، دور ہی ایسا نازک جا رہا ہے، ارے ہمارا تو مذہب بھی یہی تاکید کرتا ہے کہ عورت کو برت چکنے والے مرد کو تنہا نہ چھوڑو، تمہیں تو یہ تنہائی سہتے بھی برس بیت گئے، بندہ بشر ہے انسان خطا کا پتلا......'' وہ کچھ اور بھی کہہ رہے تھے، منیب کی سماعتوں نے بے کار ہوتے صدمے سے بے کار ہوتے ساتھ چھوڑ دیا، ان کے الفاظ اسے پتھرا کر رکھ گئے تھے، اس نے اپنے باپ کو صدمے سے پھٹتی بصارتوں کے ساتھ دیکھا تھا، اتنا سنگین الزام، وہ بھی اس پہ، اس قدر گھٹیا، اس کی دھڑکنیں چیخنے لگیں، شرم اور غیض کا شدید احساس پتھر بنا کر رکھ گیا۔

''دیکھا...... اسی لئے بولتی بند ہو گئی ہے اس کی کہ جھوٹا جو ہے۔'' تاؤ جی کو اس کی مہیب چپ نے اپنی بات سچ ثابت کرنے کا موقع فراہم کر دیا، وہ بڑا چمک کر اماں اور دادی کو اپنا ہمنوا بنانے کو

بول پڑے، منیب کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو کر چھلک پڑیں تو بے اختیار اپنا رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

''اگر یہ سب آپ اس لئے کر رہے ہیں ابا جی کہ میں اسے اپنانے سے انکار کی پوزیشن میں نہ رہوں، جو یقیناً اسی لئے کر رہے تو یاد رکھیں، آپ کی اس حرکت سے میرا انکار پختہ تو ہوا ہے، کمزور نہیں، مجھے آپ کی گواہی کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ میں خود کو سچا ثابت کرنا چاہوں، کمزوری میری نہیں آپ کی بھتیجی کی ہے، اسے میری طرف سے خوشخبری سنا دیجئے گا وہ میرا پہلا انتخاب اگر نہیں بن سکی تو دوسرا بھی کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اب میں پہلے کی طرح نہ جذبات کی رو میں بہتا ہوں نہ محبت کے جال میں پھنستا ہوں، میرا خیال ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔'' وہ بولا تو اس کا لہجہ متوازن تھا، ٹھہرا ہوا پر سکون، جذبات کی تند خیز لہروں کو وہ اجازت نہیں دے سکتا تھا، اسے بہا کر اپنے ساتھ لے جائیں، اسے کمزور کریں، وہ اب بھی کمزور نہیں پڑا کرتا تھا، یہ طے ہو چکا تھا، اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں تھا، نہ پلٹ کر تا ؤ جی کا فق ہوا رنگ دیکھنے کو ٹھہرا، جو خود کو سنبھال کر بہت دیر بعد تک بھی گرجتے رہے۔

''میں سمجھاؤں گی منیب کو، آپ فکر نہ کریں جی، معافی مانگ لے گا وہ لاڈلی غانیہ دھی سے۔'' اماں نے منمنا کر کہتے سر کے سائیں کا غصہ دا شتعال کم کرنا چاہا، جو پڑھے لکھے ذہین و قابل بیٹے کی اکڑ دیکھ کر ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا اور کم ہونے میں نہیں آتا تھا، گھر والی کی اس تسلی کو خاطر میں نہیں لائے۔

''ادنہوں سمجھائے گی۔'' وہ پھنکارے، پھر انگلی اٹھا کر تنبیہ کے انداز میں ماں کو مخاطب کیا۔

''اماں وہ خود کو طرم خان سمجھنے لگا ہے، کسی ہواؤں میں اڑتا ہے مگر ماں پیو کو تکلیف دے کر منہ کے بل ہی گرے گا اگر یہی اکڑ رکھی تو، آپ بتا دینا اسے، شادی اسے غانیہ سے ہی کرنی ہے، اس بار من مانی نہیں کر سکے گا ورنہ میرا مرا ہوا منہ دیکھے گا یاد رکھے، مجھے میرے بھرا کے آگے مزید ذلیل نہ کرے اس کی مہربانی ہو گی۔'' اسی گرجدار آواز میں کہتے وہ خود بھی کمرے سے چلے گئے تو دادی نے جانے کب کا رکا ہوا سانس بحال کیا تھا اور شاکی نظروں سے بے بس نظر آتی بہو کو دیکھا، گویا سخت متاسف ہوں۔

''اس کی عقل گٹوں میں تھی، گٹوں میں ہی رہے گی لگ رہا ہے، جوان اولاد سے ایسے بات نہیں کی جاتی مگر کون سمجھائے، لو منہ اٹھا کر بڑی بڑی باتیں ہی کر ڈالیں، پہلے بھرا سے وی پوچھ لیتا اس کا ارادہ، پرا تو پھر بھی سن لے گا، من لے گا، پر جو اس کی گھر والی ہے، وہ مرتے مر جائے گی، منے گی نہیں، اس کملے کو یہ نہیں سمجھ آنے کی۔'' اب وہ خود اکیلی بول رہی تھیں، اماں خاموشی سے سننے پر مامور ہوئیں۔

☆☆☆

''غانیہ کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی اماں! پھر اپنا منیبا ہے دی تو شیر جوان، حسن جوانی اللہ نے وافر دی ہے ماشاء اللہ۔'' ان کے انداز میں مخصوص فخر تھا جو منیب کے حوالے سے بات کرتے از خود لہجے میں اتر آیا کرتا، دادی اس دوران پہلی بار مسکرائیں۔

''کوئی شک نہیں، پر غانیہ کی ماں غانیہ کی طرح نہ نادان سے نہ ہی محبت کے ہاتھوں مجبور ہونے والی، پھر اپنا منیب وی تو دلچسپی رکھے، یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی پتر؟'' ان کا انداز تشویش زدہ تھا اور ساتھ کے کمرے میں یہ ساری گفتگو سنتا منیب پہلی بار ذرا ریلیکس ہوا۔

(غانیہ صاحبہ! آپ کے راستے کا پتھر صرف میں نہیں آپ کی والدہ صاحبہ بھی ہیں اور میں ان کا مشکور ہوں کہ ان کی مخالفت میری زندگی کو مزید تاریک اور پرآزمائش ہونے سے روکے رکھے گی اور ہر بار شکست کا مزا میں ہی کیوں چکھوں، ہر بار تجربے کی بھینٹ میرا وجود کیوں چڑھے، ہر بار محبت کے نام پہ دھوکہ میرا نصیب کیوں بنے)۔

دوسری طرف تاؤ جی تھے، جلتے پیر کی بلی کی مانند کھیتوں میں چکراتے ہوئے، مضطرب بیکل بے قرار جانتے تھے آج لاڈلے بیٹے کو سخت اذیت میں مبتلا کر آئے ہیں، مگر وہ بھی کیا کرتے، ان کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہ رہا تھا، اس روز غانیہ کو منیب کے کمرے کے دروازے پر بے ہوش ہو کر گرتے دیکھا تو بیٹے کی محبت میں مجبور دل نے اک معصوم سا بے ضرر سا منصوبہ ترتیب دے لیا۔

اپنی اس سازش کے جال میں منیب کو پھانس کر غانیہ سے شادی پہ مجبور کر دینے کا خیال بہت خوش کن تھا، غانیہ جو اپنی معصومیت دلکشی اور فرمانبرداری سے بڑھ کر ان کے ہٹ دھرم ضدی بیٹے کے ارمان آنکھوں میں سجائے انہیں زیادہ پیاری اور دلاری لگی تھی، اس کے خواب کے رکھوالے بننے پہ تل گئے، ویسے بھی اس میں حرج کیا تھا، وہ اس کی منگیتر تھی، اس کی امانت تھی، پر ایسی امانت جس سے امانت دار کو ہی غرض نہ تھی، وہ اسے غرض دار بنانے کے خواہش مند ہو گئے، وہ کیا کرتے، مجبور تھے، باپ جو تھے، محبت جو کرتے تھے اس سے، اسے زخم خوردہ تنہائی کا عذاب سہتے اور خود پہ دانستہ مسلط کر دینے والے روگ کو توڑ پھینکنا چاہتے تھے، ایسے بیٹے کو خوشیاں دینے کے متمنی تھے جو خود ساختہ پابندیاں عائد کر چکا تھا، زندگی کی طرف راغب نہیں ہوتا تھا۔

حالانکہ جب پہلی مرتبہ اس نے محض انیس سال کی عمر میں اپنی پسند کی ہوئی لڑکی کو لا کر ان کے سامنے کھڑا کیا اور شادی کا مطالبہ ظاہر کیا تو انہیں کتنا غصہ آ گیا تھا اس پہ۔

''تو بھول گیا منیب تیری شادی غانیہ سے ہونی ہے، مجھے اپنے بھرا سے کیا ہوا وعدہ بڑی اچھی طرح یاد ہے۔''

''کون غانیہ؟'' جواب میں منیب چوہدری کی اجلی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔

''تیرے جمال چاچے کی چھوٹی دھی، ہور کون؟'' انہوں نے تیوری چڑھا کر جواب دیا تھا، جبکہ منیب کی ناگواری حیرت د غیر یقینی کے ساتھ تاسف میں بھی ڈھل گئی تھی، اسے وہ پچھلی عید پر آنے والی بچی یاد آ گئی جو جمال چاچا کی چھوٹی بیٹی ہی تھی غالباً، بات بات پہ بسورتی اسٹائلش سی فراک میں گل گوتھنی سی آٹھ دس سال کی بچی، وہ تھی اس کے لئے ابا کا انتخاب، اسے عجیب سی خجالت و خفگی نے گھیر لیا۔

''مائی گڈنیس! تو آپ نے مجھے اس دو انچ کی لڑکی سے منسوب کیا ہوا ہے؟'' اس کی حیرت تمام ہوئی تو لہجہ واضح تمسخر سمیٹ لایا تھا، جو ظاہر ہے تاؤ جی کو پسند نہیں آ سکتا تھا۔

''اس دو انچ کی لڑکی کو کبھی نہ کبھی تیرے برابر کی بھی ہونا ہے، ذرا صبر کر لے، ایسی کون سی

آخیر آئی ہوئی ہے تجھے؟ پڑھائی لکھائی ادھوری ہے، بیاہ رچانے کو اتاؤلے ہو رہے ہو۔'' انہوں نے جواب میں اسے مقدور بھر بے نقط سناتے گویا ذلیل کرنا چاہا، مگر مجال ہے جو وہ دبا ہو یا پیچھے ہٹا ہو، وکیل تو وہ بہت بعد میں جا کر بنا، لیکن وکالت بہت پہلے سیکھ گیا تھا، زندگی کے ہر مقام پر وہ اپنی دلیلوں سے مقابل کو چت کیے دیتا تھا نہ اپنی چرب زبانی سے کسی کو قائل ہونے دیتا۔

''ایک بات آپ لکھ کے رکھ لیں ابا جی، آپ کی اس چھٹانک بھر کی بھتیجی سے مجھے نہ آج دلچسپی ہے نہ آج سے دس سال بعد ہونی ہے، شادی مجھے اگر کرنی ہے تو بس نیناں سے۔'' اس نے اپنی بات صرف کہی نہیں تھی، کر کے بھی دکھا دی تھی اور تاؤ جی اپنے چھوٹے بھائی سے جتنے بھی شرمندہ ہوئے مگر بیٹے سے لاتعلق نہ ہو سکے، یہ شاید ان کا دل دکھانے کی سزا تھی کہ منیب کا ارمانوں سے بسایا ہوا گھر آباد نہ رہ سکا اور نیناں اس کے گھر کے ساتھ دل بھی اجاڑ کر چند دن کے حمدان کی ... داری بھی اس پہ ڈال کر خود راستہ بدل گئی، پیچھے وہ رہ گیا تھا جسے ابظاہر تو کوئی فرق نہ پڑھ سکا کہ وہ زندگی کے ہر مقام پہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی اور جانفشانی سے ڈٹ چکا تھا، مگر اندر کوئی چنگاری ہنوز دبی رہ گئی تھی کہ برس ہا برس گزر جانے کے بعد بھی وہ پھر سے شادی کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا ... ہوا تھا کہ خوب صورت جذبات کا ناگ۔ منیب چوہدری اب ایک بے حس سفاک اور سنگدل شخص تھا، جس کے پاس نہ جذبے تھے نہ خوب صورت احساسات، وہ ہر رنگ سے عاری ہوا تھا، ایسے کہ اس کی ویران بے رنگ زندگی اس کے اپنوں کے دل کا ناسور بنتی گئی، پھر غانیہ کا یہاں آنا اور اس کی ذات میں دلچسپی لینا بھی کسی سے مخفی نہ رہا تھا، وہ معصوم لڑکی جانتی تک نہ تھی کہ وہ خالص جذبہ جسے وہ دل کے نہاں خانوں میں بہت سینت سینت کر رکھتی ہے، ایسے گلاب کی مانند مہکا ہے کہ ہر سو اپنی خوشبو بکھیر دی ہے، اس کی روشن آنکھوں پر جھلمل کرتے سنہرے خواب اور اس شخص کے اچانک تذکرے اور سامنے پہ جو رنگ چہرے پہ بکھرتے ہیں وہ اس شخص کے سوا سب کی نظروں میں آ کر اسے معتبر بنا گئے ہیں آس مند کر گئے ہیں، تن مردہ میں نئی جان ڈال گئے ہیں، انہیں لگا اس معمولی سی ہیرا پھیری سے وہ چھوٹے بھائی سے کیا وعدہ ہی نہیں نبھا میں گے، بیٹے کا ٹوٹا ہوا دل بھی جوڑ دیں گے مگر......

''کیا ہو گیا ہے آپ کو منیبے کے ابا! اتنی نکی سی گل کو دل کا روگ بنا کر بستر پہ پڑ گئے ہیں۔''
آج تیسرا دن تھا، وہ مسلسل بخار میں پھنک رہے تھے، نہ کھاتے پیتے تھے، نہ بولتے تھے، تائی اماں کے ساتھ ساتھ دادی کی بھی جان پہ بنی ہوئی تھی، انہوں نے سرد آہ بھری۔

''نکی سی گل نہیں ہے بھلیے لوکے، جمالے کے ساتھ ساتھ میں اپنے پتر کی بھی نظروں سے گر گیا ہوں بتول بی بی! وہ کیا سوچتا ہوگا ابے کی سوچ اتنی تنگ ہے، میں نے تو یہ بھی خیال نہ کیا اس طرح بات کرنے سے اس سچے موتیوں جیسی میری دھی پہ بھی گل آئے گی، جو کوئی غیر نہیں میرا اپنا خون ہے، میرے بھرا کے جگر کا ٹکڑا ہے۔'' وہ جیسے رو سے پڑے، ان کی طبیعت پوچھنے کو ادھر آتا ہوا منیب وہیں چوکھٹ سے آگے نہ بڑھ سکا، ہونٹ بے ساختہ باہم بھینچ کر رہ گئے۔

''بات صرف منیبے کے اجڑے دل کی ہی تو نہیں ہے بتول! بات اب غانیہ دھی کی بھی ہے، جس پہ میں نے خود اپنے پتر کے سامنے کیچڑ اچھال دی، تو نے ویکھا نہیں تھا، وہ صاف یہ سمجھ رہا

ہے کہ میں غانیہ پتر کے سکھائے پڑھائے اس سے یہ کہہ رہا ہوں، وہ جھلا یہ نہیں سمجھتا کہ مجھ سے اس کی کلم کلی جندگی کا روگ برداشت نہیں ہو رہا۔" دلگیری سے کہتے وہ اپنے آنسو پونچھ رہے تھے، تائی اماں کے دل پہ چوٹ پڑی، انہیں اتنا آزردہ دیکھ کر۔

"پریشان نہ ہوں منیب کے ابا! منیا پڑھا لکھا سمجھدار ہے، پتر ہے آپ کا آخر، اتنا تو سمجھ گیا ہوگا، آپ نے جو باتیں کہیں ہیں وہ اسی کی محبت میں کی ہیں نا کہ الزام لگانے کو۔" تائی ماں ہر ممکن طریقے سے ان کی دل جوئی کرنا چاہ رہی تھیں، مگر تاؤ جی کی بیماری اور یاسیت ختم ہونے میں نہ آتی تھی، انہیں بھی جھڑک ڈالا۔

"بس تو رہن دے، اتنی صفائیاں نہ دے اپنے پتر کی، اتنا بھی چنگا بھلا نہیں ہے، دیکھا نہیں اتنا بیمار ہوں میں پر آ کے پوچھا تک نہیں، اب میں اپنے آپ کو بھی معاف نہ کر سکوں گا کہ میں نے اپنی دھی کو خود بے عزت کر ڈالا اس کے آگے، اس نمانی کی آنکھوں میں اس نا خلفت کی تصویر بھی دیکھ کر میں نے بے سوچے سمجھے جو سوچا کر ڈالا، تیرا پتر پچھے پہ ہتھ وی تو دھرنے نہیں دیتا تھا، غانیہ کو اس کی طرف راغب دیکھ کر میں سمجھا وہ جانتی ہوگی اس رشتے کے متعلق دیکھا نہ تھا حمدان کو بھی کیسے پیار بھری نظروں سے دیکھتی تھی، اتنی سوہنی شہری کڑی، تیرے پت کو قبول کر رہی ہے اس کی ہر خامی سمیت، اسے اور کیا چاہیے پر......" دھیرے دھیرے بے بسی سے مگر غم بھرے انداز میں طیش سے کہہ رہے تھے، منیب یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں سمیت وہیں سے پلٹ آیا، اس کی آنکھوں کی جلن کو یکدم ہی بڑھاوا مل گیا تھا، اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ ایسا کیا کرے کہ ابا جی کا ملال بھی ڈھل جائے اور اسے بھی غانیہ سے ہمیشہ کی نجات مل جائے، اس میں بھی شک نہیں تھا کہ غانیہ نے اپنے انداز و اطوار کے ساتھ پورے گھرانے کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا، رہی سہی کسر اس کی حمدان سے محبت و شفقت نے پوری کر دی، اسے غانیہ سے کچھ اور بھی نفرت اور بے زاری محسوس ہونے لگی، اسے ایسی عورتوں سے گھن آیا کرتی جو اپنا مقصد حاصل کرنے کو کسی بھی انتہا پہ جا سکتی تھیں۔

وہ اپنی شخصیت کے چارم اور سحر سے بے خبر نہیں تھا، اس پہ مزید تڑکا اس کی قابلیت نے لگا دیا تھا، اس نے اسی شخصیت کے باعث ہمیشہ خود سے لوگوں کو خاص کر خواتین کو مرعوب ہوتے دیکھا اور محسوس کیا تھا، تمام تر بے نیازی لاتعلقی اور بے گانگی کے مظاہروں کے باوجود خواتین خاص طور پہ نوجوان لڑکیاں اس کی شخصیت پہ یوں مرتیں گویا مقناطیسی کشش کے باعث کھینچتی ہوں، پھر اس کے لئے ان میں یا غانیہ میں بھلا کوئی فرق کیسے ہو سکتا تھا، وہ اب ہرگز ٹین ایجر لڑکا نہیں تھا کہ منہ اٹھا کر کسی بھی لڑکی سے شادی رچا کر بیٹھ جاتا، اس کا بیٹا تھا، ایسا بیٹا جو اس کی سگی ماں کا ٹھکرایا ہوا تھا، اسے کسی غیر عورت کے حوالے کرنے کا اور اس کی ناقدری برداشت کرنے کا رسک وہ کیسے لے لیتا بھلا؟

وہ بھی غانیہ جیسی کم عمر نوخیز اور لاابالی لڑکی، ہرگز بھی اس کا انتخاب نہیں ہو سکتی تھی، جو کسی وقتی کشش کے باعث اس کی جانب متوجہ ہوگئی تھی، مگر وہ جانتا تھا، غانیہ اس کی رفاقت اور اس رفاقت سے وابستہ ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی ہرگز اہل نہیں ہو سکتی۔

وہ رسک کیوں لیتا؟ مجبوری کیا تھی آخر، نہ ہی وہ خود کو کسی تجربے کی بھینٹ چڑھا سکتا تھا خود

کو، یہ ناممکن تھا، ہر لحاظ سے ناممکن، اس نے اسے حوالے سے جو فیصلہ برسوں قبل کیا تھا، وہ آج بھی پتھر پہ لکیر تھا، پتھر پہ لکیر ہی رہتا، اسے کوئی بھی مٹانے پہ قادر نہیں تھا، اس کے ابا بھی نہیں۔

☆☆☆

''بیگم صاحبہ! کپڑے آئے ہیں لانڈری سے صاحب کے۔'' کچن میں بریانی کو دم پہ لگاتے انہوں نے ملازمہ کی آواز سنی، تو سناٹے کی چادر پہ زندگی کی تحریک کا احساس جاگا، انہیں تو یہ ویرانی کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی گویا۔

''کمرے میں لے جا کر رکھو، میں ہینگ کروں گی تو تم مون کی وارڈ روب میں رکھ دینا۔'' انہوں نے آنچ دھیمی کر دی اور گہرا سانس بھرا، ان کا کچن کا کام تقریباً سمٹ گیا تھا، ملازمہ کو سلاد اور رائتہ بنانے کی تاکید کرتے وہ ہاتھ پونچھتی باہر نکلتے نکلتے تھم گئیں۔

''رائتے میں کھیرا ضرور ڈالنا اور بالکل باریک کاٹنا، مون کو ہرے دھنیے کی چٹنی پسند ہے، وہ ضرور رکھنا ساتھ، دیکھ لو اگر فریج میں پسی ہوئی نہ ہو تو سل بٹے پہ پیس لو، آتا ہی ہو گا مون بھی۔'' انہوں نے کلاک پہ نگاہ ڈال کر کہا اور خود باہر نکل آئیں، ملازمہ لاؤنج میں صوفے پہ مون کے شلوار سوٹ ڈال گئی تھی، کلف شدہ کھڑکھڑاتے ہوئے ہلکے نفیس رنگوں کے مردانہ سوٹ، وہ کچھ دیر یونہی کھڑی دیکھتی رہیں، ذہنی اور خود بخود بہک گئی۔

''مجھے یہ کام نہیں کرنے آتے تھے آپا، آپ کے بھائی کی محبت نے سب سکھا دیا۔''

نوخیز جوانی اور خوب صورتی کا مرقع، وہ واقعی چاہے جانے کے قابل تھی، تنی دل جمعی کتنے دھیان سے وہ مون کی شلوار میں ازار بند ڈال رہی تھی اور ہنستی کتنا تھی، جب سے شادی ہوئی تھی، اس کی ہنسی کی کل کل تھمتی نہ تھی، وہ خود شہزادی تھی، مگر مون کی چاہت میں داسی لگنے لگی تھی، تو اس کی وجہ بھی اس شخص کا خاص انمول اور اہم ہونا تھا، وہ تو دیوتا تھا، ایسا دیوتا جس پہ نثار ہونے والیوں کی تعداد بھی شمار نہ کی جا سکتی تھی، ستاروں کے جھرمٹ میں جگمگاتا ہوا چاند، اگر اس کا انتخاب کیا گیا تھا، تو خوش بختی اس کی ہوئی ناں، کہ مون کی، مون نے تو اسے چن کر ذرے سے آفتاب کیا تھا، وہ سب سے ممتاز ہو گئی تھی، پھر وہ خود پہ رشک کیوں نہ کرتی، مون کے کہے بنا اسے خود احساس تھا، اسے کیسے رشتوں کو اہمیت دینی ہے، وہ مون کی بہنوں کے آگے پیچھے بچھی جاتی، بچوں کو خوش کرنے کو ان کی پسند کی ڈشیز بناتی نہ تھکتی، مون کی اک مسکراہٹ اسے اجال دیا کرتی، پھر کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا، اس کا جواب تو دونوں سے کوئی بھی نہ دیتا تھا۔

''بیگم صاحبہ!'' ملازمہ ہاتھ میں ہینگر لئے کھڑی تھی، انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور آنکھوں کی نمی کو غیر محسوس انداز میں پونچھا، خود ایک ایک کر کے مون کی شلواروں میں ازار بند ڈالنے لگیں، وہ صرف انہی کا تو راج دلارا نہیں تھا، اس کا بھی اتنا ہی پیارا تھا، ان کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

''اتنی اچھی ہو کر اتنی کٹھور کیسے ہو گئیں تم بھلا؟'' وہ سسک سی پڑیں، دل کیسے گھٹا جا رہا تھا، غم سنبھلتا نہ تھا، وہ چاہتیں تھیں اسے بددعا دیں، جس نے ان کے ہرے بھرے بھائی کو ویران شجر کر دیا تھا، مگر دل سے بددعا ہی نہ نکلتی، ایسا سحر کر گئی تھی وہ جاتے جاتے بھی ان پہ، پھر ان کے بھائی کا

کیا حال ہوگا، جس کا دل اتنا اچھا تھا کہ کسی کو معمولی تکلیف سے بھی کبھی دانستہ دوچار نہ کرسکتا تھا۔

''بیگم صاحبہ فون ہے صاحب کا۔'' ملازمہ کی پکار پہ وہ چونک کر متوجہ ہوئیں اور گہرا سانس بھرتے کپڑے ہاتھ سے رکھتیں اٹھ کر فون اسٹینڈ تک آگئیں، ملازمہ ریسور انہیں تھما کر خود وہاں سے ہٹ گئی۔

''ہیلو۔'' ان کی آواز ہنوز بھیگی تھی، یاس زدہ تھی۔

''السلام علیکم آپا!'' ریسور سے آتی مون کی آواز پہ وہ متحیر سی ہوئیں، وہ بھلا خود آنے کی بجائے فون کیوں کر رہا تھا۔

''وعلیکم السلام! آئے نہیں تم؟''

''نہیں بتا ہے دونوں کیا تھا آپا، مجھے آفیشل وزٹ کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی جانا ہے، کچھ دنوں کا ٹور ہے، آپ بھی چاہیں تو گھر کا چکر لگا آئیں۔'' بھاری بھیں والی گمبھیر تر آواز اسے خدا نے ہر معاملے میں فراخی سے نوازا تھا مگر قسمت خاصی دھیمی تھی اس کی۔

''آپا!'' ان کی جانب سے خاموشی کا دورانیہ طویل ہوتا پا کر وہ تشویش زدہ انداز میں پکارا، تب وہ سرد آہ بھر کر گویا ہوئیں۔

''بیٹے سے ملنے جا رہے ہو تو مجھے ساتھ لے جاؤ مون پلیز۔'' وہ بے ساختہ ملتجی ہوئیں، دوسری جانب گہرا سانس بھرنے کی آواز سنائی دی۔

''میں آفیشل ٹور پہ ہوں آپا، وہاں نہیں جا رہا۔''

''سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ مشکوک ہوئیں، دوسری سمت مون خفیف سا جھنجھلایا۔

''جھوٹ کیوں بولوں گا بھلا آپا؟''

''چلو...... جب جانا ہو تو بتانا مجھے بھی۔'' انہوں نے رسان سے کہا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی آپا! وہ یہاں آیا کرے گا، مجھ سے ملنے۔'' بات ایسی تھی کہ وہ خوشی سے نہال سی ہو گئیں۔

''واقعی؟...... کیا...... کیا تم لوگوں کی آپس میں صلح ہو گئی ہے؟ ایسا مت کرو مون، گھر مت برباد کرو بیٹے، وہ بچی تم سے بہت محبت کرتی ہے اور......''

''آپا! میں ڈائیورس پیپر سائن کر چکا ہوں، یعنی طلاق ہو چکی، کوئی گنجائش باقی نہیں۔'' ان کی بات کاٹتے ہوئے انہوں نے گویا فل اسٹاپ لگایا، وہ دھک سے رہ گئیں، بے ساختہ دل تھام لیا، اتنا تو جانتی ہی تھیں، وہ جھوٹ نہیں بولتا، اگر یہ بات کہی ہے تو غلط بیانی نہیں کی، ریسور ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، انہیں لگا زندگی اس لمحے میں ختم ہو چکی ہے، زندگی واقعی اس لمحے میں ٹھہر ٹھہر کر گئی تھی، اگر ختم نہیں بھی ہوئی تھی تو۔

☆☆☆

سنو لوگو!
میری آنکھیں خرید و گے
بہت مجبور حالت میں مجھے نیلام کرنی ہیں

کوئی مجھ سے نقد لے لے
میں تھوڑے دام لے لوں گا
جو دے دے پہلی بولی تو
اس کے نام کردوں گا
مجھے بازار والے کہہ رہے ہیں کم عقل تاجر
سنو لوگو! میں نہیں ہوں حرص کا خواہاں
نفع نقصان کی شطرنج نہیں میں کھیلنے آیا
کوئی مجھ کو کہے نہ من چلا سا بے ہنر تاجر
بتاؤں تمہیں کیسے......؟

سنو لوگو! بڑی محبوب ہیں مجھ کو میری یہ نیم تر آنکھیں
مگر اب بیچتا ہوں کہ
مجھے اک خواب کا تاوان بھرنا ہے
انہیں نیلام کرنا ہے

وہی ڈھلتی ہوئی شام جس کے سارے رنگ ہی یکساں تھے، وہی نیم تاریک کمرہ کمرے کی کھلی کھڑکی ہوا کی زد پہ پھڑپھڑاتے صفحے صفحات سے لپٹی یادیں، حالانکہ اس نے بہت کوشش کی تھی، مگر زندگی کی طرف پلٹ آنے کی سبھی کوششیں ناکام ہوتی جاتی تھیں، مما پپا کی تسلی کی خاطر جو نارمل انداز کی گفتگو اور نقل و حرکت مجبوری تھی، وہی اس کے نیم جاں وجود سے رہی سہی ہمتیں اور جان نچوڑے جاتی تھی، منیب چوہدری کے الفاظ ہی تلوار کے گھاؤ نہیں تھے، اس سے دائمی جدائی اور نارسائی کا احساس بھی ہر لحہ زہر کی طرح رگ جاں میں اترتا محسوس ہوا کرتا، کبھی وہ سوچتی تو اسے عجیب حیرت کا احساس جکڑنے لگتا، کتنی انا تھی اس میں، جواب ہوا ہی کرتی تھی بیچاری۔

کسی کی ذرا سی معمولی بات بھی طبع نازک پہ گراں گزر جایا کرتی کہ موڈ بگاڑنے والے منت ساجت پہ مجبور ہو جاتے اور وہ ہزار نخرے دکھلا کر بھی احسان جتلاتے راضی ہوا کرتی مگر اب......

تب میں اور اب میں یہی تو بنیادی اور معمولی سا فرق آ گیا تھا
تب اسے محبت نہیں ہوتی تھی، تب اس کی زندگی میں اس شخص جیسا کوئی زور آور اور اکھڑ آدمی نہیں تھا، جس نے اس کی ہستی کو تاراج کر دیا تھا ''میں'' کو ختم کر ڈالا تھا۔

''اوکے بیٹا! اپنی مما کا خیال رکھنا، آج کل ان کے غصے کا گراف ویسے بھی بہت ہائی لیول پر ہے۔''

شام ڈھلے وہ لان میں فوارے کے پاس بیٹھی تھی، فوارہ کئی دنوں سے بند تھا اور اس کے گدلے پانیوں میں کائی جم رہی تھی، اس کی خالی نظریں اسی کائی پہ ساکن تھیں، جب پپا کی آواز پہ وہ اپنے خیالوں سے چونک اٹھی، پپا مکمل تیاری کے ساتھ نظر آئے، ہاتھ میں موجود بیگ ان کے سفر کی روداد سناتا تھا۔

''کہیں جا رہے ہیں پپا؟''
''گاؤں جا رہا ہوں بیٹا جانی! جبھی تو بالخصوص تاکید کی ہے اپنی مدر کا خیال رکھنا۔'' انہوں نے مسکرا کر شریر انداز میں جواب دیا، پھر اسے دیکھ کر مسکراہٹ دبا کر بھنویں اچکاتے ہوئے سوال کیا۔
''آپ بھی چلو گی؟'' گاؤں کے نام پہ اس کے ہونٹ بھینچ کر نظریں چرا جانے کو محسوس کیے بنا انہوں نے اپنے ازلی سادہ و نرم خو انداز میں استفسار کیا تھا، مگر یہ غانیہ جانتی تھی اس پل اس کے دل کے درد نے کتنی کروٹیں بدلی تھیں۔
''ڈونٹ یو وری پپا! میں مما کا خیال رکھوں گی۔'' اس کے لہجے کا رسان اور سنجیدگی قابل دید تھی، پپا نے اب کے دھیان سے بیٹی کو دیکھا۔
''اس کا مطلب آپ نہیں جا رہی ہو؟'' غانیہ کو لگا پپا اپنی بے خبری کے باعث ہی اسے کانٹوں پہ گھسیٹ رہے ہیں۔
''کیا کرنے جاؤں گی پپا! ہر بار جانا ضروری تھوڑی ہے۔'' خود پہ جبر کر کے اس نے بہت نارمل جواب دیا تھا، مگر آنکھوں کی سطح پہ پھیلتی نمی ضرور اندر کا بعید عیاں کرنے کے در پے ہوئی جاتی تھی۔

(آپ نہیں چاہتے منیب کہ میں آپ کو دیکھوں تو میں خود پہ یہ پابندی لگاتی ہوں، آپ یہ بھی نہیں چاہتے ہیں آپ کے گھر آؤں تو میں ایسا بھی کر گزرتی ہوں، عزت نفس کو کچل کر میں محبت کا یہ خار دار سفر کیسے اختیار کروں کہ اس کی اجازت مجھے میرا وقار نہیں دیتا)۔
''اپنے تاؤ جی کے لئے دعا کرنا بیٹے، ان کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے مجھے جانا پڑ رہا ہے، ورنہ مصروفیات اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اتنا سا بھی ٹائم نکال سکوں۔'' پپا نے اصل وجہ بیان کی، غانیہ نے پلکیں جھپک کر ساری نمی اندر اتار لی تو اسی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی تھی۔
''ضرور پپا! انشاء اللہ آپ انہیں میری طرف سے بھی پوچھیئے گا، دادی جان اور سب کو سلام کہیے۔'' پپا نے اس کا سر تھپکا اور پلٹ کر مضبوط قدم اٹھاتے پورچ کی جانب چلے گئے، وہ وہیں کھڑی نم آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی۔
(محبت کے اس تاریک جنگل میں میرے لئے پہلے بھی امید کا کوئی جگنو نہیں تھا، منیب چوہدری! میں نے مگر خوش گمانی کی آس میں اس سفر کا آغاز کر لیا تھا، چاہے سارے رستے کیوں نہ بند ہو گئے ہوں، مگر میں آپ کی جانب اب اک قدم بھی نہیں بڑھوں گی، یہ میرا خود سے وعدہ ہے، یہ محبت اور انا کی نہیں عزت اور محبت کے کھیل کا روپ دھار چکی ہے، یہ جنگ بن چکی ہے، میں ہار کو قبول کر کے عمر بھر سسک اور تڑپ تو سکتی ہوں مگر عزت کو محبت پہ قربان نہیں کر سکتی، مجھے قدم قدم پہ ذلت منظور نہیں)۔
تسلسل سے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑ کر وہ از سرے نو خود سے عہد باندھ رہی تھی، خود کو مضبوط کرنے کی کوشش میں ٹوٹتی جا رہی تھی، بکھرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

اک کہانی کے اصولوں کے منافی نکلا۔

داستاں میں میرا کردار اضافی نکلا
میں نے پوچھا کہ میری آنکھیں تمہیں کیسی لگیں
لفظ ترچھے ہوئے ہونٹوں سے غلافی نکلا
دل نے سر پھوڑ لیا درد کی دیواروں سے
اس کی شریانوں سے پھر خون بھی کافی نکلا

تاؤ جی کی حالت بجائے سنبھلنے کے خراب ہوتی جارہی تھی، وہ کتنی دیر جب ان کے پاس بیٹھ کر واپس اپنے کمرے میں آیا تب بھی مضمحل تھا، اتنی تھکان اور دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود ذہنی انتشار اسے پرسکون نیند سے دور لئے بھاگتا پھرا، کروٹیں بدلتے بدن بھی چور ہونے کو تھا تب کہیں جا کر نیند کو اس پر رحم آسکا، وہ رات کا جانے کون سا پہر تھا، جب اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا، نیند کچی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ تو بیٹھا مگر فوری طور پہ صورتحال سمجھنے سے خوابیدہ ذہن قاصر ہی رہا تھا، جیسے تیسے اٹھ کر دروازہ کھولا تو افتاں وخیزاں اماں کا چہرہ دیکھ کر اس کا ایک دم دل عجیب سے خدشات سمیٹ لایا، جو اسے تاؤ جی کی طبیعت کی خرابی کے متعلق بتاتے تقریباً رو پڑی تھیں، منیب کے اپنے بھی ہاتھ پیر اس وقت پھولنے لگے، جب تاؤ جی کے کمرے میں آ کر اس نے انہیں نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھا، سہیل اور کنیز اس کے بعد ہی پریشان حراساں چہرے لئے وہاں آئے تھے، سہیل آنکھیں ملتا گاؤں کے واحد ڈاکٹر کو بلانے بھاگا جبکہ منیب ان کی بے ہوشی پر متفکر بار بار ان کا ہاتھ سہلا کر انہیں پکارتا تھا۔

''ابا جی کو ہوا کیا ہے فرمان، معمولی بخار ضرور تھا کچھ دنوں سے مگر یہ بے ہوشی؟'' سہیل کو تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا ڈاکٹر کو سوتے سے جگا کر گھر سے لاتے، چیک اپ اور طبی امداد کے بعد جب منیب اسے چھوڑنے جارہا تھا پریشانی اور اضطراب میں مبتلا ہوتے سوال کر ڈالا۔

''معمولی سا ہارٹ اٹیک سمجھ لیں منیب بھائی اور دل کی تکلیف میں یہ بے ہوشی کا دورہ بہت خطرناک ہوا کرتا ہے، سکون آور نیند کی دوا کے ساتھ میں نے درد روکنے کی دوا بھی دے دی ہے، اللہ نے چاہا تو رات بہتر گزر جائے گی، لیکن صبح آپ انہیں شہر لے جا کر ان کا ہارٹ اسپیشلسٹ سے ضرور معائنہ کروا لیجئے گا۔'' ڈاکٹر فرمان کی بات منیب کو سناٹوں کی زد پہ لے گئی تھی گویا، وہ وہیں کھڑا رہا تھا، ابا جی کا ملال اور شرمندگی دل کا روگ بن چلی تھی، شاید وہ مزید صرف ان کی وجہ سے اپنی ضد پہ قائم نہ رہ پاتا، متوقع شکست کا دلگیر احساس اس کے اندر عجیب سا غدر مچانے لگا، پھر بات وہیں پہ ختم نہیں ہوگئی، اگلی صبح اماں نے بھی اس کے آگے جھولی پھیلا دی تھی۔

''تجھے سب پتا تو ہے منیب پتر! تیرے اب کو کیا گل وڈ کھا رہی ہے تجھے یہ بھی پتا ہے ساری اولادوں میں انہوں نے سب سے زیادہ تجھ سے محبت کی ہے، غانیہ کو تیری دلہن کے روپ میں دیکھنا ان کا ایسا خواب تھا جسے تو نے کبھی پورا کرنے کا نہیں سوچا، اپنے سے چھوٹے بھرا کے سامنے شرمندگی تیرے ابے کے ملال کو بڑھا رہی ہے، میں مانتی ہوں پتر زندگی کو کوئی بڑھا اور گھٹا نہیں سکتا، پر پتر ہم اپنے کسی چنگے عمل سے کسی کا دکھ درد چن تو سکتے ہیں کہ نہیں؟ تیری اک ہاں تیرے ابے کو شانت کر سکتی ہے، اک ہاں اپنی سوالی ماں کی جھولی میں ڈال دے میرے بچے، اللہ

تیرے گھر کو ہی نہیں دل کو بھی آباد کر دے گا، اک بار ماں پیو کی خاطر ہی ایسا قدم چک کے دیکھ لے، اپنی انا کو ماں باپ سے آگے نہ رکھ۔'' ان کے آنسو ان کی آنکھوں سے گرتے چہرہ بھگوتے ان کی اوڑھنی کو بھگو رہے تھے اور وہ سکتے میں آیا انہیں دیکھتا تھا، اسی جذباتی زبردستی سے ڈرتا تھا وہ، اس سے خائف رہا کرتا اور بالآخر اسی کا شکار ہوا جاتا تھا، ان کے آنسو اس کے قدموں کی زنجیر بنے جاتے تھے، کتنی بے بسی تھی اس پل اس کے چہرے پہ، اس نے ان کے ہاتھ تھام لئے۔

''ایسی بات نہ کریں اماں، بات انا کی نہیں ہے، آپ کو کیسے سمجھاؤں کیوں انکار کر رہا ہوں۔'' وہ سخت لاچار محسوس ہوا، اضطراری کیفیت میں ہونٹوں کو کچلتا ہوا، وہ سرخ آنکھوں سے ان کے چہرے کو دیکھتا ہوا جیسے اندر سے ڈھتا جا رہا تھا۔

''تو مجھے کچھ نہ سمجھا، تو بس بات مان لے۔'' اماں کا اصرار اور آنسو بہ دستور تھے۔

''اگر میری ہاں واقعی ابا جی کی پریشانی اور بیماری دور کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے کر لیں اپنی مرضی۔'' اس کی بے بسی کا عالم انوکھا تھا، لہجہ بوجھل اور خفیف سی جھنجھلاہٹ لئے تھا، جس پہ مطلق دھیان لگائے بغیر اماں نے پہلے چونک کر پھر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتے اسے دیکھا اور فرط جذبات سے بے قابو ہوتے اسے گلے لگا کر بے ساختہ ماتھا چوما، منیب اذیت میں مبتلا سر جھکائے کھڑا رہا۔

''جیتا رہ پتر، اللہ بھاگ لگائے تجھے، جو کام تو نے ماں پیو کی خوشی کی خاطر کیا، اللہ اس میں تجھے راحت سکون اور کامیابی سے ہمکنار ضرور کرے گا، غانیہ میں اچھی بیوی بننے کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں، مجھے پورا یقین ہے رب سوہنے کی پاک ذات پہ، تجھے اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی، اچھا میں تیرے ابے کو دیکھوں، ساتھ یہ خوشی کی خبر بھی سنا دوں، دیکھنا پھر وہ دنوں میں بھلا چنگا ہو جائے گا۔'' اماں خوشی سے لرزتی آواز اور چمکتے چہرے سے کہتی ایک بار پھر اس کا سر چوم کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں، جبکہ منیب کے اندر اترے سناٹے گہرے ہوتے چلے گئے۔

(آپ کو کیسے بتاؤں اماں مجھے اچھی بیوی سے زیادہ اپنے بیٹے کے لئے بہترین ماں کی ضرورت ہے، اچھی بیوی تو کوئی بھی عام عورت ثابت ہو سکتی ہے، اچھی ماں بننا مشکل کام ہے، بلکہ ناممکن، جبھی تو یہ قدم نہیں اٹھایا تھا میں نے، مگر آپ نہیں سمجھیں گی)۔

پیشانی کے بال مٹھی میں جکڑے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اس کا دماغ سلگتی سوچوں کے ہمراہ جلتا رہا، کلستا رہا، بڑھکتا رہا۔

☆☆☆

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر
کہ پیش ہجوم ستم گراں
ابھی کون تجھ سے وفا کرے
ابھی کس کو فرصتیں اس قدر
کہ سمیٹ کر تیری کرچیاں

تیرے حق میں رب سے دعا کرے
ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

اس نے کتاب بند کی تو پلکوں کی دہلیز پہ اتری نمی لحہ بھر میں رخساروں پہ اتر آئی، اس نے سخت عاجز ہوتے کس قدر خفگی کے ساتھ گود میں پڑے آنسوؤں سے بھیگتے ہاتھوں کو دیکھا اور ہونٹ بھینچ لئے، تھا بھلا اس سیلاب بلا خیز کا کوئی علاج۔

ہار ہی تو گئی تھی وہ اس شخص کی یادوں سے خود کو چھڑاتی اور بچاتی، دل بھی عجیب گداگر تھا، اسے حالات کی سنگینی کی پرواہ تھی نہ مجروح ہونے والے جذبات کی، وہ تو کوئی ضدی بالک تھا، جو من پسند کی چیز اور خواہش میں ناکامی کی صورت میں بلکتا تھا اور شدتوں سے ایڑیاں رگڑتا تھا، اس نے کتاب بند کر کے ریک پہ رکھی اور اس وحشت سے چھٹکارا پانے کو کمرے سے نکل آئی، ارادہ مما کے پاس دو گھڑی بیٹھ کر دل ناداں کو کسی اور سمت لگانے کا تھا مگر ٹی وی لاؤنج میں مما کو کسی بات پہ پپا سے الجھتے پا کر دل کچھ اور بھی مکدر ہو گیا۔

''میں آپ سے وجہ پوچھتی ہوں جمال صاحب! آپ نے اپنے بھائی کی بات بلکہ مطالبے کو سن کیسے لیا، اگر سنا تھا تو خاموشی سے کیسے وہاں سے اٹھ آئے، انکار کیوں نہ کیا فی الفور؟'' وہ باقاعدہ چیخ رہی تھیں، غانیہ یکا یک تھم سی گئی، چونک گئی، ٹھٹک کر رہ گئی۔

''انہیں خود شرم آنی چاہیے تھی یہ بات منہ سے نکالتے ہوئے بھی، ہے کوئی تک؟ کہاں وہ اجڈ صدیوں پرانے ماحول میں جیتے لوگ، کہاں میری نازوں پلی بیٹی، بنتا ہے کوئی جوڑ؟'' وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی، اسے اپنی سماعتوں پہ شبہ کا گمان ہوا، کب سے ٹھہرا ہوا تھما ہوا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، یہ بات پھر سے کیوں چل نکلی؟ کیسے؟ ادھر سے بات چھڑی تھی، یا پھر پپا نے خود، مگر دوسری بات ناممکن تھی، تو پہلی بات بھی ناممکن سی ناممکن تھی، وہ خواب کی سی کیفیت میں تھی۔

''آپ منیب سے ملی نہیں ہیں، میرا خیال ہے آپ پہلے اس سے مل لیں۔'' پپا کی بدھم آواز ابھری، مگر مضبوط تھی، غانیہ کے اعصاب کو زبردست دھچکا لگا، اسے لگا وہ اس صحرا میں تنہا نہیں ہے، کوئی ہے جو اور بھی اس کا حامی ہے، وہ جیسے خواب آسا کیفیت کے زیر اثر تھی، یہ خواب ہی تو ہو سکتا تھا، کتنی احمق تھی وہ، اس شخص کو پہنچ سے باہر سمجھ رہی تھی، جو ازل سے اس کے نام لکھا تھا، اس کے لئے تھا، ہاں وہ اتنی ہی خوش قسمت تھی، اسے اتنا ہی خوش بخت بنایا تھا رب نے۔

کچھ دیر قبل کی یاسیت، ملال، بے دلی کچھ بھی تو اس کے آس پاس اب نہیں تھا، تن میں تشکر اور سکون کا کیسا انوکھا دلنشین احساس جاگزیں ہونے لگا تھا، اس نے ابھی اپنے کانوں سے جو سنا، یہی تو کہا تھا پپا نے۔

''آپ خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہیں بیگم صاحبہ! بھائی جان نے ہرگز کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں کی ہے، آپ جانتی ہیں غانیہ سے منیب کی نسبت طے ہے پھر یہ......''

مما کے برہم انداز کے باوجود پپا کا پرسکون لہجہ گواہ تھا وہ کچھ نہ کچھ ٹھان چکے ہیں، یا نئے سرے سے ہونے والی یہ تازہ ملاقاتیں بھائی اور بھتیجے کی محبت کو اجاگر کر کے کچھ انوکھا کرنے کا تہیہ کر چکی ہیں، مما کو ان کا یہی انداز شاکڈ کر کا باعث بن گیا تھا، انہیں اپنی سماعتوں پہ دھوکے کا گمان

ہوا، ان کا فرمانبردار شریک حیات انہیں زندگی کے اس قدر اہم موڑ پہ ایسا دغا وفریب بھی دے گا یہ تو کبھی گمان میں نہیں آیا تھا انہیں وہ تو مکمل طور پہ انہیں اپنے اختیار میں سمجھے بیٹھی تھیں، کہ آن کی آن میں پانسہ پلٹنے جا رہا تھا۔

''بات نئی بھی ہے انوکھی بھی، نسبت تب بھی طے تھی جب آپ کے بھتیجے نے اپنی مرضی سے شادی کی، تب غانیہ موجود تھی، تب وہ اگر انہیں نظر نہیں آئی تو......''

''تب غانیہ شادی کے قابل نہیں تھی، آپ بھی جانتی ہیں یہ بات۔'' پپا نے ٹوکا، ان کا انداز نہ صرف جتلاتا ہوا نہیں تھا، تلخ و ترش اور جھنجھلایا ہوا بھی تھا، مما نے طنزیہ ہنکارا بھرا، ان کے انداز میں نفرت ہی نفرت تھی۔

''شادی کے قابل تھی یا نہیں، اہم بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے خود اس رشتے کی اہمیت کو ختم کیا تھا، آپ مانیں یہ تعلق ادھر سے کمزور ہوا تھا۔'' مما کا غصیلا انداز شدت لئے تھا، پپا جھلا کر رہ گئے، انہیں یہ بحث سرے سے بے کار لگی تھی۔

''اگر منیب کی شادی قائم رہتی تو میں بھی اپنی بچی کو اس رشتے کا پابند نہ رکھتا مگر اب......''

''جمال چوہدری! میری بیٹی اور آپ کے بھتیجے کا کسی لحاظ سے کوئی جوڑ نہیں بنتا، میں یہ شادی مر کے بھی نہیں ہونے دے سکتی، آپ سن لیں اور ختم کر دیں اس سلسلے کو اب۔'' مما کے سرد لہجے میں غراہٹ بھی تھی تضحیک وحقارت کا عنصر بھی، پپا کو یہی حقارت پسند نہیں آسکی۔

''منیب جیسے بد قسمت والیوں کو ملا کرتے ہیں، شکل صورت تعلیم روزگار کیا نہیں ہے اس کے پاس میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں نازنین جذبات کی عینک اتار کر نفرت سے الگ ہٹ کر منیب کو دیکھیں، بہر حال وہ ایسا نہیں ہے کہ انکار کا جواز بنے، بھائی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، وہ جلدی شادی کرنا چاہ رہے ہیں منیب کی اور میں کوئی ایشو نہیں چاہتا، بہتر ہے آپ بھی باخوشی غانیہ کو رخصت کرنے کی تیاری کریں۔''

پپا کا لہجہ وہی تھا، جو کسی بھی ایسی صورتحال میں ہو جایا کرتا تھا، جب وہ کوئی بھی حتمی فیصلہ کر لیتے پھر مما کی بھی کوئی پیش ان کے سامنے نہیں چل سکتی تھی، مما نے چونک کر ٹھٹک کر ان کے چہرے کو دیکھا، ان کے موڈ کو سمجھا جہاں کوئی گنجائش قطعی نہیں تھی، انہیں ایک دم اپنا آپ کمزور ہراساں اور ہارتا ہوا لگا، انہیں لگا وہ اپنی بیٹی کے دفاع کی جنگ لڑے بغیر ہی ہار جائیں گی تو روہانسی ہوتی چلی گئیں۔

''جمال..... مت بھولیں آپ کی بیٹی کا یہ اسٹینڈر نہیں ہے، یہ بہر حال ظلم ہوگا غانیہ کے ساتھ، سوچیں تو سہی غانیہ اس ماحول کی عادی نہیں ہے، اتنی مشکل زندگی کیسے گزارے گی۔''

''بھائی جان اور خود منیب کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ وہ غانیہ کو اس کی حسب منشاء زندگی فراہم کر سکتے ہیں، ڈونٹ یو وری۔'' پپا نے اس بات کو بھی چٹکیوں میں اڑا دیا تھا، جہاں غانیہ مطمئن ہوئی، وہاں مما کے بے چارگی و بے بسی کی انتہا پہ پہنچتی کسی طرح بھی آنسوؤں پہ قابو نہیں رکھ سکیں۔

''بچی کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر رہے ہیں، اس سے بھی پوچھ لیں اسے یہ جہنم قبول بھی ہے جس میں آپ زبردستی جھونک رہے ہیں۔'' انہوں نے آخری حربہ استعمال کیا، انہیں جذباتی کرنا

چاہا، مگر پپا واقعی کچھ ٹھان چکے تھے، اس وقت بھی مجال ہے اپنی جگہ سے ذرا سر کے ہوں۔
''وہ میری بیٹی ہے، میرا فیصلہ پوری آمادگی سے قبول کرے گی۔'' ان کا اعتماد قابل دید تھا، مما کی جھنجھلاہٹ وغصے کی حد نہیں رہی۔
''یہ تو آپ کے فرمودات ہیں، غانیہ سے بھی کچھ پوچھ لیں۔'' انہوں نے تلخی کی حد کر دی۔
''مجھے اعتراض نہیں ہے، آپ پوچھ لیجئے گا غانیہ سے۔'' پپا اطمینان بھرے انداز میں کہتے سگریٹ سلگا کر کش لے رہے تھے۔
''ابھی بلائیں اسے، اسی وقت پوچھنا چاہوں گی۔'' مما کا انداز ایسا تھا گویا ان کا بھروسہ نہیں بیٹی کو بھی پٹی پڑھا کر اپنے ساتھ ملالیں، پپا نے اس بات کو بنا کہے محسوس کیا تھا، جبھی خفیف سا مسکرائے، اسی وقت ملازمہ کو بلانے لگے، غانیہ سرعت سے پیچھے ہوتی اپنے کمرے میں چلی گئی، وہ نہیں چاہتی تھی مما جانیں وہ ساری گفتگو کی راز داں ٹھہر چکی ہے۔
''آپ کو صاحب بلا رہے ہیں چھوٹی بی بی۔''
گو کہ غانیہ سب جانتی تھی، اس کے باوجود اس کا دل تیز سروں میں دھڑکتا چلا گیا، پپا مقدمہ تقریباً جیت چکے تھے، مگر محبت ہمیشہ واہمے اور دھڑکے اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہے، وہ خوف سے مبرا نہیں ہو سکتی تھی تب تک جب تک کہ اس شخص کا نام قانونی وشرعی طریقے سے اس کے نام کے ساتھ نہ جڑ جاتا۔
''جی پپا!'' وہ لاؤنج میں آئی تو اس کی پلکوں پہ نادیدہ بوجھ دھرا تھا، رنگت میں تمتماہٹ تھی، اسے مما کی نظروں کی چبھن اپنے چہرے پہ محسوس ہوئی تھی۔
''بیٹھو بیٹے، آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' پپا اسے دیکھ کر سگریٹ بجھا چکے تھے، مگر مما کی آنکھیں ہنوز سلگتی تھیں، وہ خائف سی بیٹھ گئی، دل بدستور دھڑ دھڑ کیے جاتا تھا۔
''تمہارے باپ نے تمہیں قربان کرنے کا فیصلہ کیا ہے غانیہ، اس پسماندہ گاؤں کے رہائشی منیب چوہدری سے تمہارا بیاہ کرنے جا رہے ہیں، جسے شاید تم نے ڈھنگ سے دیکھا بھی نہ ہو اور جو شہر میں کسی بڑے دفتر میں کلرکی کرتا ہوگا، بتاؤ تمہیں یہ فیصلہ منظور ہے۔'' مما کا پرطیش پر اشتعال انداز اسے بھی بھڑکانے کا خواہش مند تھا، مگر وہ نہیں جانتی تھیں یہاں اسی فیصلے کا انتظار تھا، یا پھر موت کا، یہ فیصلہ تو زندگی کا پیامبر تھا، انکار کا جواب کہاں رہتا تھا، البتہ ان کا انداز ایسا ضرور تھا کہ غانیہ کا رہا سہا اعتماد بھی زائل ہو گیا، بجائے کچھ کہنے کے اس نے گھبرا کر پپا کو دیکھا، جو اسی کی سمت متوجہ تھے، نگاہ چار ہونے پر نرمی سے مسکرائے، یہ مسکراہٹ اس پل گواہ بنی تھی کہ پپا وہ واحد شخص تھے جو اس شخص کے بعد اس کے دل کے اندر سے آگاہ ہوئے تھے، وہ ایک دم ساکن رہ گئی، اسے خفت وخجالت کے ساتھ حیاء کے مغلوب کر دینے والے احساس نے گھیر لیا، تو اس کے حصے کی جنگ پپا تن تنہا لڑتے رہے ہیں، اس کا دل پپا کی محبت سے لبریز ہوتا آنکھیں بھگو کے رکھ گیا۔
''بولو بیٹے، فیصلہ کا مکمل اختیار آپ کے پاس ہے۔'' پپا نے یقیناً اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے ہی نرمی سے کہتے اس کا سر تھپکا تھا، مما چلبلا کر رہ گئیں۔
''اس کی خاموشی آپ کو نہیں جتلا رہی ہے جمال چوہدری کہ غانیہ کو آپ کا فیصلہ منظور نہیں ہے

اس کے خاموش آنسو گواہ ہیں آپ کے اس پہ ڈھائے ظلم کے۔'' وہ پھنکارنے لگیں تھیں، ایکدم ایسے نڈھال ہوئیں گویا غانیہ نے کھل کر ان کی حمایت کا اعلان کر دیا ہو، پپا ان کی کم فہمی پہ مسکرائے تھے اور پھر سے غانیہ کی طرف دیکھا، وہ بیٹھے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی، نرمی سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں، پھر مما کو دیکھتے مضبوط لہجے میں گویا ہوئی تو آواز بالکل صاف اور ٹھہری ہوئی فیصلہ کن تھی۔

''مجھے پپا کے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں ہے مما، کبھی ہو بھی نہیں سکتا، ان کا یہ فیصلہ مجھے دل سے قبول ہے ایک اور آخری بات، منیب اس پسماندہ گاؤں میں ضرور رہتے ہیں مگر وہ شہر کے کسی بڑے دفتر میں کلرکی ہرگز نہیں کرتے، بلکہ ایک مصروف لائر ہیں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی، پلٹ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی، مما کو جیسے سکتہ ہو گیا، وہ پتھرائی ہوئی بیٹھی تھیں، پپا نے اک نظر ان کے اس انداز کو دیکھا، وہ صدماتی کیفیت کے زیر اثر تھیں، یہ ان کی گمان تلک بھی نہ تھا جو ہوا، انہیں ان پہ ترس بھی آیا رحم بھی، وہ بہت خود پسند تھیں، یہ تکبر ٹوٹا تھا، توڑنے والی بھی اپنی بیٹی تھی۔

''نازنین!'' انہوں نے اٹھ کر مما کا کندھا چھوا، ان کا یہ انداز پپا کو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا، مما کا وجود ذرا سا لرزا اور یہ سکتہ ٹوٹ گیا، آنکھوں میں ٹھہرے آنسو ٹپ ٹپ برسے تھے، وہ بے ساختہ و بے اختیار بلک پڑیں۔

''مجھے اب سمجھ میں آئی آپ کی سازش جمال چوہدری کہ تم میری بیٹی کو وہاں گاؤں کیوں لے جاتے تھے، چھین لی نا مجھ سے میری اولاد، سکون مل گیا، جاؤ خوشیاں مناؤ اپنے جاہل گنوار رشتہ داروں کے ہمراہ۔'' پھوٹ پھوٹ کر روتے وہ گویا فریاد ہی کر رہی تھیں، کہ جھگڑا کرنے کے قابل تو رہی نہ تھیں، پپا کچھ نہیں بولے، محض ان کا سر تھپکا، انہوں نے طیش میں ان کا ہاتھ زور سے جھٹکا۔

''زندگی بچوں کو گزارنی ہوتی ہے نازنین، جیون ساتھی کپڑے یا جوتے نہیں ہوا کرتے کہ پسند نہیں آیا تو بدل لیا، غانیہ کی......''

''غانیہ نادان ہے، ارے اٹھارہ سال عمر کیا ہوتی ہے، انسان حماقت کی حد تک جذباتی ہوا کرتا ہے اس عمر میں، آپ نے محض اپنی فیملی سے کیا وعدہ نبھانے کو بیٹی قربان کر دی، وہ اس سے دوگنی عمر کا بندہ جو پہلے سے عورت بھگتا چکا ہے، جس کا بیٹا جوان ہونے کو ہے، وہ کیا میری پھول جیسی بچی کے جذبات و احساسات کو سمجھے گا۔''

وہ اب لڑ نہیں رہی تھیں، وہ اب بس رو رہی تھیں، شکوے کر رہی تھیں، گیند ان کے کورٹ سے نکل گئی تھی، بلکہ شاید گیند ان کے کورٹ میں کبھی تھی ہی نہیں، انہیں اپنی بے خبری اپنی شکست رلا رہی تھی۔

''ایسا نہیں ہے یار! منیب میچور ضرور ہے مگر بہت پیارا بچہ ہے، آپ پریشان نہ ہوں۔'' پپا نے پھر ان کا دل سنبھالنے بہلانے کی کوشش کی۔

''اب تو ساری عمر کا رونا لکھ دیا گیا میری قسمت میں، آپ آفس جائیں، آپ کا کام تو ختم ہوا یہاں سے۔'' وہ سخت چڑیں تھیں ان کے اپنے برابر صوفے پہ بیٹھ جانے سے، پپا ان کی جھنجھلاہٹ پہ منانے کے الفاظ منظوط ہوئے۔

''نہیں جی، ابھی تو ہم نے اپنی ڈیئر وائف کا جی سنبھالنا ہے، یہ آفس وغیرہ کا ٹنٹنا پھر سہی۔''
وہ شریر ہوئے اور شوخ نظروں سے انہیں دیکھا، جواباً ماما نے غصے سے انہیں گھورا تھا۔
''زہر لگ رہے ہیں آپ بھی اس وقت اور آپ کی یہ چکنی چپڑی باتیں بھی، کاش آپ نے یہ قدم اٹھانے سے پہلے مجھے کسی کنویں میں دھکا دے دیا ہوتا۔'' پھپھک کر کہتیں وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئیں، پپا نے گہرا سانس بھرتے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

☆☆☆

رات گزر جاتی ہے اسی حساب میں
اس کو محبت تھی؟
نہیں تھی؟
ہے؟
یا نہیں ہے؟

اس نے کش لے کر دھواں بکھیرا اور نو تعمیر شدہ مکان کے اندھیرے میں ڈوبے خدوخال جو بے وضع اور کسی حد تک خوفناک تاثر پیش کر رہے تھے، جلتی آنکھوں سے دیکھا، اماں کی بات کچھ اتنی غلط بھی نہیں تھی، تایا جی اس کی ہاں سنتے ہی بستر سے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، جیسے کبھی بیمار پڑے ہی نہ ہوں، ان کی بیماری کی یعنی اصل وجہ ہی اس کی اکڑ توڑنا تھا، یعنی وہ ہر صورت اس کو ہرا لینا چاہتے تھے، اس کی ہار میں ہی ان کی جیت مخفی تھی، صرف ان کی ہی نہیں۔
کسی اور کی بھی، اس کی آنکھوں کی جلن یکا یک مزید بڑھی، تخیل کے پردے پہ جینز اور ٹاپ میں ملبوس ہوا کے دوش پہ اڑتے بالوں والی اس بے انتہا مغرور نقوش کی حامل پرکشش لڑکی کا سراپا لہرانے لگا، جو کسی بات پہ بے تحاشا ہنستی تھی تو اس کے گال پہ ڈمپل پڑنے لگتا، ایسا گڑھا جس میں نظر اور دل ایک ساتھ اٹکتا تھا، مگر منیب کو اس کی یہ ہنسی اپنا مضحکہ اڑاتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی، اس نے اضطراری کیفیت کے زیر اثر سگریٹ پھینکا اور جوتے سے مسل دیا۔
''میں اسے کبھی جیتنے نہیں دوں گا، چھین لوں گا اس سے ہمیشہ کو یہ خوشی۔'' مٹھیاں بھینچے مسلسل ٹہلتا وہ خود اپنے آپ سے یہ عہد باندھے گیا، خود کو تسلی سے نوازتا رہا، کل یہاں سے دادی جان ابا جی اماں کے علاوہ حبیب بھائی کی فیملی جمال چچا کے گھر باقاعدہ رسم کی ادائیگی کو جا رہے تھے، شادی کی تاریخ بھی ساتھ ہی طے ہو جاتی، یہ تو محض ایک فارمیلٹی تھی، ورنہ ابا سب کچھ تو چاچا سے یہیں زبانی کلامی طے کر چکے تھے اور منیب چوہدری جو اس آس میں مبتلا تھا، ادھر سے انکار ہو جائے گا، جیسے کھائی کے کنارے سے یکدم لڑکھڑا کر گہری تاریکی میں خود کو گرتا محسوس کرتا رہا، اسے خود اپنے آپ پہ غصہ آیا، احمق ہی تھا وہ کہ اس فضول آس میں جیتا رہا، بھلا جس نے یہ معاملات خود پیدا کیے تھے، وہ اپنے گھر سے انکار ہونے دیتی، اس کا دل چاہا تھا اس پل ہر شے کو تلپٹ کر کے رکھ دے، وہ بالشت بھر کی لڑکی کی یہ اوقات تھی کہ وہ اسے یعنی منیب چوہدری کو اپنے اشاروں پہ اپنی مرضی کے مطابق نچاتی پھرتی، طیش اس کے اندر سے ابلتا تھا اور یہاں ابا حضور تھے کہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے، بھتیجی کی مستقل آمد کے اعزاز میں گھر کی عمارت گرا کر نئے سرے سے اس

نے شایان شان گھر تعمیر کروا رہے تھے، انہوں نے اعلانیہ کہا تھا۔
''اپنے بیٹے کو سمجھا دینا، میرے کسی کام میں مداخلت نہ کرے، سیانے کہتے ہیں اونٹوں والوں سے ہاتھ جوڑی کرو تو اپنے دروازے اونچے کرنے ہی پڑتے ہیں۔''
''تو اونٹوں والوں سے ہاتھ جوڑا کیوں تھا؟'' آج کل وہ سب سے زیادہ اپنا خون جلا رہا تھا، ابا کہاں اس کی جلی کٹی باتوں پہ کان دھرتے تھے، ان کا جوش و خروش تو منیب کو بھی حیران کر جاتا۔
ایسے جوانوں کی طرح قلانچیں بھرتے پھرتے کیا نوخیز چیتا، ایسی پھرتی دکھاتا ہوگا، صرف گھر کی تعمیر نہیں کروا رہے تھے، ساتھ ساتھ شادی کی تیاریاں بھی شروع کروا دی تھیں، کنیز کو بھی ساتھ ہی رخصت کرنے کا فیصلہ کیے بیٹھے تھے۔
''ابا سے کہیں کنیز کا بی اے مکمل ہونے دیں، اگلے سال کریں گے شادی۔'' اس بات پہ اماں متذبذب کا شکار ہوگئیں، پریشانی سے اسے دیکھا۔
''تیرے ابا نہیں مانیں گے۔''
''کیوں نہیں مانیں گے؟'' وہ بھڑک اٹھا۔
''آپ نے تو عرصہ ہوا کام چھوڑا ہوا ہے، کنیز ہی سب کو روٹی پکا کے کھلاتی ہے، اسے بھی ابھی بھیج دیں گے تو بیٹھے رہیے گا کھانے کے انتظار میں، جس مہارانی کو آپ یہاں لا رہے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ کسی کام کو انجام دے سکے۔'' وہ آج کل ایسی ہی بے بنیاد اور فضول باتوں پہ جھگڑے مول لیتا پھرتا تھا، اماں نے گہرا سانس بھرا۔
''سکھلا دوں گی میں اپنی دھی کو، تو فکر نہ کر، جب تک اسے نہیں آتا ہی سنبھالوں گی گھر۔'' اور وہ تنفر سے سر جھٹکتا وہاں سے اٹھ گیا، مگر جاتے جاتے پھر بھی کچھ نہ کچھ کہہ دیا۔
''ایسا نہ ہو ابا جی کی ساری تیاری اور خوشی غارت چلی جائے، ان کی مجاجوں والی بھاوج نے بیٹی دینے سے انکار کر دیا تو سارا دھوم دھڑکا اور جوش و خروش دھرا رہ جائے گا۔'' وہ جتنا بھڑک اور سلگ رہا تھا، کیا حرج تھا، اگر چنگاریاں اڑ کر ادھر ادھر بھی تپش بکھیر دیں، اماں تو کچھ نہیں بولیں مگر اسی وقت وہاں آ جانے والے ابا جی ضرور یہ بات سن کر اچھل پڑے تھے۔
''تیرے ورگی نیں ہے میری بھاوج اور بھتیجی، عزتاں اور لاجاں نبھانے والیاں ہیں، اونہہ مجھے جیسے پتا نہیں ہے ناں باپ کو مرتے پا کر مجبوراً حامی بھری ہے تو نے، اچھی طرح جانتا ہوں میں تجھ جیسے کتے کے ہڈ کو۔'' وہ بھی کہاں کم تھے، بجائے نظر انداز کرنے کے اس بھڑکتی آگ کو مزید تیل ڈال کر بھڑکایا، اماں گھبرائیں، منیب کو تو جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
''ہاں ہاں سب جانتا ہوں میں بھی، جتنی پاکباز ہے وہ، اسی کی ایما پہ ہو رہا ہے سب کچھ، ورنہ آپ کو میری کسی پرواہ ہے سب جانتا ہوں۔'' اس کا طنزیہ لہجہ طعنہ دیتا ہوا انداز ان سے کہاں برداشت ہونا تھا، جواب میں جلال میں آ کر برستے اس کی ماں بہن ایک کرنے لگے، ساری ہی ایسی گالیاں جو ڈائیریکٹ یا ان ڈائیریکٹ خود اپنے آپ پہ پلٹ کر آ رہی تھیں وہ نتھنے پھلا پھلا کر ہاتھ نچاتے اسے دیتے رہے، ابھی اور بھی دیتے مگر ان کی گونجدار آواز یکدم دھیمی پڑنے لگی، متغیر

ہوتی رنگت کے ساتھ سینے پہ ہاتھ رکھتے وہ کچھ فاصلے پہ بچھی چارپائی پہ گرنے کے انداز میں ایسے بیٹھ کر یوں لمبے لمبے سانس بھرنے لگے جیسے یکا یک بہت گھٹن محسوس کرنے لگے ہوں۔
''ابا جی!'' منیب سے ان کی بدلتی کیفیت چھپی نہ رہ سکی، سب کچھ بھلا کر گھبراتا ہوا ان کی جانب لپکا ہی تھا کہ انہوں نے اس شدید اور خفا انداز میں اسے وہیں روک دیا، انداز میں تلخی ہی تلخی تھی۔

''میں نے تجھے مجبور نہیں کیا تھا منیب، یہ مجبوری کے سودے ہوتے بھی نہیں ہیں، اگر تیرا دل راضی نہیں ہے تو تو ابھی سے انکار کر دے، میں جیسے بھی سہی اپنے بھرا سے معافی مانگ لوں گا، میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ تو غانیہ دھی کو ساری زندگی احسان جتلا کر جھڑکیں مارتا رہے، میری موت کی فکر میں ہلکان ہوتے اپنی زندگی سے نہ کھیل تو۔'' اپنی کیفیت پہ قابو پاتے وہ سرخ چہرے کے ساتھ رک رک کر کہہ رہے تھے، بات ایسی تھی کہ منیب کے چہرے پہ کتنے ہی رنگ ٹھہرے اور سرد ہوئے، انہیں ابھی سے بھتیجی کی خوشیوں اور سکھ کی کتنی فکر لاحق تھی، اس محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا، وہ جل جل گیا۔
''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں ابا جی، مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا۔'' اس نے شاکی دکھ سے لبریز نگاہ اماں پہ ڈالی۔
''اس کے باوجود میں آپ کی لاڈلی سے شادی کو مرا جا رہا ہوں تو اندازہ کریں میں اسے کتنا خوش رکھوں گا، آپ کو اب کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔'' تمام تر ضبط کے باوجود وہ بولا تو اس کا لہجہ بھینچا ہوا اور کتنا سرد تھا، یہ تایا جی جیسا سادہ مزاج انسان کیسے جان پاتا، وہ پلٹ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلا گیا، کوئی نہیں جانتا تھا اس کے اندر کیا جوار بھاٹا ابل رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے اپنے دھیان میں وارڈ روب کا دراز کھینچا تھا، کوئی نرم سی ریشمی سی چیز سرک کر اس کے پیر سے ٹکراتی مہین سی آواز کے ساتھ زمین بوس ہوگئی، مون نے سرسری نگاہ ڈالی تھی، جو ہرگز سرسری نہ رہی، گرنے والی چیز چاندی کی پازیب تھی، ریشمی لمحوں کی یاد کے ساتھ جڑی جسے جھک کر اٹھاتا وہ از خود انہی لمحوں کے سحر میں گرفتار ہوا۔
''جتنے اچھے لگتے ہیں نا آپ صاحب، اتنے ہی کم دستیاب ہوتے ہیں، کبھی کبھار جی مچلتا ہے، کچھ ایسا کریں آپ کو اپنے سوا سب کچھ بھلا دیں، بتائیں ایسا کیا کریں ہم؟'' اس کا کوٹ اتارتی وہ اس کے ناز اٹھا رہی تھی، شکوے کے دفتر کھول رہی تھی، جواباً اس نے اسے دیکھا تھا، جو ہر بار دیکھنے پہ نئی لگتی، انوکھی محسوس ہوا کرتی۔
''اب کیا شکایت ہوگئی جناب!'' وہ مسکرانے لگا، جانتا تھا وہ اس کی مسکان پہ پوری دنیا وار سکتی ہے، یہ ناراضگی لمحوں میں بھول جائے گی۔
''کوئی ایک ہو تو کہیں، کتنے دن سے پازیب کی فرمائش تھی۔'' وہ منہ بسورے گئی، مون کی مسکان گہری ہوتی گئی، اسی خفگی کے حساب کتاب سے۔
''نہ آپ معمولی ہیں نہ آپ کی فرمائشیں، ادھر دیکھیں ذرا۔'' وہ کوٹ کی جیب سے باکس

نکال کر اسے کھولتا ہوا اسے پیر سامنے کرنے کا اشارہ کر گیا، اس نے پیر تو سامنے کیا تھا مگر اس کے نہیں اور پازیب بے حد چمکتی آنکھوں اور خوشی سے لبریز تفاخرانہ مسکان سمیت اسی کے ہاتھ سے لے لی۔

''میں پہنا دیتا ہوں۔'' مون نے ہاتھ بڑھانا چاہا جسے اس نے گھبرا کر فی الفور راستے میں ہی تھام لیا، لبوں سے لگالیا۔

''یہ پازیب ہے، بریسلیٹ یا گلوبند نہیں کہ آپ پہنا دیں، پاؤں کا زیور آپ سے پہن کر میں خود کو گستاخ کیسے ثابت کر دوں بھلا؟'' عقیدت محبت احترام کیا کچھ نہ تھا اس کے لہجے میں، دروازے پہ آہٹ ہوئی اور آپا اندر آ گئیں، وہ چونکا تک نہیں، بالکل اسی زاویے پہ ساکن رہا، انہوں نے حیرانی سے اسے دیکھا اور جیسے چمکتی زنجیر دیکھ کر معاملہ سمجھ گئیں، دل بھر سا آیا، کتنا مضبوط تھا وہ، کتنا بہادر، کبھی یوں ٹوٹے نہیں دیکھا تھا کسی نے اسے، یہ تو وہ شخص تھا کہ چلتا تھا تو زمین کانپتی تھی، سر اٹھا کر جسے دیکھتا وہ مطیع ہو جاتا تھا، ایسا ہی جادو رکھتا تھا قدرت نے اس کے تاثر میں، اک دنیا دیوانی ابھی بھی اس کی ہے، اس کے اک اشارے پہ لاکھوں لڑکیاں آج بھی اپنا دل ہار نے کو تیار تھیں، کسی کی مجال نہیں تھی اس کی بات سے سرتابی کر جائے اور وہ لڑکی، وہ تو سرتاپا اس کے رنگ میں رنگی تھی پھر......؟ ان کا دل سسکنے لگا۔

(جاری ہے)

طواف محبت
صوفیہ سرور چشتی

نقش یو ای ٹی کے پرہجوم کیفے ٹیریا سے ڈسپوزایبل گلاس میں لیمن سلیش لیے نکل رہی تھی جب اسے پیچھے سے ہلکا سا دھکا لگا، وہ ذرا سا لڑکھڑائی اور ہاتھ میں موجود پلاسٹک کا گلاس اس کی شرٹ کو داغدار کرتے ہوئے پاؤں کے قریب آ گرا، سلیش تو گری ہی کئی چھینٹے بھی اس کے سفید سینڈل میں مقید پاؤں اور چکن ٹراوزر پر آ پڑے، اپنے اندر اٹھنے والے تیز غصے کی لہر کو دباتے ہوئے اس نے پیچھے مڑ کر اس شخص کو تلاشنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے یہ سانحہ ہوا تھا۔

اور پیچھے مڑنے پر چھ فٹ کے لگ بھگ ایک اجنبی صورت کی مسکراتی، شرارت سے بھری نگاہوں نے اس کا استقبال کیا تھا جس کے سیاہ بال جیل لگا کر اوٹ پٹانگ طریقے سے سنوارنے کے باوجود بکھرے بکھرے سے دکھائی دے رہے تھے مگر خوب جچ رہے تھے، سیاہ آنکھوں اور سنہری رنگت والا وہ لڑکا جو بھی تھا نقش کے مڑنے پر اس کی داغدار قمیص کو دیکھ کر ہلکا سا ہنس دیا اور وہ جو اسے کھری کھری سنانے کے لئے منہ کھولنے ہی لگی تھی کھول کر رہ گئی، وہ جتنے بھی برے الفاظ استعمال کر لیتی وہ صورتحال سے انصاف کر ہی نہیں پاتے، پہلے دھکا دے کر سلیش گرا دی اور پھر ڈھٹائی سے کھڑا مسکرایا بلکہ ہنس رہا تھا کسی قسم کی شرمندگی یا افسوس کا شائبہ تک اس کے چہرے پر نہ تھا، بلکہ نقش کو لگا کہ اس ساری صورتحال سے وہ محظوظ ہو رہا تھا، نیلی ڈینم کی جینز جس کے گھٹنوں سے ٹخنوں تک کٹ لگے تھے اور سفید آدھی آستینوں والی پلین ٹی شرٹ پہنے وہ اچھا نظر آنے کے باوجود نقش کو بے حد برا لگ رہا تھا۔

''سوری یہاں کافی رش ہے جس کی وجہ سے آپ سے ٹکرا گیا، میں آپ کے لئے نئی

مکمل ناول

سلش خرید لاتا ہوں۔" یہ آواز اس سامنے کھڑے بدتمیز لڑکے کی نہیں بلکہ اس کے پیچھے کھڑے لڑکے کی تھی جس پر نقش کی ابھی نظر پڑی تھی، حلیہ اس کا بھی کم وبیش ویسا ہی تھا بس اس نے نیلی جینز کے اوپر سیاہ ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی جس کے اوپر کسی روک سٹار کی شبیہ بنی ہوئی تھی۔

"تھینکس۔"

نقش نے بے حد سرد انداز میں جواب دیا اور ایک کاٹ دار نگاہ سامنے والے لڑکے پر ڈال کر مڑ گئی، موڑ مڑنے تک اسے پشت پہ مسکراتی نگاہوں کی تپش محسوس ہوتی رہی ایک گرمی دوسرا غصے نے اس کا برا حال کر دیا تھا اور پھر سارے راستے میں جس جس نے اس کا حلیہ دیکھا مسکرائے بنا نہ رہ سکا اور اس چیز نے نقش کو مزید تپا دیا، لیڈیز روم میں داخل ہوتے ہی ایئر کنڈیشنر کی ٹھنڈی ہوا نے اس کا استقبال کیا تو اسے کافی بہتر محسوس ہوا واش روم میں جا کر اس نے ہینڈ بیگ سے ٹشو پیپر نکالے اور قمیض کے دامن اور سفید ٹراوزر پر موجود سلش کے دھبوں کو صاف کیا، یہ مسئلہ تو حل ہو گیا تھا مگر گیلی شرٹ اور ٹراوزر سوکھتے کیسے، کچھ ہی دیر میں اس کی اورینٹیشن شروع ہونے والی تھی اور وہاں وہ اس طرح تو نہیں جا سکتی تھی نقش نے اردگرد نظر دوڑائی وہاں دو چار اور لڑکیاں بھی موجود تھیں جو سنک کے پیچھے لگے آئینوں میں دیکھتے ہوئے اپنے بال سنوارنے اور میک اپ ٹھیک کرنے میں مصروف تھیں ایک لڑکی دیوار میں لگے الیکٹرک ساکٹ میں ہیئر ڈرائیر کر بال خشک کرنے میں مصروف تھی۔

آج سے پہلے اس نے صرف سنا تھا کہ یو ای ٹی اور دیگر بڑی یونیورسٹیز میں طلباء وطالبات اس طرح سے تیار ہو کر آتے ہیں جیسے کسی تقریب میں یا ریمپ پہ واک کرنے آئے ہوں مگر آج یہاں آ کر اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی اس نے ایک نظر گلابی اور بھورے جدید انداز میں سلے شلوار قمیض میں ملبوس لڑکی پر ڈالی جو کہ شکل سے انتہائی بے ضرر اور معصوم نظر آ رہی تھی جس کے بال لگ بھگ خشک ہو ہی چکے تھے۔

"کیا میں اسے لے سکتی ہوں؟ دراصل میری شرٹ گیلی ہو گئی ہے اور تھوڑی ہی دیر میں میری اورینٹیشن شروع ہونے والی ہے۔" یہ کہتے ہوئے نقش کو اپنا آپ بڑا احمقانہ سا لگا تھا۔

"ہاں ضرور مگر یہ ہوا کیسے؟" وہ لڑکی شرٹ کو دیکھ کر قدرے افسوس والے انداز میں گویا ہوئی، یہ پہلی لڑکی تھی جو اس کے کپڑوں کو دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں مسکرانے کی بجائے ہمدردی کر رہی تھی۔

"وہ میں کیفے سے سلش لے کر نکل رہی تھی، وہاں کافی ہجوم تھا ایک ہلکا سا دھکا لگا اور بس۔" وہ ڈرائیر سے ہوا قمیض کے گیلے دامن پر پھینکنے لگی جو تیزی سے خشک ہو رہا تھا۔

"اوہ میرا نام ماہم ہے اور میرا بھی آج پہلا دن ہے، مجھے لگا میں اورینٹیشن کے لئے لیٹ ہو جاؤں گی اس لئے بال گھر میں خشک کرنے کی بجائے اسے ساتھ ہی لے آئی، ویسے تمہارا نام کیا ہے؟ اور کس پروگرام کے تحت ایڈمیشن لیا ہے؟"

"نقش حیات اور آرکیٹیکچر میں۔"

"واقعی؟ پھر تو میرے اور تمہارے اگلے چند سال اکٹھے گزرنے والے ہیں۔" ماہم بچوں کے سے انداز میں خوشی سے اچھلتے ہوئے بولی تو نقش مسکرا دی شرٹ اور ٹراوزر مکمل طور پر خشک ہو چکے تھے اور دیکھنے پر بالکل پتہ نہ چلتا تھا کہ وہاں تھوڑی دیر قبل کوئی داغ موجود تھا، نقش نے ڈرائیر کا پلگ نکال کر تار لپیٹا اور ماہم کے حوالے

کیا جو اس نے اپنے تھیلے نما بیگ میں ڈالا اور دونوں بھاگم بھاگ ہال میں آپہنچیں جو کہ طلباء و طالبات سے بھرا ہوا تھا، آرکیٹیکچر کے علاوہ دوسرے پروگرامز انجینئرنگ، مینجمنٹ، بزنس وغیرہ کے طلباء موجود تھے، اورینٹیشن کا مقصد طلباء کو کورس کی اہمیت مستقبل میں اس کے اسکوپ اور کلاسز کے شیڈول کے متعلق معلومات فراہم کیا جانا تھا، اس یونیورسٹی کے متعلق کون نہیں جانتا تھا، پاکستان کے بہترین اداروں میں سے ایک جہاں داخلہ ملنا قابل فخر سمجھا جاتا ہے اور جہاں سے پڑھ کر نکلنے والے طلباء کو جاب دینے والی کمپنیاں ہاتھوں ہاتھ لیتی ہیں، نقش کو معلوم تھا کہ یہاں دو قسم کے طلباء داخلہ پاتے ہیں اوپن میرٹ کی بنیاد پر کہ جہاں طلبا ذہانت قابلیت اور محنت کے بل بوتے پر داخلہ حاصل کرتے ہیں اور دوسرے جو کہ ان سے قدرے کم نمبر والے ہوتے ہیں سیلف فنانس کے بل بوتے لیکن اس کا بھی میرٹ خاصا اونچا ہوتا ہے ایسا نہیں کہ ہر ٹام، ڈک اینڈ ہیری داخلہ پاسکے۔

نقش پہلی قسم کے طلباء میں شمار ہوتی تھی ذہانت میں تو وہ بے مثل تھی ہی سخت محنت کرنے کی بھی عادی تھی، پینسلوں سے کھیلنے کا فن اسے خوب آتا تھا، لہٰذا بغیر کسی سے سیکھے وہ بہت اچھے اسکیچز بنالیا کرتی تھی، لیکن یہاں ہر کسی کے پاس بھی پڑھائی کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی ٹیلنٹ تھا اور اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ کالج کی نسبت اسے یہاں کہیں زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔

دیگر تمام اسٹوڈنٹس کی طرح وہ دونوں بھی فیکلٹی کی بورنگ باتیں سننے سے زیادہ ادھر اُدھر کا جائزہ لے رہی تھیں، ہال میں سبھی اس طرح تیار ہو کر آئے تھے جیسے ان کی زندگی کا کوئی بہت خاص موقع ہو مگر لڑکیاں لڑکوں پر بازی لے گئی تھیں، دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک چہرے پر پڑی اور اسے یقین نہیں آیا کہ وہ یہاں اس حال میں فریشرز کے درمیان موجود ہے، وہ نیلی جینز اور سفید شرٹ والا لڑکا ان سے اگلی رو میں بائیں طرف تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھا تھا، نقش نے پلکیں جھپک کر حقیقت جھٹلانے کی کوشش کی مگر نہیں اور تب ہی وہ مڑا اور نقش کو اپنی طرف دیکھتے پاکر مسکرا دیا، نقش کو اس کی مسکراہٹ اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''Disgusting۔'' بلا ارادہ اس کے منہ سے نکلا۔

''کیا ہوا؟'' ماہم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''اس ہال میں میری نظر ابھی اس لڑکے پر پڑی ہے جس کی وجہ سے میری سلش گری تھی اور اس نے معذرت تک نہیں کی تھی۔''

''اوہ کہاں ہے وہ؟'' ماہم نے فطری تجسس کے تحت پوچھا۔

''اگلی رو میں تین لڑکے چھوڑ کر چوتھا سفید ٹی شرٹ میں۔'' نقش کے بولنے پر ماہم نے ادھر دیکھا مگر چونکہ اس لڑکے کا چہرہ دوسری جانب تھا لہٰذا وہ اس کی شکل نہ دیکھ سکی۔

''تو تمہیں ابھی تک اس پر غصہ ہے، بھول جاؤ یونیورسٹیز میں ایسے چھوٹے موٹے واقعات تو ہوتے رہتے ہیں۔'' ماہم نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے غصہ صرف اس کے معذرت نہ کرنے پر ہے۔''

''ہوں، ہو سکتا ہے یہ بھی ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا ہو۔'' ماہم کا انداز قیاسانہ تھا۔

''خدا نہ کرے۔'' نقش کے منہ سے بے

اختیار نکلا۔
اور وہ یقیناً قبولیت کا وقت تھا کیونکہ ولید ہاشم بزنس، مینجمنٹ کا اسٹوڈنٹ تھا اور اس کا ڈسپارٹمنٹ علیحدہ تھا، مگر پہلے سمسٹر میں کامرس، آرکیٹیکچر اور انجینئرنگ کے طلباء کی ایک کلاس اکٹھے رکھی گئی تھی جو کہ اس سے پہلے ان میں سے کسی کے کورس کا حصہ نہیں رہی تھی اور پہلی دفعہ انٹروڈیوس کرائی جا رہی تھی اس کا مقصد مخصوص شعبے کی فنی تعلیم کے ساتھ ساتھ ماڈرن انگلش کو سمجھنا، انگریزی شاعری و ادب سے معمولی تعارف حاصل کرنا تھا۔

اور نقش نے سکون کا سانس لیا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ انگلش کی یہ کلاس ہفتے میں صرف دو دن ہونا تھی، بلاوجہ گوسپ کرنا اور کلاس نہ چھوڑنے جیسے جو چند کام اس نے خود پر ممنوع قرار دیے تھیں ان میں سے ایک ولید ہاشم بھی تھا، اگر تھوڑے ہی عرصے میں اسے یونیورسٹی کے مقبول ترین لڑکے کا اعزاز مل بھی گیا تھا تو اس کے نزدیک کوئی اہم بات نہ تھی۔

وہ کیا کہتے ہیں کہ کوئی دوسرا بندہ آپ کی تب تک پرواہ نہیں کرتا جب تک آپ نے بے حد خوبصورت نہ ہوں یا بہت مشہور نہ ہوں، ہینڈسم تو وہ تھا ہی مشہور ہونے کے بھی سبھی لوازمات اس کے پاس تھے، اس کا Swag سٹائل اس کی امارت اور ان سے بڑھ کر اس کا گٹار، وہ جہاں بیٹھا ہوتا لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم اس کے گرد جمع ہوتا، گٹار کی اسٹرنگز پر مکمل مہارت ہونے کی بدولت وہ من چاہی دھن چھیڑ لیتا اور اکثر نقش نہ چاہنے کے باوجود سننے کے لئے رک جایا کرتی تھی اور اگر اس کی ولید ہاشم سے دشمنی نہ ہوتی تو وہ اس کی خوبی کی تعریف ضرور کرتی۔

ہمیشہ جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہنے، بیگ کی بجائے پیچھے گٹار لٹکائے، بکھرے سنورے بال اور ہلکی سی بڑھی شیو کے ساتھ وہ اپنی سیاہ عجیب الخلقت لمبے لمبے ہینڈلز والی ہارلے بائیک پر بیٹھ کر آتا تو وہ سوچتی کہ اسے بزنس مینجمنٹ پڑھنے کی بجائے میوزک پڑھنا چاہیے اور کسی راک بینڈ کا حصہ ہونا چاہیے۔

نقش کو ولید کے اردگرد بیٹھی لڑکیوں پر غصہ آتا جن کا بس نہیں چل رہا ہوتا تھا کہ وہ باقی سب کو چھڑی گھما کر غائب کر دیں اور خود اکیلی ولید کے ساتھ بیٹھی رہیں یا پھر ولید کو ہی اپنے بیگ میں ڈال کر گھر لے جائیں۔

''مجھے کیا ہے جو مرضی کرتا پھرے۔'' کہہ کر وہ دماغ سے ساری باتیں جھٹکتی مگر اس کا فائدہ کوئی نہ تھا۔

ولید کو ناپسند کرنے کی وجہ یونیورسٹی کے پہلے روز کا واقعہ ہی نہیں تھا بلکہ ولید کا بہت بڑا Bully ہونا تھا اور نقش کے تو وہ پیچھے پڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

نقش میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ تھی بھورے بال کھلتی ہوئی رنگت شفاف آنکھیں اور متناسب قدر و قامت کے ساتھ وہ اچھی خاصی خوش شکل لڑکی تھی اعتماد کی بھی اس میں کمی نہیں تھی مگر اسے اپنے غیر ہموار دانت خاصے نہ پسند تھے اور نجانے کیسے ولید کو اس کی اس کمزوری کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسے کلاس میں کوریڈور میں کیفے ٹیریا میں یا کہیں بھی (Snnaggle tooth) غیر ہموار دانتوں والی کہہ کر چھیڑا کرتا تھا اور اس کا انداز ہمیشہ بلا واسطہ ہوا کرتا تھا کہ وہ ٹیچرز سے اس کی شکایت بھی نہیں کر سکتی تھی ویسے بھی یونیورسٹی لیول پر اساتذہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی کہاں اہمیت دیا کرتے ہیں اور ایک تیسری وجہ بھی تھی کہ اس طرح ولید یہ نتیجہ نکالتا کہ نقش اس سے خوفزدہ ہے

یا اپنے معاملات خود ہینڈل نہیں کرسکتی اور وہ کسی صورت خود کو کمزور ظاہر نہ کرسکتی تھی۔

ابتداء میں اسے لگا کہ اگر وہ ولید ہاشم کی باتوں کا جواب دے کر اسے حظ اٹھانے کا موقع دینے کی بجائے اگنور کرے گی تو وہ بور ہو کر اسے تنہا اس کے حال پر چھوڑ دے گا، مگر یہ نقش کی خام خیالی تھی، جونہی چند دن سکون سے گزرتے اور نقش کو محسوس ہوتا کہ وہ سدھر گیا ہے کچھ نہ کچھ ہو جاتا، مثلاً انگلش کی کلاس میں پروفیسر صاحب کے آنے سے قبل وہ قدرے اونچی آواز میں، کہ نقش سن سکے کہتا۔

''یہاں سے ڈگری لینے کے بعد میں ایک ایسی آرگنائزیشن بناؤں گا جس کا مقصد دنیا کے کونے کونے سے Snnaggle tooth اکٹھے کرکے مریخ پر بھیج دینا ہوگا۔''

اور اس کے گروپ کے اس جیسے فضول لڑکے اور لڑکیاں گلا پھاڑ کر اس فضول مذاق پر ہنسنا شروع کر دیتے ان سب کو معلوم تھا ولید ہاشم کا نشانہ کون تھا اور تب اس کا جی چاہتا وہ واک آؤٹ کر جائے یا پھر لائبریری کی سب سے بھاری کتاب اس خود پسند اور مغرور شخص کے سر پر دے مارے، مگر ان کے برعکس وہ یوں ظاہر کرتی جیسے اس سب سے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو حتی کہ ماتھے پر شکن بھی نہ آنے دیتی۔

ویسے بھی فرسٹ سمیسٹر ختم ہوتے ہی ان کی یہ مشترکہ کلاس بھی ختم ہو جاتی اور ولید اور اس کے گروپ سے جان چھوٹ جاتی، وہ یہ بھی سمجھ چکی تھی کہ یہ ان کے گروپ کا کوئی خفیہ راز تھا کہ بات چاہے جتنی مرضی فضول اور بے تکی ہو گلا پھاڑ کر ہنسنا ضروری ہے۔

افسوس اسے ولید کے دوست ''ڈیبی'' پر بھی ہوتا جس کا حقیقی نام اس نے ابھی تک نہیں سنا تھا اور جس نے پہلے روز نقش کو سلش گرنے پر دوسری لا دینے کی آفر کی تھی، وہ اسے قدرے مہذب سمجھی تھی مگر نہ جی ان امیر زادوں کا سارا گروپ بگڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

نقش صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دینا چاہتی تھی جس میں وہ خاصی کامیاب جا رہی تھی، انگلش کی کلاس کے پروفیسر اپنے اسٹوڈنٹس کو شاعر، ادیب، نقاد سب کچھ ہی بنا دینا چاہتے تھے اکثر ہی کسی نہ کسی موضوع پر شاعرانہ انداز میں چند سطور لکھ کر لانے کو کہہ دیتے یا کوئی نظم کوئی شارٹ اسٹوری پڑھنے کو دے دیتے اور پھر کلاس کے سامنے کسی کو بھی بلا کر بحث و مباحثہ کرواتے، اس دن بھی کلاس کے طلباء باری باری ڈائس کے پیچھے کھڑے ہو کر ایک شارٹ اسٹوری پر بحث کر رہے تھے ولید ہاشم اسٹیج پر موجود تھا اور کہانی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال رہا تھا۔

''Rappaccini,s daughter یہ کہانی ایک عرصے سے پاکستان میں طلباء کے نصاف میں شامل رہی ہے اور انگریزی ادب میں اس کو خاص درجہ حاصل ہے، جن لوگوں نے اس کو پڑھا ہے وہ بیٹرس کے باپ Rappaccini کی شیطانی فطرت سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ کس طرح اپنی بیٹی کو اپنے خود غرضانہ تجربات کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے زہر بلا کر دیتا ہے، جس کی ایک سانس سے پھول مرجھا جاتے اور کیڑے مکوڑے مر جاتے۔''

پروفیسر صاحب نے اس کہانی کے مثبت اور منفی کرداروں کے پہلو واضح کرنے اور بحث کرنے کے لئے کہا تھا اور اب ولید پورے شد و مد سے پروفیسر Rappaccini کا دفاع کرنے میں مصروف تھا، اس کے مطابق پروفیسر

ایک عظیم سائنسدان تھا، جس نے سائنس کی خدمات کے لئے اولاد جیسے قیمتی اثاثے کی عظیم قربانی دی جو کہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس کے مطابق پروفیسر کا جذبہ بے لوث تھا وہ ایک فرشتہ تھا اور پتہ نہیں کیا کیا تھا۔

دوسری جانب پروفیسر Biglioni جو کہ کہانی کا ایک مثبت کردار ہے ولید اسے شیطان سے مشابہ قرار دے رہا تھا جو پروفیسر Rappaccini سے پروفیشنل جیلسی کی بنا پر مسلسل گیوانی کو بیٹرس کے خلاف اکساتا رہا اور زہر کا توڑ دینے کے پیچھے بھی اس کی یہی خود غرضی تھی کہ وہ پروفیسر کا تجربہ ناکام کرکے اسے نیچا دکھا سکے۔

اس کے دلائل سن کر پروفیسر صاحب اثبات میں سر ہلا رہے تھے اور نقش کرسی پر پہلو بدلنے میں مصروف تھی، اختتام میں ولید نے کہانی کی اس صورتحال کو جنت کی اس صورتحال سے تشبیہ دے ڈالی جہاں حوا آدم سے گندم کا دانہ چکھنے کو کہتی ہے اس کہانی میں ولید کے مطابق Biglioni شیطان تھا جس نے آدم و حوا یعنی بیٹرس اور گیوانی کو زہریلے پن کا توڑ پینے پر اکسایا۔

اس کے دلائل ختم ہونے پر کلاس میں خوب تالیاں بجیں اور نقش کو احساس ہوا کہ ولید ہاشم ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے زور خطابت سے سیاہ کوے کو بھی سفید ثابت کرسکتے ہیں۔

"ایکسکیوز می سر!" نقش نے اپنا دایاں ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔

"سر میں مسٹر ولید ہاشم کی رائے سے کلی اختلاف رکھتی ہوں۔" پروفیسر صاحب کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر وہ بولی اور بھی مڑے بغیر ہی اسے احساس ہوا جیسے ولید ہاشم کھل کر مسکرایا ہو۔

"آپ کی کیا رائے ہے ہمیں یہاں آکر مطلع کیجئے۔" پروفیسر صاحب نے اسے اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔

روسٹرم کے پیچھے پہنچ کر اس نے طائرانہ نگاہ کلاس میں بیٹھے سبھی طلباء پر ڈالی اور بولنے لگی۔

"پروفیسر Rappaccini اس کہانی کا ولن ہے اس کے باوجود کہ مسٹر ولید نے اسے مثبت کردار ثابت کرنے کے لئے پر اثر دلائل دیئے، وہ اسے کہانی کا Protagonist (بنیادی مثبت کردار) ثابت نہیں کر پائے۔" وہ سانس لینے کے لئے رکی تو اس کی نظر ولید پر پڑی جو (Catch me if you can) والی ٹی شرٹ پہنے سینے پر بازو باندھے یوں مسکرا رہا تھا جیسے کوئی لطیفہ سن لیا ہو، نقش نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔

"تو آپ کے خیال میں پروفیسر Rappaccini ایک منفی اور پروفیسر Biglioni ایک مثبت کردار ہے؟" پروفیسر صاحب نے استفسار کیا۔

"جی ہاں کیونکہ ایک منفی نوعیت کا کردار ہی ایک سائنسی تجربے کی خاطر اپنی جیتی جاگتی اور زندگی سے بھرپور اکلوتی بیٹی کو زہریلا کرکے اس سے عام انسان کی طرح جینے کا حق چھین سکتا ہے، پروفیسر Rappaccini ایک ظالم اور سفاک انسان ہونے کے ساتھ ساتھ خود غرض بھی ہے۔" اس کے اندر یہ سب کہتے ہوئے سکون کی لہر اتر رہی تھی جیسے یہ سب وہ پروفیسر Rappaccini کی بجائے ولید ہاشم کے متعلق کہہ رہی ہو۔

"جو اپنی بیٹی کی یاسیت، تکلیف، تنہائی اور ادھورا پن دیکھنے کے باوجود اپنے تجربے کو جاری رکھتا ہے۔" ولید کی مسکراہٹ گہری سے گہری

ہوگئی تھی۔

''پروفیسر اس پہ ہی بس نہیں کرتا بلکہ بیٹرس کو موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ گیوانی کے قریب ہو کر اسے بھی اپنی طرح زہریلا کر دے پروفیسر کی (Thurst for knowledge) اسے انسانی جذبات سے مبراء خودغرض Freak بنا دیتی ہے جبکہ دوسری جانب Biglioni کی یہی خواہش اور کوشش رہتی ہے کہ وہ گیوانی اور بیٹرس کو پروفیسر Rappaccini کے سفاک تجربے کی بھینٹ چڑھنے سے بچاتے ہوئے عام انسانوں کی طرح جینے میں مدد دے سکے، اس لئے ایک ہمدرد انسان کی طرح نہ صرف زبانی طور پر گیوانی کو خبردار کرتا ہے بلکہ زہر کا توڑ بنا کر عظمت کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

نقش نے جیسے ہی بات ختم کرکے ٹیچر کی طرف دیکھا کلاس میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، کلاس واضح طور پر دو حصوں میں بٹ گئی تھی کچھ ولید کی حمایت کر رہے تھے اور باقی نقش کی تائید کر رہے تھے۔

پروفیسر صاحب نے نقش کو واپس سیٹ پر جانے کا اشارہ کیا اور خود روسٹرم کے پیچھے آ کھڑے ہوئے، ساری کلاس کھسر پھسر کرنے کی بجائے پروفیسر صاحب کی طرف متوجہ ہوگئی کیونکہ (Final verdict) بہرحال انہیں ہی دینا تھا، ماہم نے نقش کو Thumbs up کا اشارہ کیا تو وہ مسکرا دی۔

''مجھے خوشی ہوئی ہے کہ کلاس کہانی کے کرداروں کے متعلق واضح طور پر اختلاف رائے رکھتی ہے یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ آپ لوگ اندھا دھند تقلید کرنے کی بجائے سوچنے غور کرنے اور پھر نتائج نکالنے اور ان نتائج کی حمایت میں دلائل دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' پروفیسر صاحب خاصے خوش لگ رہے تھے۔

''ولید ہاشم اور نقش حیات آپ دونوں نے کہانی کے کرداروں کی جس طرح ہر پہلو سے وضاحت کی وہ خاصا متاثر کن ہے۔'' ان الفاظ نے نقش کا دل خوشی سے بھر دیا لیکن اسے مزید خوشی ہوتی اگر اس لائن میں ولید ہاشم کا نام نہ ہوتا، پروفیسر صاحب نے بات کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ دونوں کی رائے اپنی اپنی جگہ پر درست ہے جس طرح سکے کے دو رخ ہوتے ہیں دونوں مختلف ویسے ہی اس کہانی کے دو رخ تھے ایک میں Rappaccini خودغرض، سفاک اور ظالم باپ تھا جیسا کہ نقش نے دلائل سے ثابت کیا اور دوسری جانب وہ ایک عظیم سائنسدان تھا جس نے سائنس کی خدمت کی خاطر بیٹی تک قربان کر دی۔

کلاس ختم ہونے کے بعد ماہم اور نقش دونوں باہر نکل آئیں۔

''مجھے سر کا جواب تھوڑا ڈپلومیٹک سا لگا۔'' نقش کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے ماہم سے بولی۔

''وہ کیوں؟'' ماہم نے استفسار کیا۔

''وہ بھی باقی سب کی طرح ولید سے متاثر ہیں ٹھیک ہے اس کے دلائل اچھے تھے مگر اس کا تجزیہ غلط تھا۔''

''تم چونکہ ولید کو ناپسند کرتی ہو اس لئے تمہیں اس کی ہر بات غلط لگتی ہے نقش۔'' ماہم کی اس بات پر نقش نے شکوہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تم میری دوست ہو یا ولید کی؟''

''ظاہر ہے تمہاری لیکن مجھے لگتا ہے تمہیں خود بھی ولید سے متاثر ہو اور اپنی پسندیدگی

چھپانے کے لئے مصنوعی ناپسندیدگی کا خول چڑھانے پھرتی ہو۔'' یہ کہہ کر ماہم تیزی سے پیچھے ہٹ گئی اور نقش جو اس کے سر کا نشانہ لے چکی تھی گھور کر رہ گئی۔

''مجھے وہ اس لئے برا لگتا ہے کہ وہ Bully ہے سب کو تنگ کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے، اس لئے مجھے اسے ناپسند کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔'' نقش نے اپنا موقف پیش کیا۔

''ہاں ٹھیک ہے وہ سب کو تنگ کرتا ہے مگر تمہارے پیچھے تو وہ ہاتھ دھو کر پڑا ہے۔''

باتیں کرتے کرتے وہ دونوں عمارت کی سنگی سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھیں، ماہم کے پاس اپنی گاڑی تھی مگر وہ یونہی نقش کا ساتھ دینے کے لئے آ بیٹھی تھی کیونکہ اس کے دادا جان نے اسے لینے قدرے تاخیر سے آنا تھا۔

ماہم کا فقرہ اس کے دماغ میں بار بار گونج رہا تھا وہ سب سے زیادہ اسے تنگ کرتا تھا مگر کیوں؟ آخر کیا بگاڑا تھا نقش نے اس کا۔

☆☆☆

اس ہفتے کی دوسری انگلش کی کلاس تھی جب پروفیسر صاحب نے نقش کی بجائے ولید کے موقف کی حمایت کی تھی، کلاس ختم ہونے پر وہ پہلی مرتبہ اس کی نشست کے پاس آیا اور فاتحانہ لہجے میں بولا۔

''ST مجھ سے ہار کر تمہیں آج رات نیند نہیں آئے گی۔'' ST یقیناً Snnaggle tooth کا مخفف تھا۔

''تم سے متعلق سوچنے کے لئے میرے پاس فالتو وقت نہیں ہوتا۔'' نقش نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

''واقعی۔'' وہ ہنس پڑا۔

''تو تم اپنے قیمتی وقت میں کیا کرتی ہو؟ پچاس سال بعد متوقع قحط کا حل تلاش کرتی ہو یا زمین پر قدرتی وسائل کی مسلسل کمی تمہیں ہلکان رکھتی ہے؟'' ولید کی طنزیہ آواز اور مذاق اڑاتا لہجہ اسے اندر سے سلگا گیا اس کے چہرے پر بدن کا سارا خون سمٹ آیا تھا اور وہ کوئی سخت سے سخت جملہ ڈھونڈ رہی تھی جب پیچھے سے ڈیبی کی آواز آئی۔

''چھوڑ دو ولی۔'' اور ولید جیسے ہی پیچھے ہٹا نقش نے بیگ اٹھایا اور کلاس سے نکل گئی، آج ماہم بھی نہیں آئی تھی اس کے بعد کا سارا دن بہت برا گزرا تھا گھر آ کر بھی وہ چپ چپ ہی رہی، دادی نے روکھے بال دیکھ کر تیل کی مالش کروانے کو کہا تو بجائے بحث کرنے کے چپ کر کے ان کے آگے بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا ہے آخر؟'' دادای اس کی خاموشی سے تنگ آتے ہوئے بولیں۔

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''کیا کسی لڑکے کا معاملہ ہے؟'' انہوں نے مشکوک انداز میں پوچھا تو وہ بے خیالی میں ہاں بول گئی، آخر معاملہ تو واقعی ایک لڑکے کا ہے۔

''کوئی بات نہیں میں تمہارے دادا سے بات کروں گی، دیکھنے میں کیسا ہے؟ خاندان کیسا ہے؟'' دادی کی روشن خیالی عروج پر تھی اور تب اس کے چودہ طبق روشن ہوئے کہ دادی کیا سوچ رہی تھیں۔

''دادی کدھر جا رہی ہیں زہر لگتا ہے وہ مجھے، شکل کہ بارے میں مت پوچھیں، وہ جتنی بھی اچھی ہو ہے وہ بدتمیز، گھمنڈی اور مغرور، میرے ٹیڑھے دانتوں کی وجہ سے Snnaggle tooth کہہ کر چھیڑتا ہے۔''

''تو تم بریسز کیوں نہیں لگوا لیتیں میں اور تمہاری دادی کتنی مرتبہ تو کہہ چکے ہیں۔'' لاؤنج

میں داخل ہوتے دادا جان نے اس کی بات سنتے ہوئے کہا تھا۔
"فی الحال نہیں دادا جان ابھی تو بریسز کا سوچ کر ہی مجھے خوف آتا ہے۔"
درحقیقت یہ اس نے محض ٹالنے کو کہا تھا حقیقت یہ تھی کہ اس کے امی ابو بہت پہلے ہی ٹریفک حادثے میں وفات پا چکے تھے تب سے اس کی تعلیم اور دیگر اخراجات دادا جان کی پینشن اور ایک دو دوکانوں کے کرایوں سے ادا ہوتے تھے اور یہ پیسے اتنے نہیں ہوتے تھے کہ وہ یہ اضافی خرچہ برداشت کر پاتے۔
اس کے ابو سول انجینئر تھے نقش نے ان سے متاثر ہو کر آرکیٹیکٹ بننے کا فیصلہ کیا تھا، دادی اور دادا جان کی وہ اکلوتی پوتی تھی دونوں ہی اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے مگر اس کے باوجود وہ والدین کی کمی کو محسوس کرتی تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس نے اس کمی کے ساتھ بھی سمجھوتہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں آئے دن کوئی نہ کوئی ایونٹ ہو رہا ہوتا تھا، کنسرٹ، الوداعی ڈنر یا ارتھ ڈے، نقش کا پہلا سمیسٹر اختتام کی جانب گامزن تھا اس روز "ڈاکو ڈے" منایا جا رہا تھا، طلباء و طالبات کو تو موج مستی کرنے کا بہانہ چاہیے۔
تمام لڑکے اور لڑکیاں سیاہ ملبوسات میں ملبوس تھے، اکثر نے ہاتھوں میں نقلی ہتھیار، کھلونا پستول اور گنز وغیرہ پکڑی ہوئی تھیں، نقش اور ماہم نے بھی سیاہ لباس پہن رکھے تھے، ماہم نے سیاہ جینز کے اوپر سیاہ پرنٹڈ کرتا اور گلے میں اسٹول ڈال رکھا تھا جبکہ نقش نے پلین سیاہ ٹراوزر کے اوپر پلین شرٹ پہنی تھی، اس کے گلے میں بھی ماہم کے جیسا سیاہ اسٹول موجود تھا، بھورے بال ہمیشہ کی طرح چہرے کے اطراف بکھرے ہوئے تھے، دونوں گراؤنڈ میں سب کو ایک دوسرے پر پانی پھینکتے ہوئے اور بھیگنے سے بچنے کی کوشش میں ادھر سے ادھر بھاگتا دیکھنے میں مصروف تھیں، چیخیں مارتی اور بھاگتی لڑکیاں انتہائی مضحکہ خیز لگ رہی تھیں جن کی حالت دیکھ کر وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔
تبھی دائیں طرف سے کوئی آیا اور نقش کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، سیاہ اسٹریپس والے جوتے، سیاہ پٹیالہ شلوار کے اوپر سیاہ قمیض پہنے، وہ کوئی دراز قامت شخص تھا۔
چہرہ ڈاکوؤں کے سے انداز میں سر پر بندھی پگڑی کے پلو سے ڈھکا تھا صرف سیاہ چمکتی نگاہیں تھیں جو بلا جھجک نقش پر جمی تھیں ایک مانوس سی خوشبو اور عجب سا احساس تھا جس نے نقش کا احاطہ کر لیا تھا وہ اونچے لمبے قد والا اسمارٹ سا ڈاکو ولید ہاشم کے سوا کون ہو سکتا تھا، تبھی اس نے بائیں ہاتھ سے پگڑی کا پلو ہٹا دیا اور نقش کا دل دھڑکتے دھڑکتے تھم گیا، زمین و آسمان کی گردش رک گئی تھی اور وہ کسی سحر میں جکڑی جا چکی تھی، ولید نے یونیورسٹی میں پہلی مرتبہ شلوار قمیض پہنی تھی اور ایسا لگتا تھا یہ لباس بنا ہی اس کے لئے تھا، اوپر سے یہ رنگ سیاہ لباس میں لڑکیاں تو اچھی لگا ہی کرتی ہیں مگر نقش نے یہ پہلا مرد دیکھا تھا جو اس لباس میں دنیا کا وجیہہ ترین مرد لگ رہا تھا، اس کی سنہری گندمی رنگت اور ایک دو روز کی بڑھی ہوئی ہلکی ہلکی شیو کے بال سورج کی کرنوں میں چمک رہے تھے اور تب ماہم کے کہے الفاظ اسے یاد آئے۔
"کیا واقعی وہ ولید کو ناپسند کرتی تھی؟" اس سوال کا جواب دیتے ہوئے دل اور دماغ کی جنگ چھڑ گئی اور وہ بھول رہی تھی کہ اسے تو ولید کو

نظر انداز کرتا تھا جبکہ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

اس ڈاکو نے اور کچھ لوٹا ہو یا نہ یونیورسٹی کی لڑکیوں کے دل ضرور لوٹ لیے تھے، ولید نے اپنی طلسمی مسکراہٹ کے سنہری سکے نقش پر اچھالے اور دایاں ہاتھ ہوا میں بلند کیا، پانی کی ایک تیز دھار اس کے ہاتھ میں پکڑی واٹر گن سے نکلی اور نقش کو بھگو گئی، تھوڑی دیر پہلے کا فسوں ٹوٹ گیا، سارے جذبات فضا میں تحلیل ہو گئے، غم و غصے کی لہر نقش کے اندر اٹھی اور اس کا وجود بھڑ بھڑ جلنے لگا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' چند لمحے گنگ رہنے کے بعد اس نے بولا مگر ولید جواب دینے کی بجائے مسکرا کر وہاں سے دور چلا گیا۔

''دیکھا تم نے، وہ انتہائی فضول، بدتمیز جنگلی انسان ہے تمیز تہذیب نام کی کوئی چیز اس میں ہے ہی نہیں۔'' شدید غصے سے کہتے ہوئے وہ اسٹول کو خود پر پھیلاتے لگی جبکہ ہما سرد آہ بھر کر رہ گئی وہ کہتی بھی تو کیا تھوڑی دیر قبل دونوں جس طرح ایک دوجے کی جانب دیکھ رہے تھے وہ اس کی چشم دید گواہ تھی، خاموش رہتے ہوئے اس نے نقش کا ہاتھ پکڑا اور اسے کلاس روم میں لے جانے لگی تاکہ وہ اپنے کپڑے خشک کر سکے۔

☆☆☆

انگلش کی کلاس کے پروفیسر صاحب سب کو چیکنگ کے بعد ٹیسٹ واپس کر رہے تھے، نقش کو اپنے ٹیسٹ پر +B دیکھ کر حیرت کے ساتھ ساتھ شدید صدمہ ہوا تھا، کالج میں انٹر تک اس کا اے سے کم کوئی گریڈ نہیں آیا تھا اور یونیورسٹی نے اس کے چھکے چھڑوا دیئے تھے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے میں نے تو بہت اچھا کیا تھا۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''ہیلو ST۔'' تبھی ایک آواز آئی تھی۔

''میرا نام نقش حیات ہے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

''جو بھی ہے، کیا گریڈ آیا ہے تمہارا، ادھر مجھے دکھاؤ۔'' وہ اچک کر اس کا ٹیسٹ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا جبکہ نقش نے فوراً سے پہلے چھپا لیا ولید کو دکھانے کا مطلب تھا اپنا مذاق اڑوانا وہ تو اس کا دشمن نمبر ون تھا۔

''یہ دیکھو میرا ٹیسٹ۔'' ولید نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پیپر اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا جس کے اوپر لکھا اے نقش کا منہ چڑا رہا تھا، نقش کو دوہرا صدمہ ہوا ولید کا ٹیسٹ پکڑ کر اس نے پڑھنا شروع کر دیا، اس نے حقیقت میں اچھا لکھا تھا، ولید نے اس کا دھیان بٹتے دیکھا تو بائیں ہاتھ میں پکڑا اس کا ٹیسٹ چھین لیا اور +B دیکھ کر قہقہے لگانے لگا۔

''بدتمیز۔'' وہ زیر لب بولی۔

''تو اس لیے چھپا رہی تھی تم، ویسے اتنا بھی برا نہیں لکھا مگر اتنا اچھا بھی نہیں کہ میری طرح اے حاصل کر سکو آئندہ زیادہ محنت کرنا۔'' وہ اسے چڑا رہا تھا اور وہ چڑ رہی تھی، جبھی تو سوچے بنا بولی۔

''سیلف فنانس پر داخلہ لینے والوں کو تو لفظ محنت استعمال کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچنا چاہیے کجا کہ وہ دوسروں کو مشورہ دیتے پھریں۔''

یہ محض اس کا اندازہ تھا کہ اس نے امارت کے زور پر یہاں ایڈمیشن لیا ہوگا مگر کلاس میں اس کی کارکردگی نے اس کے اندازے غلط ثابت رہے تھے اور اب یہ کہہ کر وہ پچھتا رہی تھی، دوسری جانب ولید برا مانے بغیر مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کے غصے کو شرمندگی میں بدلتے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے او لیولز اور اے لیولز میں ولڈ لیول پر ٹاپ کیا ہے اور اس ادارے میں میرا پڑھنا میرے لئے خوش قسمتی کا باعث نہیں ادارے کے لئے باعث افتخار ہے۔''

اس کے الفاظ نے نقش کو مزید شرمندہ کر دیا تھا جواباً وہ کچھ نہیں بولی تھی، پروفیسر صاحب کی تنبیہی نگاہوں نے دونوں کو سیدھا ہونے پر مجبور کر دیا۔

پہلا سمیسٹر ختم ہوتے ہی ان کی انگلش کی کمبائن کلاس کا بھی اختتام ہو گیا اور ساتھ ہی ولید سے ہونے والا آمنا سامنا بھی کم ہو گیا، وہ ماہم کے ساتھ کچھ کھانے پینے کے لئے کیفے ٹیریا آتی تو ولید اپنے گروپ میں راجا اندر بنا بیٹھا نظر آتا اکثر وہ گٹار بجا رہا ہوتا اور اردگرد لڑکیاں لڑکے گا رہے ہوتے یا کبھی کبھی وہ خود بھی کوئی انگریزی گانا ساتھ گنگنا رہا ہوتا اس کی آواز عام آوازوں سے مختلف تھی ماہم کے مطابق اس کی آواز بریڈلی کوپر جیسی تھی گہری اور Husky۔

☆☆☆

ماہم آج یونیورسٹی آئی ہی نہیں تھی لہٰذا اسے چائے کی طلب ہوئی تو اکیلے ہی بیگ چارلس سمیٹ کر اوپن ائیر کیفے ٹیریا میں آ گئی موسم سرما کا اختتام تھا لہٰذا فضا میں ہلکی سی خنکی تھی چائے لے کر وہ ٹیبل پر آ بیٹھی تو اس کے کانوں سے ایک میٹھی سی دھن کے ساتھ ساتھ گانے کے بول ٹکرائے۔

شمع کہے پروانے سے جا رے چلا جا
میری طرح جل جائے گا پاس نہیں آ

آواز تو ولید کی تھی مگر حیرت کی بات تھی وہ اسے پہلی مرتبہ اردو میں کوئی گانا گاتے سن رہی تھی اور خوشگوار چیز یہ تھی کہ اس کی آواز میں یہ گانا اور بھی زیادہ اچھا لگ رہا تھا اسے معلوم تھا کہاں آواز دھیمی کرنی اور کہاں تیز۔

وہ نہیں سنتا اس کو جل جانا ہوتا ہے
ہر خوشی سے ہر غم سے بیگانہ ہوتا ہے

ایسی آواز جو کھل جا سم سم کہہ کر سارے دروازے کھول لینا جانتی ہو، نجانے کیوں اس کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے، نقش نے ولید کی طرف دیکھا جو سامنے سیڑھیوں پر بیٹھا تھا اور پانچ چھ لڑکے لڑکیاں جس کے اردگرد دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے اور تبھی ولید نے اپنے گٹار سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا دونوں کی نظریں ملی تھیں کوئی بجلی سی کوندی تھی۔

پیار دیوانہ ہوتا ہے مستانہ ہوتا ہے
ہر خوشی سے ہر غم سے بیگانہ ہوتا ہے

نقش کا دل زور سے دھڑکا اور دھڑک کر جیسے رک گیا تھا کپ اس نے وہیں میز پر رکھا اور بیگ اٹھا کر وہاں سے چلی آئی اور ولید کی آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا گھر تک کمرے میں آتے ہی اس نے ''پیار دیوانہ ہوتا ہے'' کی بازگشت پر دروازہ بند کر دیا اور خود کو ولید کی آواز اور نظروں دونوں سے ہی لاپروا سا تصور کرنے لگی، سامنے کھڑکی سے جھانکتی میٹھی سی نرم دھوپ نے ایک نظر اس کو دیکھا اور قہقہہ لگا کر اس کی بے وقوفی پر ہنس دی۔

☆☆☆

دوسری یونیورسٹیوں کی طرح یہاں بھی لڑکے لڑکیوں کی دوستیوں کا ٹرینڈ عام تھا، کیفے ٹیریا، لان، کوریڈورز میں، سیڑھیوں پر بیٹھے اور کونے کھدروں میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے، جینے مرنے کے وعدے کرتے، سرگوشیاں کرتے جوڑے جنہیں ''لو برڈز'' کا نام دیا گیا تھا، بھی نظر آ جاتے جن پر ولید ہاشم اور اس کا گروپ آسمانی بلاؤں کی طرح نازل ہوتا اور

لڑکا لڑکی اس اچانک افتاد پر گھبرا جاتے۔

Sophomore year (دوسرا سال)
میں آکر اس نے فریشرز کو تنگ کر کر کے رلا دیا تھا، کئی طلباء نے اس کے اس ''گینگ'' کی شکایات وغیرہ بھی کی تھیں مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، نقش کو بورژ دا کلاس کی ان بگڑی ہوئی اولادوں سے الجھن ہوتی تھی جو دوسروں کی زندگیوں میں اس طرح سے مداخلت کرتے تھے جیسے ایسا کرنے کے لیے ان کے پاس لائسنس ہو، یہ نہیں تھا کہ ولید نے نقش کو تنگ کرنا موقوف کر دیا تھا بلکہ جب وہ اپنی دوسری تمام سرگرمیوں سے تنگ آجاتا اور اکتا جاتا تو اسے چھیڑ کر دوبارہ سے تر و تازہ ہوتا اور فارم میں آجاتا۔

☆☆☆

سمیسٹر پر سمیسٹر گزرتا چلا گیا نقش کا یونیورسٹی میں آخری سال آ پہنچا وہ اپنا GPA برقرار رکھنے کے لیے سر توڑ محنت کر رہی تھی، کلاس میں ایک لڑکی نبیہہ کے ساتھ اس کا اچھا خاصا مقابلہ چل رہا تھا، نبیہہ بھی اچھی خاصی ذہین اور محنتی لڑکی تھی لیکن ان لوگوں میں شمار ہوتی تھی جو Opportunity نہ ملے تو اسے خود بنانے پر یقین رکھتے ہیں اور Everything is fair in love and war کے مقولے پر عمل کرتے ہیں۔

کام کا بوجھ ان دنوں بہت زیادہ تھا اور اس دن نقش اور ماہم یونیورسٹی میں ہی ایک نسبتاً کم رش والی جگہ پر بلڈنگ ماڈل تیار کرنے میں مصروف تھیں، تسلسل کام کرنے کی وجہ سے دونوں کی کمر اکڑ گئی تھی وقت کم تھا اور ماڈل جمع کروانے کی تاریخ دو دن بعد کی تھی، تھیس، کاربورڈ، رنگ اور گلو وغیرہ آس پاس بکھرے ہوئے تھے، نقش ہمیشہ بڑی محنت اور احتیاط سے ماڈل تیار کرتی ان کی فنشنگ بہترین ہوا کرتی تھی، اس دفعہ بھی اسے یقین تھا کہ اس کا کام سب سے اچھا ہوگا۔

ان سے کچھ دور ولید ہاشم اس کا قریبی دوست ڈیبی اور دیگر گروپ کے افراد نجانے کون سی منصوبہ بندی کرنے میں مصروف تھے، نقش کی نظر پڑی اور اچانک اسے یاد آیا کہ کافی دنوں سے ولید نے اسے اپنے مذاق کا نشانہ نہیں بنایا، تو کیا وہ سدھر گیا تھا؟ یا بور ہو گیا تھا؟

''سدھرنے والوں میں سے تو وہ تھا نہیں یقیناً بور ہو گیا ہوگا۔''

''اوہ نو۔'' ماہم کی آواز پر نقش نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا جس نے اپنی قمیض پر رنگ گرا لیا تھا۔

''آؤ لیڈیز لاؤنج میں چل کر اسے صاف کرتے ہیں۔'' نقش ماہم سے مخاطب ہوئی۔

واش روم جا کر دونوں نے جلدی جلدی قمیض صاف کی مگر رنگ مکمل طور پر نہ اترا، نقش کو یونیورسٹی میں اپنا پہلا دن یاد آگیا، جب اس پر سلش گری تھی اور وہ یونہی سنک کے سامنے کھڑے ہو کر صاف کر رہی تھی۔

''مسکرا کیوں رہی ہو؟'' ماہم نے مشکوک انداز میں استفسار کیا۔

''کچھ نہیں ویسے ہی۔''

''اوہ تو کیا میں مسکرا رہی تھی۔'' اس نے دل میں سوچا اور اسے یاد آیا اس دن وہ کس قدر طیش میں آگئی تھی، اسے معلوم تھا ماہم نے ''کچھ نہیں ویسے ہی'' پر یقین نہیں کیا ہوگا، دونوں لیڈیز لاؤنج سے بھاگی بھاگی واپس آئی تھیں، دونوں کو ابھی کافی زیادہ کام کرنا تھا، واپس پہنچتے ہی نقش کو غیر معمولی پن کا ادراک ہوا وہ جس بورڈ پر ماڈل کھڑا کر رہی تھی وہ درمیان سے ٹوٹا ہوا تھا

اور اس کے ساتھ ہی اس کی ساری محنت برباد ہو چکی تھی، وہ شاک کے عالم میں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

''آئی ایم سو ساری نقش مگر یہ کیا کس نے؟ یہ میری وجہ سے ہوا ہے نہ رنگ گرتا نہ ہم اندر جاتے اور نہ ولید.....'' نقش نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ چپ ہوگئی، نقش ماہم کے ماڈل کی طرف دیکھنے لگی جو صحیح سلامت موجود تھا دوسری طرف گھاس کا وہ قطعہ بھی خالی تھا جہاں اس سے پہلے ولید کا گروپ موجود تھا۔

کچھ کہے بغیر لال بھبھوکا چہرہ سے نقش اٹھی اس کا رخ کلاس روم کی طرف تھا، ماہم کو معلوم تھا وہ ولید سے لڑنے جارہی تھی۔

''نقش رک جاؤ۔'' ماہم نے اسے کئی آوازیں دیں مگر وہ نہیں رکی اور چند لمحوں میں ہی نظروں سے اوجھل ہوگئی، ماہم ماڈل کے پاس آ بیٹھی جسے جوڑنا ناممکن تھا، اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ نقش نئے سرے سے محنت کرتی وگرنہ اس کا اسائمنٹ میں فیل ہونا پکا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد ہی نقش اسے آتی دکھائی دی اس کا چہرہ ستا ہوا تھا آتے ہی اس نے بینچ پر بیٹھ کر رونا شروع کردیا اور ماہم اسے روتا دیکھ کر بوکھلا گئی یہ پہلا موقع تھا جب اس نے نقش کو روتے دیکھا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ باہمت اور حوصلہ مند دکھائی دی تھی۔

''ولید نے یہ بہت برا کیا تھا کیا کہا اس نے؟'' ماہم نے پوچھا تو نقش نے نفی میں سر ہلا دیا، جانے اس کا مطلب کیا تھا؟ ولید نے کچھ نہیں کہا یا وہ ملا ہی نہیں۔

''مجھے گھر چھوڑ دو ماہم۔'' نقش نے آستین کو آنکھوں پر پھیرتے ہوئے کہا، جاتے ہوئے ماہم اپنے ماڈل کے ساتھ اس کا ٹوٹا ماڈل اٹھانے لگی تو نقش نے منع کردیا، ماہم کو معلوم تھا وہ ساری رات جاگ کر پھر سے اسے بنائے گی ہار ماننا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

آخری سمیسٹر تھا اور یونیورسٹی میں آج ''ولیج ڈے'' منایا جارہا تھا وہ لڑکیاں جو عام دنوں میں جینز شرٹس میں ملبوس ہوتی تھیں انہوں نے رنگ برنگ بھڑکیلے دیسی ملبوسات پہن رکھے تھے اور عام دنوں میں کرل کرکے گھنگھریالے کیے بال یا Straightner سے سیدھے کیے جانے والے بال سرخ، سبز اور سنہری پراندوں میں گندھے ہوئے تھے۔

اکثر نے آرٹیفشل سنہری زیورات پہن رکھے تھے تاکہ حقیقت سے قریب نظر آسکیں اور اس سے پہلے جو لڑکیاں بڑی نفاست سے میک اپ کرکے آتی تھیں انہوں نے چہرے کو کینوس کی طرح استعمال کیا تھا جس پر سرخ سبز اور نارنجی رنگ بکھرے ہوئے تھے، کچھ نے ڈھیلی ڈھالی شلوار قمیض پہنی تھیں، ہونٹ چنگھاڑتی لال سرخی سے سجے تھے، دوپٹے گلے میں رسی کی طرح پڑے تھے اور پراندے سب نے آگے ڈال رکھے تھے جنہیں وہ پنکھوں کی طرح جھلا رہی تھیں۔

لڑکوں میں سے سبھی نے دھوتی باندھ رکھی تھی اور لاچے پہنے ہوئے تھے اوپر سرخ سبز اور دیگر رنگ کے کرتوں کے ساتھ کندھے پر صافہ رکھ چھوڑا تھا کچھ لڑکے علاقائی لباس پہن کر آئے تھے، جس سے ''ولیج ڈے'' ثقافتی شو بن گیا تھا کلین شیو میں رہنے والے لڑکوں نے بھاری بھرکم مونچھیں چپکا رکھی تھیں اِدھر اُدھر وہ لڑکے بھی نظر آ جاتے تھے جنہوں کے ہاتھ یا کندھے پر حقہ درانتی موجود تھی، یونیورسٹی کے احاطے میں گاؤں

کی نشانی یعنی چارپائیاں موجود تھیں، اوپر نیچے رکھے ہوئے گھڑوں نے ماحول میں دیسی ٹچ کا اضافہ کر رکھا تھا۔

نقش نے پلین میرون رنگ کی شلوار قمیض زیب تن کر رکھی تھی جس کے گلے اور بازوؤں پر سنہری بٹن لگے ہوئے تھے آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر کپڑوں کے ہم رنگ لپ اسٹک سجائے، بالوں کو پراندے کی بجائے ایسے ہی چٹیا میں گوندھے ہوئے، وہ بہت منفرد اور پیاری لگ رہی تھی، ماہم نے سنہری کھلی کھلی شلوار کے ساتھ نیلی قمیض پہن رکھی تھی پراندہ اس کے بالوں میں بھی تھا۔

اس دن کی خصوصی کوریج کے لئے ایک لوکل ٹی وی چینل بھی یونیورسٹی میں آیا ہوا تھا اور ان کے نمائندے طلباء و طالبات سے اس دن کے متعلق مختلف سوالات کر رہے تھے اور اس عمل کو ٹیلی کاسٹ کیا جا رہا تھا۔

نقش نے دیکھا کہ ٹی وی چینل کا نمائندہ ہاتھ میں مائیک لئے ولید اور ڈیبی کے گروپ کی طرف لپکا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے کیمرہ مین بھی، سبز لاچہ اور آف وائٹ کرتا جس میں سنہری دھاریاں تھیں پہنے ہوئے مونچھیں اور آنکھوں میں ڈھیروں سرمہ لگائے وہ انتہائی مضحکہ خیز دکھائی دے رہا تھا۔

جدید انداز سے کٹے اس کے بال تیل میں لتھڑے ہوئے تھے یا شاید وہ ڈھیروں ڈھیر لگا ہوا جیل تھا جو دور سے تیل محسوس ہوتا تھا رہی سہی کسر پاؤں میں پہنے سنہری کھسے نے پوری کر دی تھی۔

ڈیبی کا حلیہ بھی ولید سا ہی تھا، نوروز نے ہاتھ میں درانتی پکڑ رکھی تھی اور ان کے گروپ کے فیاض نے کندھے پر صافہ ڈال رکھا تھا، ساتھ ہی کھڑی ولید کے گروپ کی لڑکیاں پراندہ جھلا جھلا کر پاگل ہوئی جا رہی تھیں۔

''آپ کے خیال میں آج کے دن کی کیا خاصیت ہے؟'' رپورٹر کی آواز نقش کے کانوں سے ٹکرائی تھی جس نے جواب کے لئے مائیک ولید کے آگے کر دیا تھا۔

''یہی کہ آج ہم سب پاکستان کے دیہات کی ثقافت کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔'' اس کا جواب مختصر آیا تھا۔

''تو آپ کو لگتا ہے کہ رنگین چمکیلے کپڑے پہن کر، بالوں میں تیل ڈالے مانگ نکالے اور گال پر مسہ چپکا کر آپ ثقافت کو پروموٹ کر رہے ہیں؟'' رپورٹر طنزیہ بولا۔

''آہو۔'' جواب ڈیبی نے دیا تھا اور اس کے آہو بولنے پر گروپ اپنے مخصوص انداز میں گلا پھاڑ کر ہنسا تھا۔

''ایسے ہی بولتے ہیں نا گاؤں والے، میں صبح سے ان کی نقل اتار رہا ہوں اور میرے دوستوں کا ہنس ہنس کر برا حال ہے، گاؤں کی ثقافت میں میری دلچسپی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ میں نے ان جیسا حلیہ بنا رکھا ہے اور میں ان کے لہجے کی کامیاب نقل کر رہا ہوں۔'' ڈیبی بولا۔

''اور آپ کا کیا خیال ہے؟'' رپورٹر باچھیں کھلا کر ولید کی طرف متوجہ ہوا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اس طرح کہ کپڑے پہنے دیکھ کر اور ان کی طرح باتیں کرتے دیکھ کر یونیورسٹی کا ملازم طبقہ خوش ہو رہا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم ان کی داد و تحسین پیش کر رہے ہیں۔'' ولید نے جواب دیا۔

''یہ سراسر جھوٹ بول رہا ہے اسے داد و تحسین کرنا نہیں مذاق اڑانا کہتے ہیں۔'' نقش،

ماہم سے بولی۔
''جو بھی ہے اس کا اعتماد دیکھو۔'' ماہم ازلی طور پر ولید کے متاثرین میں شامل تھی۔
''آپ کو نہیں لگتا کہ اس طرح کا حلیہ بنانا اور ایسے بات کرنا ان کو غیر مہذب ثابت کرنے کا ایک انداز ہے؟'' رپورٹر نے ایک تیکھا سوال کر دیا تھا۔
''غیر مہذب۔'' ولید نے بے ڈھنگے انداز میں حلق سے بولتے ہوئے کہا تو سبھی ہنس پڑے۔
''فرض کر لو ہم ان کو غیر مہذب ثابت کرنے کی کوشش بھی کر رہیں ہیں تو یہ ذرا ڈھنگ کا حلیہ اپنا ئیں، اب میری فرینڈز کو دیکھ لیں، انہوں نے کوئی دو ڈھائی کلو میک اپ تھوپا، یہ لمبا کیا کہتے ہیں اسے (پیچھے سے آواز آئی پراندہ) ہاں ہاں پر...... آ...... ندہ ڈالا پھر جا کر ان جیسی لگ رہی ہیں، ان لوگوں کی ثقافت کو اہمیت دو تو مسئلہ، نہ دو تو مسئلہ، ہم یہاں کسی کی بے عزتی نہیں کر رہے ہم صرف وہ دکھا رہے ہیں جو حقیقت ہے، آپ خود سوچیں اس طبقے کا پاکستان کی ترقی میں کیا ہاتھ ہے، حلیے، انداز اور زبان ہر لحاظ سے یہ مس فٹ ہیں۔'' ولید کی بات پوری ہونے پر رپورٹر نے ابرو اچکائیں جبکہ نقش کو سن کر غصہ آ گیا، اردگرد کے طلباء بھی پوری طرح متوجہ ہو کر سننے لگے تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ رپورٹر یہاں اختتام کرتا اور کسی اور طرف رخ کرتا مگر اسے بھی شاید سننے میں مزہ آ رہا تھا۔
''کیا واقعی آپ انہیں اہمیت دے رہے ہیں؟ کیا آپ اس طبقے سے کسی کو جسے آپ جاہل کہتے ہیں؟ انہیں گلے سے لگا سکتے ہیں یا انہیں اپنے ساتھ گلوریا جینز لے جا سکتے ہیں؟''
''دیکھو یہ ایک قطعی مختلف معاملہ ہے ہم میں اور ان میں واضح فرق ہے۔'' ڈیمی نے جواب دیا تھا اور انداز دفاعی تھا۔
''کیا فرق ہے؟''
''ان کے پاس سے ایک عجیب سی سمیل آتی ہے۔'' اس بات کے بعد نقش کا جی چاہا تھا ولید اور ڈیمی دونوں کے سر پھاڑ دے دونوں پرلے درجے کے مغرور فضول انسان تھے۔
''یہ تو واضح طور پر امتیاز برتنا ہوا؟'' رپورٹر نے مزید کریدا۔
''یار امتیاز برتنا ہو گا تمہاری دنیا میں ادھر صرف Chill ہے، غیر ضروری طور پر حساس لوگ ہی اس پر اعتراض کر سکتے ہیں، میری مونچھوں اور مسے کو دیکھو اور میرے دوست کے ہاتھ میں پکڑے گنڈاسے کو کیا ایسا ہی نہیں دکھایا جاتا ہماری فلموں میں جب یہ ہدایت کار اور فنکار کہتے ہیں کہ ہم پنجابی فلموں میں ثقافت دکھا رہے ہیں تو سب یقین کر لیتے ہیں، جب ہم یہی کرتے ہیں تو اسے مذاق اڑانا کہتے ہیں۔'' ولید نے اس بات کے ساتھ رپورٹر نے ان کا شکریہ ادا کیا اور مزید سوالات کرنا بند کر دیے، کیمرہ آف ہوا تو جو پہلے تیکھے تیکھے سوالات کرنے میں مصروف تھا اسی گروپ سے خوش گپیوں میں لگ گیا۔
''ولید کی آخری بات پر تو میں مکمل طور پر متفق ہوں۔'' ماہم نقش سے بولی۔
''مگر میں نہیں ہوں، پنجابی مار دھاڑ والی فلموں میں بھی ثقافت کے نام جو کچھ دکھایا جاتا ہے صریح طور پر غلط ہے، کون سے گاؤں کی لڑکیاں پنگھٹ پر پانی بھرنے کے بہانے جا کر ناچے کرتے پہنتے ہوئے درختوں کے اردگرد ناچ ناچ کر فصلیں خراب کرتی ہیں اور تم نے اس کا انداز دیکھا وہ احساس برتری کا شکار ہے اور ہر بندے کو خود سے کمتر خیال کرتا ہے۔'' نقش کی

بات پر ماہم نے گہری سانس لی اور ارد گرد نظر دوڑائی شام کے اندھیرے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔

''مجھے آج جلدی جانا ہے کہو تو تمہیں بھی ڈراپ کر دوں۔'' ماہم نے اسے آفر کی۔

''نہیں مجھے ایک گھنٹے تک دادا جان لینے آجائیں گے۔'' ماہم نے سر ہلا دیا اور خدا حافظ کہہ کر چلی گئی اس کے جانے کے بعد نقش لاؤنج میں آ گئی، پندرہ بیس منٹ گزار کر وہ باہر نکلی تو شام ڈھل چکی تھی رات کو کسی پنجابی فنکار نے پرفارمنس دینی تھی لہٰذا طلباء کا رش اسی طرح تھا، قریباً خالی بوریڈور سے گزرتے ہوئے اسے کسی کی آواز سنائی دی وہ مڑی، اس سے چند قدم کے فاصلے پر ولید کھڑا تھا، ہمیشہ اس کے ہونٹوں پر کھیلنے والی مذاق اڑاتی کچھ طنزیہ مسکراہٹ اس وقت غائب تھی۔

''مجھے تم سے بات کرنی تھی؟'' وہ واضح طور پر ہچکچا رہا تھا جبکہ نقش کو حیرت ہوئی، ولید ہاشم کچھ بدلا بدلا محسوس نہیں ہو رہا تھا آخر کیا بات کرنی تھی اسے، ولید کی بات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر قبل رپورٹر سے ہونے والی گفتگو اس کے دماغ میں گھوم رہی تھی اور جو ماڈل اس نے توڑا تھا وہ ابھی تک نقش کو بھولا نہیں تھا۔

''بولو۔'' بادل نخواستہ اس نے بات سننے کا فیصلہ کر لیا، جواباً ولید نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر رک گیا، ایسا کیا تھا جسے کہنے میں ولید سا پر اعتماد بے جھجک انسان ہچکچا رہا تھا، کہیں یہ کوئی ڈرامہ تو نہیں تھا وہ پھر اسے اپنے مذاق کا نشانہ تو نہیں بنانے والا تھا؟ یہ بدلا بدلا سا انداز اداکاری ہی ہو سکتی تھی، نقش کو نئے سرے سے غصہ آنے لگا ان کے تعلیمی سلسلہ اختتام کو پہنچ گیا تھا مگر ولید کی حرکتیں نہیں بدلی تھیں، اتنے برس تک اس کا مذاق

اڑا اڑا کر اس کا دل نہیں بھرا تھا۔

''مجھ سے فرینڈ شپ کرو گی؟'' ولید کے لبوں سے الفاظ نکلے اور بولتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات ایسے ہو گئے جیسے کہہ کر پچھتا رہا ہو، دوسری جانب سن کر نقش کا جی چاہا وہ زور کا قہقہہ لگائے، پچھلے چار برسوں اسے جی بھر کر تنگ کرنے کے بعد اسے ہمیشہ نیچا دکھانے کے بعد اب جبکہ وہ پاس آؤٹ ہونے والی تھی تو وہ اسے دوستی کی آفر کر رہا تھا اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا تھا، یقیناً کسی کے ساتھ اس نے شرط لگائی ہو گی کہ وہ نقش حیات کے ساتھ دوستی کر کے دکھا سکتا ہے جو اس سے دور بھاگتی تھی، آج پچھلے چار سال کا بدلہ لینے کا وقت تھا۔

''تم سے دوستی تو دور کی بات میں تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی، مجھے تمہیں دیکھنا بھی پسند نہیں اور تمہاری موجودگی سے مجھے سخت الجھن ہوتی ہے۔'' نقش کے ان زہر میں ڈوبے الفاظ کے ساتھ ہی سامنے موجود سیاہ آنکھوں کی چمک بجھ گئی، لیکن نقش نے انہی الفاظ پر اکتفا نہ کیا تھا۔

''تم جیسے غیر مہذب، مغرور اور خود پسند انسان کی دوست ہونے سے بہتر ہے میں کسی دیوار سے دوستی کر لوں۔'' ولید نے اپنی نگاہیں نقش کے چہرے سے ہٹا لیں اس کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی تھی طنزیہ یا تمسخرانہ نہیں، نقش کے دل کو کچھ ہوا شاید اس نے غلط کہہ دیا تھا۔

ایک گہری نگاہ اس پر ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا گھر آ کر بھی نقش کو خود پر ایک عجیب سا بوجھ لدا ہوا محسوس ہوا اور ایسے لگتا کہ آج اس کا ولید سے کہا جانے والا ہر لفظ غیر ضروری اور فضول تھا وہ اسے آرام سے منع کر دیتی، اتنا ہی کافی ہوتا۔

اگلے روز ولید ہاشم ہمیشہ کی طرح خوش

باش تر و تازہ نظر آیا وہی لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمکتے شوخ جذبے، پھر سمسٹر ختم ہونے تک وہ دوبارہ نقش کے قریب تک نہ پھٹکا جیسے مکمل طور پر اسے نظر انداز کر رہا ہو، اب اسے کوئی Snnaggle tooth کہہ کر نہیں چھیڑتا تھا نہ کوئی اس کا ماڈل توڑتا، جہاں اسے سکون محسوس ہوتا وہاں ایک خالی پن کا سا احساس بھی، یونیورسٹی میں اپنے آخری سمیسٹر کے آخری دن اس کی نظروں نے ولید کو ڈھونڈا تھا مگر وہ اسے کہیں دکھائی نہ دیا، نقش ایک عجیب سا بوجھ دل پر لیے گھر لوٹ آئی۔

نقش پہلے جہاں انٹرن شپ کر رہی تھی وہاں اسے جاب مل گئی، ولید آنرز کے بعد ایم فل کر رہا تھا لہٰذا یونیورسٹی میں ہی تھا اور ایک روز ماہم کے ذریعے سے ہی اسے خبر ملی تھی کہ ولید کی ایک بے حد خوبصورت لڑکی سے منگنی ہوگئی تھی، یہ آخری مرتبہ تھا جب اس نے ولید کے متعلق کوئی خبر سنی تھی۔

وہ میرا خیال تھی سو وہ تھی
میں اس کا خیال تھا سو میں تھا
اب دونوں خیال مر چکے ہیں

☆☆☆

جاب نے اسے بے حد مصروف کر دیا تھا، پہلے پہل اس نے اپنے سینئرز کے ساتھ مل کر پراجیکٹس کیے اور پھر چھوٹے چھوٹے پراجیکٹ اکیلے ہینڈل کرنا شروع کر دیے۔

اس نے بریسز لگوائے تو دادا جان اور دادی جان دونوں بہت خوش ہوئے آنے والے سالوں میں اس نے ماڈل ٹاؤن میں موجود اپنے گھر کا نقشہ ہی بدل ڈالا، انٹریئر، ایکسٹریئر اور فرنیچر سب کچھ بدل گیا تھا اور پہلے کی نسبت کئی گنا بہتر ہو گیا تھا۔

دانت اس کے ہموار ہو گئے تھے، سیلون جا کر اس نے بال کٹوائے آئی بروز بنوائی پہلے سے بہتر ملبوسات پہننے لگی تو شخصیت کو چار چاند لگ گئے، معاشی مسائل رہے نہیں تھے، اس کی سیلری اچھی خاصی تھی گھر کے خرچ کے بعد بھی خاصے پیسے بچ جاتے جو بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوتے رہتے، تعلیمی سلسلے کے ختم ہونے کے دو سال بعد ماہم کی شادی ہوگئی اور وہ اپنی دنیا میں مصروف ہو گئی، تیسرے سال دادا جان کی وفات کی صورت میں اسے بہت بڑا دھچکا لگا، وہ اور دادی جان جیسے ٹوٹ کر رہ گئے تھے، وہ ایک سایہ دار شجر کی مانند تھے جس کے ختم ہونے کے بعد دونوں بے اماں ہوگئی تھیں۔

نقش کے ماں باپ کی حادثاتی موت کے بعد انہوں نے محبت شفقت میں کسی قسم کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی، پہلے کالج و یونیورسٹی میں تھی تو سارے دن کی روداد آ کر بتایا کرتی تھی پھر جاب شروع ہوئی تو کام سے متعلق چیلنجز ڈسکس کرنے لگی وہ نہ صرف اس کی بات سنتے بلکہ مشوروں سے بھی نوازتے مگر اب یہ سب ختم ہو چکا تھا، تحفظ کا جو احساس پہلے تھا وہ اب مٹ چکا تھا۔

گاؤں میں رہنے والے رشتہ داروں نے انہیں گاؤں لے جانے کی آفر کی تھی مگر نقش نے انکار کر دیا تھا، وہ جاب کر رہی تھی معاشی طور پر مضبوط تھی تو کسی پر بوجھ کیوں بنتی، دادا جان کے بعد اسے دادی کا خیال رکھنا تھا اور اسے اپنی اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا، ویسے بھی ساری زندگی یہاں رہ کر گاؤں جا کر رہنا ایک ناممکن سی بات تھی۔

نقش دادی کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھتی تھی جاب کے علاوہ جتنا ہو سکتا وقت ان کے

ساتھ گزارتی تاکہ انہیں تنہائی محسوس نہ ہو، دوسری جانب دادی کی خواہش تھی کہ جلد از جلد نقش کو پیا دیس بھیج دیں اور خود ابدی دیس سدھار جائیں، اس کے لئے انہوں نے نا صرف آس پڑوس میں تعلقات بڑھائے بلکہ کئی رشتہ کرانے والی عورتوں کا بھی گھر میں آنا جانا شروع ہو گیا لیکن نقش نے ہر رشتے سے انکار کرتے ہوئے دادی کے ارادوں کو ملیامیٹ کر دیا ایک دن وہ بول اٹھی۔

''آپ کو پتہ ہے آپ میرے محنت سے کمائے گئے پیسے ان فضول اور لالچی رشتہ کروانے والیوں پر خرچ کر رہی ہیں۔'' دادی جان کو اس کی بات سے شدید صدمہ ہوا تھا، نقش کا مقصد انہیں صرف اس چیز سے باز رکھنا تھا جبکہ بات کوئی اور رخ اختیار کر گئی تھی، دادی کی خاموشی نے اسے احساس دلایا کہ وہ کچھ غلط بول گئی تھی اور اگلا پورا ہفتہ اس نے دادی سے معذرت کرنے میں گزارا تھا اور ہر مرتبہ دادی اس سے یہی کہتیں کہ وہ ناراض نہیں ہیں مگر ان کی خاموشی ویسے ہی برقرار رہی تھی۔

ان دنوں وہ یوں آہیں بھرتی تھیں جیسے اسی کی دہائی کا ہیرو ان کا دل توڑ کر دور جا بسا ہو، بس درد بھرے جذباتی گیت گانے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

حتی کہ ایک دن نقش کو تنگ آ کر یہ کہنا ہی پڑا کہ اگر وہ اس کے لئے رشتہ تلاش کرنا چاہتی ہیں تو کریں مگر پسند کرنا یا نہ کرنا اس کی مرضی ہے اور دادی وہ ایسے خوش ہوئی تھیں جیسے ان کا بچھڑا ہوا ہیرو واپس آ گیا ہو۔

شادی کی طرف نجانے کیوں نقش کا دل ہی مائل نہ ہوتا تھا، وہ صرف اور صرف اپنے کیریئر پر توجہ دینا چاہتی تھی اس کا مقصد اس لائن میں اپنا ایک اور نمایاں نام بنانا تھا۔

دادی کی تنہائی دور کرنے کے لئے اس نے ایک کل وقتی ملازمہ رکھ لی، رضوانہ شادی کے پانچ سال بعد بیوہ ہو گئی تھی ایک ڈھائی سالہ بچے فیضان کا ساتھ تھا میکے میں اس کا رہنا مشکل تو سسرال میں دوبھر ہو گیا تھا لہٰذا وہ دن رات ادھر ہی رہنے لگی۔

فیضان بڑا معصوم سا پیارا سا بچہ تھا، دادی اور نقش نے اسے ایک روز جا کر کپڑے دلوائے اب روز سویرے رضوانہ فیضان کو نہلا دھلا کر نیا سوٹ پہنا دیتی اور خود کام میں مصروف ہو جاتی جبکہ وہ دادی کے آس پاس کھیلتا رہتا، اس کی موجودگی سے وہ خاصی بہل گئیں تھیں وہ بھی دادی سے خاصا مانوس ہو گیا تھا۔

ایک روز وہ جاب سے لوٹی اور دادی کے پاس بیٹھی تھی جب دادی نے کن اکھیوں سے اسے دیکھتے اور مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''کاش ہمارے گھر میں بھی رضوانہ جیسا بچہ ہوتا۔'' نقش ان کا مقصد خوب سمجھتی تھی تبھی شرارت سے بولی۔

''دادا جان ہوتے تو ممکن بھی تھا دادی مگر اب تو آپ کے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' جواباً دادی نے اس کی کمر میں وہ دھپ لگائی تھی کہ اگلا پورا دن درد ہوتا رہا تھا۔

☆☆☆

بہاریں گرمیوں میں اور خزائیں سردیوں میں تبدیل ہونے لگیں، اس کی سیلری میں مزید اضافہ ہوا تو دادا جان کی سوزوکی مہران بیچ کر اس نے کلٹس خرید لی، ویک اینڈ پر وہ کبھی مارکیٹ کبھی کسی پارک یا ریسٹورانٹ میں کھانا کھانے چلے جاتے، بڑی عام سی زندگی تھی کوئی ہنگامہ نہ ہلچل۔

اس کی جاب اسے پسند تھی کسی نے ٹھیک ہی

کہا ہے اگر آپ پیسہ کمانے کے لئے کام نہیں کرنا چاہتے تو اپنے مشغلے کو اپنا کام بنا لو، عمارتیں ڈیزائن کرنا پراجیکٹ پلان کرنا اس کا پسندیدہ کام تھا، یہ ایک ایسی چیز تھی جو اسے منفی سوچوں سے نجات دیتی تھی، لہٰذا اسے بھی اس کام سے بوریت یا اکتاہٹ محسوس نہ ہوئی۔

☆☆☆

پیرا ڈائیز آرکیٹکٹس بذات خود آرکیٹکچر کا نمونہ تھی، فرم نے اپنے سینئر ایمپلائز کو یہ سہولت دے رکھی تھی کہ وہ فرم کے خرچے پر اپنے کمرے کو ڈیکوریٹ کر سکتے تھے، چونکہ اس کی پچھلے برس ہی پرموشن ہوئی تھی لہٰذا یہ سہولت اسے بھی حاصل تھی۔

اس کے آفس میں Aqua blue رنگ نمایاں تھا کیونکہ اسے ہمیشہ سے نسبتاً ہلکے اور ٹھنڈے رنگ اچھے لگتے تھے، فرم کا ماحول بہت پروفیشنل اور آرام دہ تھا، جہاں کام کرنے والوں میں عورت اور مرد کی تخصیص نہ تھی اور نہ ہی کوئی جنسی امتیاز برتا جاتا تھا جس طرح کے مسائل کا سامنا عموماً لڑکیوں کو ملازمت کے دوران کرنا پڑتا ہے ویسا یہاں کچھ بھی نہ تھا اور اس کا سارا کریڈٹ سر اظفر زمان کو جاتا تھا جو انتہائی مہذب اور نفیس انسان تھے وہ اس فرم کے فاؤنڈر تھے۔

ایک عمدہ آرکیٹکٹ جنہوں نے کئی سرکاری، غیر سرکاری نجی اور کاروباری پراجیکٹ ہینڈل کیے تھے، ایک عاجز انسان ہونے کے ناطے وہ اپنے ماتحتوں کو کسی بھی طرح سے خود سے کمتر نہ سمجھتے تھے۔

ابھی کچھ دیر قبل انہوں نے انٹرکام پر نقش کو بلایا تھا اور اب وہ ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

''تمہیں خواہش تھی نہ کوئی بڑا پراجیکٹ اکیلے ہینڈل کرنے کی تو میں آج تمہیں یہ موقع فراہم کرنے جا رہا ہوں۔'' ان کے بولتے ہی نقش کا چہرہ کھل اٹھا۔

''سر میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔''

''مجھے بھروسہ ہے، مگر جو شخص ہماری فرم کی خدمات حاصل کر رہا ہے اسے مطمئن کرنا خاصا مشکل ہے، یہاں تمہیں اپنا آپ منوانے کا موقع ملے گا، یہ ولید ہاشم کا کارڈ ہے تم اس کی سیکرٹری سے کانٹیکٹ کر کے اپائنٹمنٹ فکس کر لو۔'' اظفر زمان نے کارڈ نقش کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نام کیا لیا ہے آپ نے؟'' نقش کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

''ولید ہاشم، ہاشم انڈسٹریز کا مالک۔''

نقش کی گرفت کارڈ پر سخت ہو گئی واپس کمرے میں آ کر اس نے دروازہ ٹھیک سے بند کیا اور کرسی پر آ بیٹھی مٹھی میں دبا کارڈ اپنے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

کریم رنگ کے کارڈ پر سیاہ ابھرے ہوئے حروف میں انگریزی میں ولید ہاشم سی ای او آف ہاشم گروپ آف انڈسٹریز درج تھا ساتھ کانٹیکٹ نمبرز درج تھے۔

چھ سال ہو گئے تھے اسے یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہوئے اور ان چھ سالوں میں اس نے ایک مرتبہ بھی اسے نہ دیکھا تھا ہاں البتہ جب جب دادی اس کی شادی کی بات چھیڑتیں وہ اسے یاد آ جاتا تھا گھٹنے سے ٹخنے تک پھٹی ہوئی نیلی ڈینم کی جینز سفید سیاہ گرے یا نیلی ٹی شرٹ میں ملبوس جیل سے اوٹ پٹانگ طریقے سے سنوارے کلائی میں پہنا بریسلٹ، اونچے ہینڈلز

والی بے تکی ہارلے بائیک پر کاندھے سے گٹار لٹکائے یا یونیورسٹی کی سیڑھیوں پر لڑکے لڑکیوں کا ہجوم اطراف میں لیئے۔

اب تو اس کی اس خوبصورت سی لڑکی سے شادی ہوگئی ہوگی شاید بچے بھی ہوں، کچھ بدلا ہو گا یا نہیں، وہ کیسے اس کا سامنا کرے گی، نقش کو اپنی اور ولید کی آخری ملاقات یاد آگئی جو ''ویلج ڈے'' پر کوریڈور میں ہوئی تھی۔

یونہی اس نے سامنے پڑے اپنے لیپ ٹاپ پر گوگل کھولا اور اس میں ہاشم انڈسٹریز کا ویب ایڈریس ڈالا، چند کلکس کے بعد میسج فرام سی ای او کا پیج نکل آیا تھا، ایک تصویر کے ساتھ ایک لمبی سی اسٹیٹمنٹ نکل آئی تھی، ایک ہنستے مسکراتے وجیہہ مرد کی تصویر جس نے سرمئی سوٹ پہن رکھا تھا سنہری گندمی رنگت سیاہ چمکتی آنکھیں اور مہذبانہ انداز میں سنورے بال، وہ ولید ہاشم پھٹی جینز اور بیگی پینٹس میں رہنے والا وہ بیس ایکس برس کا لڑکا خالص جینٹل مین اور بزنس پروفیشنل لگ رہا تھا وہ امارت اطمینان اور آسودگی کی مجسم صورت نظر آرہا تھا۔

تصویر پر نظریں ٹکائے وہ یونیورسٹی کی پرانی یادوں میں کھوگئی تھی کہ اچانک اسے تصویر میں ولید کی مسکراہٹ گہری ہوتی محسوس ہوئی اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا اور فوراً پیج کراس کر کے وہ پیچھے ہٹی۔

اور پھر اپنی بے وقوفی پہ ہی ہنس دی کہ وہ تو محض تصویر تھی، بزنس کارڈ اٹھا کر اس نے فون نمبر دیکھا اور پھر اپائنٹ منٹ لینے کے لئے نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆

سفید پینٹ کے ساتھ اس نے نیلی قمیص پہنی تھی جو گھٹنوں سے ذرا اوپر آتی تھی گلے میں سفید اور نیلا اسٹول پڑا تھا، پاؤں میں اس نے سفید جوتا پہن رکھا تھا، کنگھی کر کے اس نے بھورے بال کیچر میں سمیٹ لیئے تھے جو پیچھے سے کھلے تھے، اس کی رنگت قدرتی طور پر صاف تھی بھوری آنکھوں میں ہلکا سا کاجل اور ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک لگانے کے سوا اس نے کوئی میک اپ نہ کیا تھا بائیں کلائی میں اس کا سونے کا وہ ہلکا سا بریسلٹ تھا جو یونیورسٹی میں اس کی ڈگری کے چوتھے سال میں دادا جان نے اس کا GPA3.9 آنے پر اسے گفٹ کیا تھا، وہ اب بھی اسے پہنتی تھی۔

ایک دو دن پہلے اسے گمان تک نہ تھا کہ وہ چھ برس بعد اس کا سامنا کرنے جائے گی وہ بھی اس کے گھر پر، ولید کی سیکرٹری کے مطابق ان دنوں وہ زیادہ تر اپنے گھر سے معاملات ہینڈل کر رہا تھا لہٰذا اس کی آج کی اپائنٹمنٹ بھی وہیں تھی۔

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ مطلوبہ پتے پر پہنچ گئی تھی، آرکیٹیکٹ ہونے کے ناطے اس نے سب سے پہلے گھر کے آرکیٹیکچر پر ایک تنقیدی نظر ڈالی تھی اور بظاہر کوئی خامی نہ پا کر خاصی متاثر ہوئی تھی، پورچ میں جہاں اس نے گاڑی روکی وہاں پہلے سے ہی تین بڑی بڑی گاڑیاں موجود تھیں، ایک ہارلے بائیک کا شوقین لڑکا ان میں سے کون سی گاڑی چلاتا ہوگا وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔

سیاہ سوٹ میں ملبوس ایک چالیس بیالیس سالہ شخص جس نے اپنا تعارف عبدالرزاق کہہ کر کروایا تھا، نے اسے ریسو کیا اور گھر کی مین بلڈنگ سے متصل ایک نسبتاً چھوٹی عمارت کی طرف راہنمائی کرنے لگا جو آؤٹ ہاؤس کی طرز پر بنی ہوئی تھی اور جسے یقیناً وہ دفتر کے طور پر استعمال کرتا ہوگا۔

عبدالرزاق اسے ایک کمرے میں چھوڑ کر جاچکا تھا، یہاں کا پورا فرنیچر سفید رنگ کا تھا اور فرنیچر کے علاوہ کمرے کی ہر چیز حتیٰ کہ دیواریں بھی ہلکے سرمئی رنگ کی تھیں، صوفے پر بیٹھنے سے پہلے یونہی اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظر کونے میں رکھے "بونسائی" پر پڑی، اسے دیکھ کر نقش کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

وہ کتنے عرصے سے چاہ رہی تھی کہ ایک عدد "بونسائی" خرید سکے مگر اصلی اور نقلی بونسائی میں پہچان کرنا آسان بھی تو نہ تھا، نقلی بونسائی مہنگے داموں ملنے کے باوجود مرجھا جاتے تھے، کبھی کبھی وہ حضرت انسان کی تکنیک پر حیران ہوتی کہ وہ کیسے مسلسل کانٹ چھانٹ کرکے ایک درخت کو چھوٹے سے گملے تک محدود کردیتا ہے، وہ چند انچ کا درخت اگر آزادانہ اگے تو کئی میٹر کئی فٹ بلند اور کئی گنا چوڑا ہو، پھلدار پودوں کے بونسائی دیکھنے میں اور بھی خوبصورت لگتے ہیں، چند انچ لمبے پودے کے ساتھ لٹکتا سیب کتنا منفرد اور اچھا لگے گا۔

"گڈ آفٹرنون۔" کمرے میں کھانے پینے کی چیزوں کی ٹرالی دھکیل کر لاتے ملازم کی آواز نے اس کا ارتکاز ختم کیا وہ ہلکا سا مسکرا کر صوفے پر آبیٹھی اور تبھی اسے دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، لبوں پہ وہی مسکراہٹ سیاہ آنکھوں میں ویسی ہی چمک، اسے نجانے کس کے الفاظ یاد آگئے۔

"جب تم مسکراتے ہو چھوٹے خداؤں کے بت ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں میرا بدن ایندھن بن جاتا ہے اور فضا آگ کی صورت دہکنے لگتی ہے۔"

دل کی تال بدل گئی تھی وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھے جارہی تھی مگر جس چیز نے اسے یوں بت بنادیا تھا وہ ولید کی وہیل چیئر تھی جسے وہ دھکیلتے ہوئے اندر آرہا تھا۔

"السلام علیکم!" ولید کی بے حد سنجیدہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے اپنے تاثرات ٹھیک کرتے ہوئے جواب دیا، وہیل چیئر سے اس نے بغیر کسی کی مدد لیے خود کو صوفے پر منتقل کیا تو نقش کو پھر حیرانی ہوئی وہ ایسا کتنی آسانی سے کرلیا کرتا تھا اس نے جیسے وہ اس کا عادی ہو، اسے یوں دیکھ کر اسے بہت برا لگ رہا تھا اور وہ کئی سوالات پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ کیسے ہوا اور کب؟ مگر ڈھونڈنے سے بھی ولید کے چہرے پر وہ شناسائی کا کوئی تاثر نہ پاسکی تھی، وہ اتنی بدلی تو نہ تھی کہ وہ پہچان ہی نہ پاتا۔

"اظفر صاحب سے میری ذاتی جان پہچان ہے انہوں نے ملک کے چند بہترین پراجیکٹس گنے ہیں اور وہ آپ کی خاصی تعریف کررہے تھے۔" وہ بالکل عام سے انداز میں بول رہا تھا جیسے کسی پروفیشنل میٹنگ میں ہم ایسے شخص سے بات کررہے ہوتے ہیں جس سے ہم پہلی دفعہ ملے ہوں۔

اسے ولید کے بھول جانے پر دکھ سا ہوا تھا خیر یاد رکھتا بھی کیوں وہ کون سا اس کی زندگی کا اٹوٹ حصہ تھی وہ اپنی زندگی میں خوش تھا (وہیل چیئر) پر بیوی کے ساتھ مطمئن زندگی گزار رہا تھا، اتنا بڑا بزنس کامیابی سے چلارہا تھا اسے نقش حیات کو یاد رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

"آپ میری بات سن رہی ہیں نا؟" ولید نے اسے خیالوں میں گم دیکھا تو تصدیق کے لئے پوچھا، نجانے وہ کیا کہہ رہا تھا، ہاں پراجیکٹ، بلڈنگ، ڈیزائن اس کے متعلق بات ہورہی تھی۔

"ہوش میں آجاؤ کیا سمجھے گا کتنی ان پروفیشنل ہوں میں اگر وہ تمہیں نہیں پہچانتا تو تمہیں بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے خود

والی بے تکی بار لے بائیک پر کاندھے سے گٹار لٹکائے یا یونیورسٹی کی سیڑھیوں پر لڑکے لڑکیوں کا ہجوم اطراف میں لئے۔

اب تو اس کی اس خوبصورت سی لڑکی سے شادی ہوگئی ہوگی شاید بچے بھی ہوں، کچھ بدلا ہوگا یا نہیں، وہ کیسے اس کا سامنا کرے گی، نقش کو اپنی اور ولید کی آخری ملاقات یاد آ گئی جو ''ویج ڈے'' پر کوریڈور میں ہوئی تھی۔

یونہی اس نے سامنے پڑے اپنے لیپ ٹاپ پر گوگل کھولا اور اس میں ہاشم انڈسٹریز کا ویب ایڈریس ڈالا، چند کلکس کے بعد پیج فرام سی ای او کا پیج نکل آیا تھا، ایک تصویر کے ساتھ ایک لمبی سی اسٹیٹمنٹ نکل آئی تھی، ایک ہنستے مسکراتے وجیہہ مرد کی تصویر جس نے سرمئی سوٹ پہن رکھا تھا سنہری گندمی رنگت سیاہ چمکتی آنکھیں اور مہذبانہ انداز میں سنورے بال، وہ ولید ہاشم پھٹی جینز اور بیگی پینٹس میں رہنے والا وہ بیس ایکس برس کا لڑکا خالص جینٹل مین اور بزنس پروفیشنل لگ رہا تھا وہ امارت اطمینان اور آسودگی کی مجسم صورت نظر آرہا تھا۔

تصویر پر نظریں ٹکائے وہ یونیورسٹی کی پرانی یادوں میں کھوگئی تھی کہ اچانک اسے تصویر میں ولید کی مسکراہٹ گہری ہوتی محسوس ہوئی اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا اور فوراً پیج کراس کر کے وہ پیچھے ہٹی۔

اور پھر اپنی بے وقوفی پہ ہی ہنس دی کہ وہ تو محض تصویر تھی، بزنس کارڈ اٹھا کر اس نے فون نمبر دیکھا اور پھر اپائنٹ منٹ لینے کے لئے نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆

سفید پینٹ کے ساتھ اس نے نیلی قمیص پہنی تھی جو گھٹنوں سے ذرا اوپر آتی تھی گلے میں سفید اور نیلا اسٹول پڑا تھا، پاؤں میں اس نے سفید جوتا پہن رکھا تھا، کنگھی کر کے اس نے بھورے بال کیچر میں سمیٹ لئے تھے جو پیچھے سے کھلے تھے، اس کی رنگت قدرتی طور پر صاف تھی بھوری آنکھوں میں ہلکا سا کاجل اور ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک لگانے کے سوا اس نے کوئی میک اپ نہ کیا تھا بائیں کلائی میں اس کا سونے کا وہ ہلکا سا بریسلٹ تھا جو یونیورسٹی میں اس کی ڈگری کے چوتھے سال میں دادا جان نے اس کا GPA3.9 آنے پر اسے گفٹ کیا تھا، وہ اب بھی اسے پہنتی تھی۔

ایک دو دن پہلے اسے گمان تک نہ تھا کہ وہ چھ برس بعد اس کا سامنا کرنے جائے گی وہ بھی اس کے گھر پر، ولید کی سیکرٹری کے مطابق ان دنوں وہ زیادہ تر اپنے گھر سے معاملات ہینڈل کر رہا تھا لہٰذا اس کی آج کی اپائنٹمنٹ بھی وہیں تھی۔

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ مطلوبہ پتے پر پہنچ گئی تھی، آرکیٹیکٹ ہونے کے ناطے اس نے سب سے پہلے گھر کے آرکیٹیکچر پر ایک تنقیدی نظر ڈالی تھی اور بظاہر کوئی خامی نہ پا کر خاصی متاثر ہوئی تھی، پورچ میں جہاں اس نے گاڑی روکی وہاں پہلے سے ہی تین بڑی بڑی گاڑیاں موجود تھیں، ایک ہارلے بائیک کا شوقین لڑکا ان میں سے کون سی گاڑی چلاتا ہوگا وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔

سیاہ سوٹ میں ملبوس ایک چالیس بیالیس سالہ شخص جس نے اپنا تعارف عبدالرزاق کہہ کر کروایا تھا، نے اسے ریسو کیا اور گھر کی مین بلڈنگ سے متصل ایک نسبتاً چھوٹی عمارت کی طرف راہنمائی کرنے لگا جو آؤٹ ہاؤس کی طرز پر بنی ہوئی تھی اور جسے یقیناً وہ دفتر کے طور پر استعمال کرتا ہوگا۔

عبدالرزاق اسے ایک کمرے میں چھوڑ کر جا چکا تھا، یہاں کا پورا فرنیچر سفید رنگ کا تھا اور فرنیچر کے علاوہ کمرے کی ہر چیز حتیٰ کہ دیواریں بھی ہلکے سرمئی رنگ کی تھیں، صوفے پر بیٹھنے سے پہلے یونہی اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظر کونے میں رکھے "بونسائی" پر پڑی، اسے دیکھ کر نقش کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

وہ کتنے عرصے سے چاہ رہی تھی کہ ایک عدد "بونسائی" خرید سکے مگر اصلی اور نقلی بونسائی میں پہچان کرنا آسان بھی تو نہ تھا، نقلی بونسائی مہنگے داموں ملنے کے باوجود مرجھا جاتے تھے، کبھی کبھی وہ حضرت انسان کی تکنیک پر حیران ہوتی کہ وہ کیسے مسلسل کانٹ چھانٹ کر کے ایک درخت کو چھوٹے سے گملے تک محدود کر دیتا ہے، وہ چند انچ کا درخت اگر آزادانہ اگے تو کئی میٹر کئی فٹ بلند اور کئی گنا چوڑا ہو، پھلدار پودوں کے بونسائی دیکھنے میں اور بھی خوبصورت لگتے ہیں، چند انچ لمبے پودے کے ساتھ لٹکتا سیب کتنا منفرد اور اچھا لگے گا۔

"گڈ آفٹر نون۔" کمرے میں کھانے پینے کی چیزوں کی ٹرالی دھکیل کر لاتے ملازم کی آواز نے اس کا ارتکاز ختم کیا وہ ہلکا سا مسکرا کر صوفے پر آبیٹھی اور تبھی اسے دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، لبوں پہ وہی مسکراہٹ سیاہ آنکھوں میں ویسی ہی چمک، اسے نجانے کس کے الفاظ یاد آگئے۔

"جب تم مسکراتے ہو جھوٹے خداؤں کے بت ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں میرا بدن ایندھن بن جاتا ہے اور فضا آگ کی صورت دہکنے لگتی ہے۔"

دل کی تال بدل گئی تھی وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھے جا رہی تھی مگر جس چیز نے اسے یوں بت بنا دیا تھا وہ ولید کی وہیل چیئر تھی جسے وہ دھکیلتے ہوئے اندر آ رہا تھا۔

"السلام علیکم!" ولید کی بے حد سنجیدہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے اپنے تاثرات ٹھیک کرتے ہوئے جواب دیا، وہیل چیئر سے اس نے بغیر کسی کی مدد لیے خود کو صوفے پر منتقل کیا تو نقش کو پھر حیرانی ہوئی وہ ایسا کتنی آسانی سے کر لیا کرتا تھا اس نے جیسے وہ اس کا عادی ہو، اسے یوں دیکھ کر اسے بہت برا لگ رہا تھا اور وہ کئی سوالات پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ کیسے ہوا اور کب؟ مگر ڈھونڈنے سے بھی ولید کے چہرے پر وہ شناسائی کا کوئی تاثر نہ پا سکی تھی، وہ اتنی بدلی تو نہ تھی کہ وہ پہچان ہی نہ پاتا۔

"اظفر صاحب سے میری ذاتی جان پہچان ہے انہوں نے ملک کے چند بہترین پراجیکٹس کیے ہیں اور وہ آپ کی خاصی تعریف کر رہے تھے۔" وہ بالکل عام سے انداز میں بول رہا تھا جیسے کسی پروفیشنل میٹنگ میں ہم ایسے شخص سے بات کر رہے ہوتے ہیں جس سے ہم پہلی دفعہ ملے ہوں۔

اسے ولید کے بھول جانے پر دکھ سا ہوا تھا خیر یاد رکھتا بھی کیوں وہ کون سا اس کی زندگی کا اٹوٹ حصہ تھی وہ اپنی زندگی میں خوش تھا (وہیل چیئر) پر بیوی کے ساتھ مطمئن زندگی گزار رہا تھا، اتنا بڑا بزنس کامیابی سے چلا رہا تھا اسے نقش حیات کو یاد رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

"آپ میری بات سن رہی ہیں نا؟" ولید نے اسے خیالوں میں گم دیکھا تو تصدیق کے لئے پوچھا، نجانے وہ کیا کہہ رہا تھا، ہاں پراجیکٹ، بلڈنگ، ڈیزائن اس کے متعلق بات ہو رہی تھی۔

"ہوش میں آ جاؤ کیا سمجھے گا کتنی ان پروفیشنل ہوں میں اگر وہ تمہیں نہیں پہچانتا تو تمہیں بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے خود

کوڑپتا۔

''ڈیزائننگ سے پہلے مجھے سائٹ لوکیشن کا وزٹ کرنا پڑے گا۔'' وہ بالآخر بولی۔

''ساری تفصیلات آپ کو مل جائیں گی، اسود رضا اس پراجیکٹ کو ہینڈل کر رہے ہیں وہ آپ کو لوکیشن وزٹ کرا دیں گے لیکن ایک بات میں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔'' ولید کے سرد لہجے کی ٹھنڈک اسے اپنے وجود میں سرائیت کرتی ہوئی محسوس ہوئی، نقش نے اس کا اب تک اس کا طنزیہ مذاق اڑاتا لہجہ محسوس کیا تھا، حتیٰ کہ ''ویلج ڈے'' پر وہ اس کی ذات کے ایک الگ اور نرم پہلو سے بھی آگاہ ہوئی تھی مگر یہ پہاڑوں ساسخت گلیشیر سا سرد اور حاکمانہ انداز وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی، مگر وہ بھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے سخت لہجے کا وہ کوئی اثر قبول کر رہی تھی لہٰذا بغیر کچھ کہے سنجیدگی سے اس کی بات کے پورا ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

''میں نے پیراڈائز انٹرپرائز کو اس لئے ہائر کیا ہے کہ ان کی مارکیٹ میں ایک ساکھ ہے اور میں اس کے پراجیکٹس سے کافی متاثر ہوا ہوں ورنہ میں کسی فری لانس آرکیٹیکٹ کو ہائر کرتا تو شاید میرے لئے زیادہ بہتر رہتا۔'' نقش سمجھ نہ سکی کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

''آپ کو اپنی بہترین صلاحیتوں اور سمجھ بوجھ کو استعمال کرنا ہوگا ویسے بھی میں کاہل اور غیر موزوں لوگوں کو سخت ناپسند کرتا ہوں، خاص طور پر Snnaggle tooth تو مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' فقرے کے اختتام پر ولید کے چہرے پر بے حد گہری مسکراہٹ آ گئی تھی اور نقش ہکا بکا رہ گئی تھی، تو وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا اور اب تک سارا ڈرامہ کر رہا تھا، اس کا جی چاہا مکا مار کر ولید کے دانت توڑ دے۔

''ذرا اپنا چہرہ دیکھو اور پلیز منہ بند کر لو ویسے تو یہاں مکھیاں ہیں نہیں مگر کیا پتہ کوئی بھولے بھٹکے آ نکلے۔'' ولید اس کے سامنے بیٹھا دانت نکال رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے کیسے سوچ لیا کہ وہ بدل گیا وہ پہلے جیسا Sarcastic douchebag تھا۔

''ناٹ فنی۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولی پہلے وہ اس کے نہ پہچاننے پر جھنجلا رہی تھی اور اب پہچان لینے پر۔

''تم بالکل نہیں بدلے ہو۔''

''اچھا مگر کچھ لوگوں کا خیال اس کے بالکل الٹ ہے۔'' وہ اپنی وہیل چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، نقش کو تکلیف سی ہوئی۔

''تمہیں معلوم ہے میرا کہنے کا کیا مطلب ہے، جانتا ہوں مگر یہ کیا تمہارے دانت تو بالکل ہموار ہو گئے کیا جادو کیا نقش۔''

''ہاہاہا بریسز لگوائے۔'' وہ مصنوعی انداز میں ہنسی، وقت جیسے پیچھے چلا گیا تھا اور وہ دونوں دو میچور لوگوں کی بجائے یونیورسٹی ٹین ایجرز کی طرح بات کر رہے تھے۔

''کب؟'' ولید نے ایسے پوچھا تھا جیسے اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہی ہو۔

''چار سال پہلے یونیورسٹی سے نکلنے کے کچھ عرصہ بعد۔''

''اوہ ہماری ملاقات نہیں ہوئی ورنہ میں تمہیں Metal tooth ضرور کہتا۔'' وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔

''تم انتہائی فضول انسان ہو؟''

''شکریہ مجھے پچھلے پانچ چھ سال میں کسی نے یہ یاد نہیں کروایا۔'' وہ محظوظ ہوا۔

تبھی بیرونی دروازے سے آف وائٹ اور سیاہ ساڑھی میں ملبوس ایک پچاس پچپن برس کی

خاتون نمودار ہوئیں بال Chigon کی صورت میں بندھے تھے ہلکے میک اپ نے انہیں اور بھی خوبصورت بنا رکھا تھا کانوں میں ٹاپس کے سوا جسم پر کوئی جیولری نہیں تھی دراز قامت اور ان کے نقوش ولید سے کافی ملتے تھے وہ یقیناً اس کی والدہ تھیں۔

''ہیلو مام مجھے معلوم ہے میں نے آج لنچ نہیں کیا اور بریک فاسٹ میں بھی بس ایک جوس لیا تھا اور یہ کہ مجھے اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ صحت سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں ہے اور جان ہے تو جہان ہے، لیکن آپ پہلے اس سے ملیے یہ میری یونیورسٹی کی بہت اچھی دوست ہے بس بیسٹ فرینڈ بنتے بنتے رہ گئی، نقش حیات یہ میری ماما جان ہیں۔'' آج اسے اندازہ ہوا تھا کہ دوسروں کو تنگ کرنا ولید ہاشم کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور اس کی ماما بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھیں۔

''ہیلو۔'' وہ کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے ان سے ہاتھ ملانے لگی مگر انہوں نے نقش کو اپنے ساتھ لگا لیا، ان کی گرمجوشی نے نقش کو حیران کیا تھا۔

''مام یہ ہمارے مال کی بلڈنگ ڈیزائن کرنے والی ہے۔'' ولید نے بتایا تو مسز زہرا ہاشم کے چہرے پر خوشی کے تاثرات آگئے۔

''اوہ یہ تو بہت اچھی بات ہے، اس کا مطلب ہے ملاقات ہوتی رہے گی۔'' زہرا ہاشم کی بات پر ولید کے تاثرات یکا یک ہی سنجیدہ ہو گئے تھے مگر کچھ بولا نہیں، نقش نے فوراً یہ تبدیلی محسوس کر لی تھی کیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ نقش اس کی فیملی سے ملے؟ مگر کیوں؟

''ولید تم نقش کو کسی روز ڈنر پر انوائٹ کیوں نہیں کرتے، کیا خیال ہے نقش؟''

''جی ضرور۔'' ان کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گئی مگر پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

''میں چلتی ہوں پھر ملاقات ہو گی۔'' وہ جس طرح ہوا کے معطر جھونکے کی طرح داخل ہوئیں تھیں ویسے ہی باہر چلی گئیں۔

''تم ان کی بات کا مائنڈ نہیں کرنا انہیں نہیں معلوم کہ تم میرے ساتھ ڈنر کرنا تو دور کی بات مجھے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں۔'' نقش کو معلوم تھا اس بات کا تعلق ماضی کے کسی واقعے سے ہے، کیا وہ اسے جتا رہا تھا۔

''ولید میں نے کئی مرتبہ کوشش کی تھی کہ میں تم سے اپنی بدتمیزی کی معذرت کر سکوں مگر تم اچانک اتنے..... بس مجھے یہ ناممکن نظر آیا۔'' وہ وضاحت نہ کر پائی۔

''تمہیں مجھے ناپسند کرنے کے لئے معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ رسانیت سے گویا ہوا جبکہ نقش کا جی چاہا وہ پھٹ پڑے۔

''میں تمہیں ناپسند نہیں کرتی، اوکے ایک وقت تھا جب میں تمہیں ناپسند کرتی تھی مگر کیا یہ ضروری ہے کہ میں ساری زندگی امیچور ٹین ایجر کی طرح گزار دوں۔''

''چھوڑو اس بات کو تم چائے پیو گی میں منگواتا ہوں۔'' ولید نے انٹرکام پر چائے لانے کو بولا پہلے والی تو کپ میں پڑی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

''تمہاری دوست کہاں ہوتی ہے؟'' دو گھنٹے مزید پراجیکٹ ڈسکشن کرنے کے بعد اس نے اچانک پوچھا۔

''اس کی شادی ہو گئی لاہور میں ہی رہتی ہے وہ۔'' ماہم کے ذکر پر نقش کے لبوں پہ ہلکا سا تبسم آگیا، کافی دنوں سے اس سے فون پہ بھی بات نہ ہو پائی تھی۔

''اور تم نے نہیں کی شادی؟'' یہ انتہائی غیر متوقع سوال تھا۔

''نہیں، اور تمہارے بیوی بچے؟'' اس کے سوال کے جواب میں ولید ہنس دیا بھلا اس میں ہنسنے والی کیا بات تھی۔
''میں نے شادی نہیں کی۔'' اوہ تو کیا اس کی منگنی ختم ہوگئی تھی۔
''اور تم مزید نہیں پوچھو گی کہ میرا حادثہ کیسے ہوا؟ میں وہیل چیئر پر کیسے آن پہنچا؟ مجھے کیسا محسوس ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔'' وہ اتنے آرام سے بول رہا تھا جیسے اپنی بجائے کسی اور کے متعلق بات کررہا ہو۔
نقش نے ایک نظر سامنے بیٹھے وجود کو دیکھا جو صوفے پر بیٹھا مکمل طور پر صحت مند دکھائی دے رہا تھا جسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کی ٹانگیں مفلوج تھیں گرے رنگ کی ڈیزائنر شرٹ سیاہ پینٹ پہنے وہ اب بھی دنیا کا حسین ترین مرد تھا اس کے سلیقے سے سنورے بال بکھرے سے بھی ہوتے تو بھی اس کی جاذبیت میں کوئی فرق نہ آتا۔
''نہیں۔'' اس سے نظریں ہٹا کر وہ بولی۔
''کیوں؟''
''جاننا ضروری ہے کیا؟''
''شاید۔'' اس نے کندھے اچکائے۔
''سب ہی پوچھتے ہیں۔''
''شاید میں ان سب میں شامل نہیں ہوں۔'' وہ بولی تو ولید محظوظ ہونے کے سے انداز میں ہنس دیا۔
''یہ کہہ کر تم انسان کی بنیادی فطرت کی نفی کررہی ہو، انسان میں سب کچھ جان لینے کا تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔''
''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''
''تمہیں کیا لگتا ہے نقش پہلے تو تم مجھ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی اختلاف رائے رکھتی تھی۔''
''میں نہیں پوچھنا چاہتی کیونکہ تمہیں برا لگتا ہوگا۔'' بالآخر اس نے ہتھیار ڈالے۔
''اس حادثے کو ساڑھے چار برس بیت گئے ہیں نقش حیات اور اب میں برا لگنے کی اسٹیج سے گزر چکا ہوں تمہیں آنے میں تھوڑی سی دیر ہوگئی۔'' کیا یہ کوئی شکوہ تھا؟ وہ نظریں چرانے لگی۔
''کیا تم مزید چائے لوگی؟'' ولید نے موضوع ایک مرتبہ پھر بدلا تھا اور دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

☆☆☆

نقش نے دن رات ایک کردیئے تھے وہ سر اظفر زمان کی توقعات پر پورا اترنا چاہتی تھی، ولید کے پراجیکٹ منیجر کے ساتھ جاکر اس نے لوکیشن بھی وزٹ کی تھی اور دیگر معلومات بھی لی تھیں، کئی پلان اور ڈیزائن منسوخ کرنے کے بعد اس نے بالآخر ایک ڈیزائن مرتب کر ہی لیا۔
اس روز ہونے والی ملاقات کے بعد جب گھر آکر اس نے دادی جان کو ولید کی معذوری کے متعلق بتایا تو وہ فوراً بولی تھیں۔
''وہ تو بڑا سوہنا تھا نا؟''
''آپ نے کہاں دیکھ لیا ہے؟''
''تمہاری سہیلی ماہم نے تصویر دکھائی تھی موبائل پہ۔''
''اس ماہم کی بچی کو تو وہ بعد میں پوچھے گی پتہ نہیں اور کیا کیا دکھایا اور بتایا ہوگا؟''
''سوہنے لوگوں کے ساتھ حادثے نہیں ہوتے کیا دادی؟''
''کیا دیکھنے میں اب بھی ویسا ہی سوہنا لگتا ہے؟'' یہ دادی کدھر جارہی تھیں نقش نے انہیں گھورا۔
''ہاں شاید تب سے زیادہ بہتر لگتا ہے۔''

اس نے ایمانداری سے جواب دیا۔
''تمہیں اچھا لگتا ہے؟'' دادی نے عینک کے پیچھے سے گھورتے ہوئے پوچھا، اسے لگ رہا تھا بات یہ رخ اختیار کرنے والی ہے اچھا لگنے سے ان کی جو مراد تھی وہ اچھی طرح جانتی تھی۔
''ہاں نا دادی جان! وہ بہت اچھا ہے اور میں سوچ رہی تھی کہ دادا جان کی وفات کے بعد آپ بہت تنہا محسوس کرتی ہوں گی ویسے بھی ولید کے ساتھ آپ کی جوڑی خوب سجے گی۔'' دادی نے سنتے ہی اپنا ہاتھ زور سے اس کی کمر میں دے مارا اور اسے معلوم تھا کہ اس کا درد اگلے دو تین دن تک اسے محسوس ہوتا رہے گا۔

☆☆☆

آج وہ اپنا لیپ ٹاپ لے کر ولید کے آفس چلی آئی تھی جو کہ ہاشم انٹر پرائزز کے گراؤنڈ فلور پہ تھا، وہ عمارت جدید انداز میں بنی تھی اور بڑے اچھے طریقے سے مین ٹین رکھی گئی تھی صاف اتنی جیسے کسی سائنسدان کی لیبارٹری ہو جراثیم سے پاک، لش پش ٹائلز، قیمتی فرنیچر، گلاس ڈورز سیکورٹی کیمرے وغیرہ وغیرہ۔
اس کی شناخت کی اور ولید کے ساتھ اس کی اپائنٹ منٹ کی تصدیق کے بعد اسے میٹل ڈیٹیکٹرز سے گزار کر اندر داخل ہونے دیا گیا تھا، ولید کا کمرہ اس کی توقع سے زیادہ بڑا تھا۔
''کافی سخت سیکورٹی ہے یہاں کی۔'' اندر داخل ہونے کے بعد اس نے تبصرہ کیا۔
''ہاں یونیورسٹی کی طرح یہاں بھی مجھے زیادہ لوگ پسند نہیں کرتے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا اور نقش گہری سانس لے کر رہ گئی۔
''کیا یہ طنز تھا مسٹر ولید ہاشم؟''
''نہیں یہ حقیقت ہے مس نقش حیات۔'' وہ نیم سنجیدگی سے بولا اور انٹر کام پر چائے لانے کو بولنے لگا۔
بغیر وقت ضائع کیے وہ لیپ ٹاپ کھول کر سافٹ ویئر پر بنائے جانے والے بلڈنگ پلان کی تفصیلات اور باریکیوں سے متعلق بریفنگ دینے لگی، درمیان میں وہ سوالات کرتا جا رہا تھا، فائر ایگزٹس وینٹی لیشن ہر چیز مکمل تھی اور بریفنگ کے اختتام تک وہ خاصا مطمئن لگ رہا تھا۔
پچھلی ملاقات پر ولید نے اسے بتایا تھا کہ وہ ایسی عمارت بنوانا چاہتا ہے جو تنگ اور گھٹن زدہ نہ ہو اور ڈیزائن ایسا ہو کہ ایمرجنسی کی حالت میں لوگوں کو نکاس آسانی سے ہو سکے اور یہ ڈیزائن ان ساری شرائط پر پورا اترتا تھا۔
''ویل ڈن تو کل اسوہ اور اس کی ٹیم کے ساتھ میٹنگ رکھ لو میری طرف سے تو یہ ڈن ہے۔''
''تھینک یو۔'' تبھی فون کی گھنٹی بجی تو ولید دوسری جانب کسی سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا اور نقش اس کا جائزہ لینے میں، کیمل کلر کی شرٹ میں اس کی رنگت گندم کے خوشوں کی طرح سنہری اور کھلی کھلی محسوس ہو رہی تھی، آفس ٹیبل کے پیچھے کرسی پر بیٹھے ہوئے کوئی کوئی اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے وہیل چیئر کا استعمال کرنا پڑتا ہو گا۔
''دو افراد کے لئے۔'' ولید کی فون پر کسی سے کہی گئی بات نے اسے چونکا دیا۔
''کیا دو افراد کے لئے؟''
''ایک بہت اچھا چائنیز ریسٹوران کھلا ہے امید ہے تمہیں کھانا پسند آئے گا۔''
''اس کی ضرورت نہیں تھی میں گھر جا کر لنچ کر لیتی اور تمہیں کیسے پتہ کہ مجھے چائنیز پسند ہے۔''
''ایسے ہی ایک دفعہ تم نے کلاس میں ذکر کیا

تھا۔" اور نقش کو چاہ کر بھی یاد نہ آسکا کہ اس نے کلاس میں اس چیز کا ذکر کب کیا تھا۔

"یونیورسٹی کے دنوں میں لگتا ہے میں نے تمہیں کچھ زیادہ ہی خوفزدہ کر دیا تھا، فکر مت کرو کھانے میں زہر نہیں ملا ہوگا۔" وہ شرمندہ ہوگئی۔

"میں نے ایسا کب کہا۔"

"ان دنوں تمہارے چہرے پر مجھے دیکھ کر ایسے تاثرات آجاتے تھے جیسے لڑکیوں کے کاکروچ دیکھ کر آتے ہیں "خوف" اور "Digust" کلاس میں جب بھی کسی موضوع پر ڈسکشن ہوتی تو تم مجھ سے ایسے اختلاف کرتی تھیں جیسے ایسا کرنا تم پر فرض ہو۔" وہ لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔

"ایسی بات نہیں تھی بلکہ تم ہمیشہ غلط چیز کا دفاع کرتے تھے اور اتنے شدومد سے جیسے تمہارا اس سے ذاتی تعلق ہو۔"

"شاید ایسا ہی ہو یا پھر شاید میں صرف تمہاری اختلافی بحث سننے کی خاطر کرتا تھا۔" وہ ایسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا، اس کی سیاہ آنکھوں سے تو وہ پہلے بھی گھبراتی تھی، دروازے پر ناک ہوئی تھی، ملازم ٹرالی لے کر اندر آرہا تھا۔

"چلو کھانا کھالیں۔" ولید نے بولا تو اس کے سینے میں اٹکی سانس خارج ہوئی۔

☆☆☆

اگلے دن ہونے والی میٹنگ میں ڈیزائن اپروو کر دیا گیا تھا ضروری کاروائیوں کے بعد عمارت کی تعمیر بھی شروع ہوگئی تھی، لیکن نقش کا کام ابھی کہاں ختم ہوا تھا، آرکیٹیکٹ کا کام بلڈنگ کا ڈیزائن مرتب کر دینے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اسے کنسٹرکشن کے دوران اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوتا ہے کہ تعمیر ڈیزائن کے مطابق ہو رہی ہے یا نہیں دوسرے لفظوں میں آرکیٹیکٹ ہی کلائنٹس اور بلڈرز کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کا سائٹ پر آنا جانا لگا رہتا تھا، ولید کے ساتھ کافی دنوں سے ملاقات نہ ہوسکی تھی۔

اس دن وہ اپنے آفس میں اخبار کا سرسری سا جائزہ لے رہی تھی جب ایک خبر پر اس کی نظر پڑی۔

"ہاشم انڈسٹریز سے نکالے جانے والے ملازمین کا احتجاج۔"

تفصیلات میں درج تھا کہ کمپنی کے پانچ سینئر اور نو جونیئر افسران کو کیسے اچانک نوٹس پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا، ملازمین نے اخبار کے نمائندے کو بتایا تھا کہ انہیں زبردستی اوور ٹائم کرنے اور دوسرے ملازمین کا کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا ان کے انکار کرنے پر ملازمت سے ہی نکال دیا گیا، مزید لکھا تھا کہ کمپنی کے سی ای او کی تبدیلی (یعنی ولید کے چارج سنبھالنے) کے بعد سے کمپنی کے ایمپلائز کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا جا رہا تھا اور یہ کہ اگر ان متاثرین کے گھر والوں کو بھوکا مرنا پڑا تو ولید ہاشم کے گھر والے بھی سکون سے نہیں رہیں گے۔

یہ خاصی پریشان کن خبر تھی، اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ولید اس طرح کی کوئی سفاکانہ حرکت کرسکتا ہے، کسی کو اس کی مرضی کے خلاف اوور ٹائم پر مجبور کرنا اور پھر نہ کرنے کی پاداش میں ملازمت سے نکالنا ایک غیر انسانی فعل تھا، غلطی ایک دو بندوں کی ہوتی ہے اگر چودہ لوگ اکٹھے نکال دیئے گئے تھے تو یہ یقیناً ان کے ساتھ زیادتی تھی۔

نقش نے یونہی گوگل کھول کر ہاشم انڈسٹریز اور ولید ہاشم ٹائپ کیا، نیچے چار پانچ لنکس چھوڑ کر آگے ایک ویب سائٹ کھلی جس پر اس نے

کلک کیا تو ایک پیج کھل آیا، ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ولید ہاشم کے ہاتھوں پریشان ہونے والوں کی تعداد خاصی لمبی تھی کیونکہ اس پیج پر اسے ایک خودغرض، لالچی اور سفاک شخص کا نام دیا گیا تھا، وہ کاروباری حلقوں میں سخت گیر باس کے نام سے مشہور تھا یہ تو اسے معلوم تھا لیکن معاملہ اس تک پہنچا ہوا تھا اسے پتہ نہ تھا۔

دو دن بعد اسے بلڈرز کے کسی معاملے کی وجہ سے ولید کے آفس جانا تھا، دو ماہ سے ان کی دو بدو ملاقات نہ ہوئی تھی سہ پہر تین بجے کے قریب وہ آفس میں پہنچی تو ولید میٹنگ میں تھے ساڑھے چار بجے تک وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی، اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی نقش کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑنا شروع ہو گئے تھے اور وہ بے حد تھکا تھکا سا دکھائی دیتا تھا نقش کے استفسار پر وہ چونکا۔

''بہت مصروفیت ہے ان دنوں دن رات کام کی وجہ سے نہ ٹھیک طرح سے سو سکا نہ کھا سکا۔'' اس کے لہجے تک میں تھکن اتری ہوئی تھی۔

''مصروف تھے لوگوں کو کمپنی سے نکالنے میں؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں سختی در آئی۔

''تو اخباروں میں ہونے والا پروپیگنڈا تم نے بھی پڑھ لیا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

''مطلب یہ محض پروپیگنڈا ہے تم نے در حقیقت انہیں نہیں نکالا؟''

''ہاں میں نے انہیں نکالا ہے مگر جس طرح سے اخبارات میں یہ بات اچھالی جا رہی ہے کہ میں نے انہیں کوئی نوٹس نہیں دیا وغیرہ وغیرہ اس میں کوئی حقیقت نہیں، ان ایمپلائز کو ایک سال سے بار بار وارننگ مل رہی تھی لیکن انہوں نے اپنے افعال درست نہیں کیے، آفس میں دیر سے آنا، لنچ کے بہانے دو دو گھنٹے سیٹ سے غائب رہنا، آفس ٹائمنگ ختم ہونے سے پہلے ہی چلے جانا اور بہت زیادہ چھٹیاں کرنا میرے لئے قابل برداشت نہیں اور انہیں نکالنے سے ایک مہینہ قبل نوٹس دیا گیا تھا، اگر انہیں پھر بھی لگتا ہے کہ وہ بے قصور ہیں تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' اس کو اتنے غصے میں نقش نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا، اگرچہ ولید کو اپنے اس فعل کی وضاحت اسے یا کسی کو بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر پھر بھی اس نے دی تھی تبھی ہمت پکڑ کر وہ مزید بولی۔

''لیکن وہ لوگ بیروزگار ہوئے ہیں تمہیں نہیں معلوم آج کل جاب ملنا کتنا مشکل ہے اور بیروزگاری کتنا بڑا عذاب۔'' نقش کو نہیں معلوم تھا یہ کہہ کر اس نے کتنی بڑی غلطی کر دی تھی۔

''مس نقش حیات!'' وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

''میں ایک بزنس مین ہوں میں نے کوئی چیرٹی نہیں کھول رکھی میں لوگوں کو اس کام کے پیسے کیوں دوں جو وہ کرتے ہی نہیں، ساڑھے تین سال پہلے میں نے جب یہ کمپنی سنبھالی تھی تو معمولی منافع کما رہی تھی مجھے اس کے لئے بہت سخت فیصلے کرنے پڑے جو ہو سکتا ہے اخلاقی طور پر غلط ہوں مگر قانونی طور پر بالکل صحیح تھے۔''

''میں مانتا ہوں وہ لوگ بیروزگار ہوئے ہیں اور انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اگر میں انہیں جاب سے نہ نکالتا اور ترس کھاتے ہوئے رکھے رکھتا تو یقیناً کمپنی کا نقصان ہوتا، کوئی بھی دوسرے کے فائدے کے لئے اپنا نقصان نہیں کرتا اور جو ایسا کرتے ہیں وہ انسان کے رتبے سے بہت بلند ہوتے ہیں، مجھے انسان ہی

رہنے دو۔'' اس کی باتیں بے شک تلخ تھیں مگر سو فیصد درست مگر اس نے پولیس بلوا کر ٹھیک نہیں کیا تھا کیونکہ انہوں نے لاٹھی چارج کر کے کافی چوٹیں پہنچائیں تھیں اور یہ اس نے ولید سے کہہ بھی دیا اس کی بات نے ولید کو مزید غضبناک کر دیا تھا۔

''کسی کو بھی حق حاصل نہیں کہ وہ میری ذاتی رہائشگاہ پر آ کر میری فیملی کو پریشان کرے، دھمکیاں دے اور میری گاڑی پر پتھراؤ کرے۔''

''Unbelievable۔'' شاک کے عالم میں نقش کے منہ سے نکلا۔

''نہیں یقین آ رہا نا، تمہارے نزدیک میں خودغرض سفاک ہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹا بھی ہوں مجھے تمہیں یا کسی کے سامنے کچھ بھی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں پھر بھی تم میری گاڑی کا حشر دیکھ سکتی ہو۔'' اس کے الفاظ نے نقش کو شرمندہ کر دیا تھا اسے ولید پر یوں بے یقینی نہیں کرنی چاہیے تھی۔

''اور ہاں پلیز اب تم جا سکتی ہو۔'' وہ ہکا بکا رہ گئی ولید سے اسے یہ توقع نہ تھی اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی ایک نظر ولید کے اجنبیت لیے پتھریلے نقوش پر ڈال کر وہ باہر نکل آئی گاڑی تک آتے آتے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

سارے راستے اسے ولید کا آخری فقرہ چبھتا رہا، وہ نقش سے ایسے کیسے کہہ سکتا ہے اور خود اس نے تختی سے کوئی جواب کیوں نہیں دیا۔

گھر میں دادی اماں نے بھی اس کا خراب موڈ محسوس کر لیا۔

''کیا ہوا؟ کوئی مسئلہ ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

نقش نے جوتا اتار کر پاؤں صوفے پر رکھ لیے اور سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

''آج ولید نے میرے ساتھ بہت بدتمیزی کی۔'' کہہ کر وہ ہر چیز تفصیل سے انہیں بتانے لگی، ساری بات سن کر دادی نے گہری سانس لی اور گویا ہوئیں۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ولید کا ذاتی معاملہ تھا تمہیں دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔''

''اپنی اس غلطی کو تو وہ خود بھی تسلیم کر رہی تھی ویسے بھی وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے رضوانہ کی ہی مثال لے لو ہم اسے تنخواہ دیتے ہیں اس کا اور اس کے بچے کا خیال رکھتے ہیں ہر ماہ ضرورت کی اشیاء دلواتے ہیں کپڑے جوتے وغیرہ کس لئے بھلا کیونکہ وہ ہماری خدمت کرتی ہے، کھانا بناتی ہے کپڑے دھوتی اور صفائی ستھرائی کرتی ہے اگر تمہیں یا مجھے لگے کہ وہ کام سے جی چرانے لگی ہے نہ صفائی کرتی ہے اور نہ کپڑے دھوتی ہے تو ایک دو مرتبہ تو ہم اسے سرزنش کریں گے پھر بھی وہ باز نہ آئی تو کیا یونہی رکھے رکھیں گے کیا اسے نہیں نا ہم اسے فارغ بیٹھنے کی تنخواہ نہیں دیں گے بلکہ اسے نوکری سے فارغ کر کے کوئی دوسری ملازمہ لے آئیں گے جو اپنا کام اچھے طریقے سے کرے۔'' نقش نے بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تو اگر یہی کام ولید نے کیا ہے تو مجھے تمہیں یا کسی اور کو برا کیوں لگے۔'' وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں ان کی سادہ سی مثال نے نقش کو سمجھا دیا تھا کہ وہ غلطی پر تھی۔

''مگر اس نے کہا کہ اگر میں اس کو خودغرض، سفاک اور جھوٹا سمجھتی ہوں تو سمجھتی رہوں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' منہ بسورتے ہوئے نقش نے خاصی ردوبدل کے ساتھ فقرہ دوہرایا۔

''کیا تم نے واقعی اسے خود غرض، سفاک اور جھوٹا کہا؟''

''کہا تو نہیں مگر......''

''کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یونیورسٹی میں اس نے تمہیں بہت تنگ کیا تھا اگر ایسی بات ہے تو بے حد بچکانہ ہے، وہ لڑکپن کی شرارتیں تھیں جو بھی بچے کیا کرتے ہیں۔''

''آپ میری ہی دادی ہیں نا، دن میں ولید آ کر تبدیل تو نہیں کر گیا۔'' وہ مصنوعی حیرت سے گویا ہوئی تو دادی اس کے بچوں کے سے انداز پہ ہنس دیں۔

رات اس کی پلکوں سے نیند چھن رہی تھی جب اس کے بیڈ پر تکیے کے قریب رکھے موبائل کی سکرین روشن ہوئی، نیند کے عالم میں اس نے بٹن دبا کر ٹیکسٹ کھولا۔

''I am sorry for being rude today۔'' وہ پڑھ کر مسکرا دی تھی ولید اتنا بھی بداخلاق نہ تھا۔

☆☆☆

یونیورسٹی کے پرانے اسٹوڈنٹس نے گیٹ تو گیدر رکھا تھا، نقش کا جانے کا ارادہ نہ تھا مگر چونکہ ماہم جا رہی تھی لہٰذا نا بولنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اس نے فون پر ولید سے بھی پوچھا تھا کیا وہ جا رہا ہے جواباً اس نے کہا تھا چونکہ وہ بے حد مصروف ہے لہٰذا کہیں بھی جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

عام دنوں کے برعکس اس نے جینز شرٹ پہننے کی بجائے لیمن کلر کی شلوار قمیض نکالی جس کے بازو اور گلے پر سفید دھاگے کا ہلکا ہلکا کام ہوا تھا۔

ہلکے سے میک اپ سفید پرس اور سفید جوتے پہنے وہ عام دنوں سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔

''آج لگ رہا ہے کہ لڑکی ہو ورنہ تو مجھے شک ہونے لگتا ہے میرے گھر میرا پوتا رہتا ہے کہ پوتی۔'' دادی کی بات پر جواباً وہ ہنس دی۔

''خدا حافظ جلدی آ جاؤں گی۔'' ماتھے پر پیار لینے کے لئے وہ جھکتے ہوئے بولی، دادی نے بوسہ دے کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر پھونکا اور جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی وہ دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہیں۔

ماہم اتنے عرصے بعد نقش سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی اور خوش تو وہ بھی تھی تھوڑے سے عرصے میں ہی سب کتنے تبدیل ہو گئے تھے، اسمارٹ اسمارٹ لڑکیاں اچھی خاصی موٹی ہو گئی تھیں، اکثر کی تو شادی بھی ہو گئی تھی تھوڑا وقت سب کے ساتھ گزار کر دونوں باہر سیڑھیوں پر آ بیٹھیں، ماہم اپنے سسرال شوہر اور بچوں کی باتیں کرتی رہی جبکہ نقش کے پاس جاب اور دادی کی باتوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

''میری ملاقات ولید سے ہوئی؟'' کچھ دیر کے بعد نقش بولی تو ماہم کی آنکھیں جیسے باہر کو ابل پڑیں۔

''واقعی اور تم دونوں نے ایک دوسرے کا سر تو نہیں پھاڑ دیا۔''

''ہاہاہا نہیں وہ کچھ بدل سا گیا ہے۔''

''کس طرح سے؟''

''تھوڑا سخت ہو گیا ہے، بزنس سنبھال رہا ہے دن رات کام میں مصروف رہتا ہے اور......''

''اک منٹ، تمہاری اس سے ایک ہی ملاقات ہوئی ہے نا۔'' نقش ہنس دی۔

''نہیں ایک سے زیادہ کافی زیادہ دراصل میں نے اس کا مال ڈیزائن کیا تھا، ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' اسے اپنی طرف گھورتے پا کر نقش

بولی۔
''دیکھ رہی ہوں کہ ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ تم ولید کا ذکر بغیر غصہ کیے اور منہ بنائے کر رہی ہو۔''
''ہوں۔'' نقش کیا جواب دیتی۔
''ایک بات کہوں برا مت ماننا۔''
''کیا؟''
''مجھے ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو خاصا پسند کرتے ہو بس اوپر اوپر سے منہ بنائے اور غصہ کیا پھرتے ہو مگر پھر ولید کی منگنی ہوگئی اور......''
''اور پھر ختم بھی ہوگئی۔'' ماہم کا فقرہ درمیان میں ہی اچک لینے والی مردانہ آواز نے دونوں کو چونکا دیا تھا، وہ ڈیبی تھا۔
''ہیلو ڈیبی!'' ماہم خوشدلی سے بولی۔
''اٹس شہروز۔'' وہ مصنوعی انداز میں بولا۔
''او کے او کے شہروز کسی کی بات چھپ کر سننا اخلاقیات کے خلاف ہے۔'' اب کے بار نقش بولی تھی مگر وہ بھول گئی کہ وہ بھی ولید کا دوست تھا۔
''ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں مگر پھر ماہم کے دماغ میں آنے والے سارے سوالات کے جوابات کون دے گا۔''
''نہیں نہیں تم بیٹھو۔'' ماہم جلدی سے بولی، نقش نے گہری سانس لی۔
''بتاؤ ولید کی منگنی کیسے ختم ہوئی؟''
''اس کی ایک وجہ تو وہ حادثہ تھا جس میں ولید کی دونوں ٹانگیں گھٹنوں سے نیچے مفلوج ہو کر رہ گئیں مگر درپردہ وجہ نقش حیات تھی، حادثہ نہ بھی ہوتا منگنی کو ٹوٹنا ہی تھا۔'' اس کی بات نے نقش اور ماہم دونوں کو چونکا دیا تھا۔
''کیونکہ وہ تمہیں پسند کرتا تھا اور کبھی ذہن سے نکال ہی نہیں پایا۔'' شہروز نے جیسے انکشاف کیا۔
''تم غلطی پر ہو وہ مجھے سخت ناپسند کرتا تھا یونیورسٹی کے دنوں میں اس نے مجھے کتنا تنگ کیا بھول گئے ہو؟''
''نہیں اور کبھی تم نے سوچا کہ وہ تمہیں ہی کیوں تنگ کیا کرتا تھا، تمہیں نہیں معلوم صرف تمہاری اختلاف رائے سننے کے لئے وہ ساری ساری رات بیٹھ کر دلیلیں منطقیں تلاش کرتا تھا اور انگلش کی کلاس میں جب سر نے شاعرانہ سطور لکھ کر لانے کو کہا تھا تو اس سے پوچھا تھا میں نے کہ کس کو ذہن میں رکھ کر لکھا ہے اور تب اس کے منہ سے پہلی مرتبہ تمہارا نام پھسلا تھا بعد میں اگرچہ اس نے بولا تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے مگر میں مذاق اور حقیقت میں فرق کر سکتا ہوں اور گٹار، جب بھی تم کیفے ٹیریا میں آتی تھیں اس کی دھن بدل جایا کرتی تھی مجھے حیرت ہے کہ یہ سب تم نے کیوں محسوس نہ کیا۔''
''بحث وہ جیتنے کے لئے کرتا تھا اور گٹار نہ بجاتا تو اس کی فین فالونگ میں کیسے اضافہ ہوتا خصوصاً لڑکیاں۔'' نقش اب بھی انکاری تھی کبھی کبھی انسان دل کی گواہی نہیں ماننا چاہتا۔
''نقش حیات! ولید ہاشم کو لڑکیوں کی کمی نہیں تھی اس کے لئے اسے گٹار کی ضرورت بھی نہ تھی، ایک ابرو اچکا کر وہ لڑکیوں کی دھڑکنیں روک دینے پر اختیار رکھتا تھا۔'' نقش نے سر جھکا لیا۔
''ویلج ڈے پر جب وہ تمہارے پیچھے گیا تھا تو مجھے لگا تھا وہ شاید اظہار کرنے جا رہا ہے مگر پھر تم دونوں کے بیچ نجانے کیا بات ہوئی وہ کچھ بدلا بدلا سا لگنے لگا، اس کی منگنی بھی شاید تم سے دھیان ہٹانے کا اک بہانہ تھی جس میں وہ قطعی ناکام ہو

گیا۔"

"اس نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ وہ مجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہے اور مجھے لگا تھا کہ وہ پھر سے میرا انداق اڑا رہا ہے۔" نقش نے سر جھکائے جھکائے اسے بتایا جب کہ ماہم ہونقوں کی طرح دونوں کا منہ دیکھے جارہی تھی جیسے سرے سے اس بات کا علم نہیں تھا۔

اس کی بات پر شہروز نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"اس نے تم سے اظہار نہیں کیا اور اب شاید وہ کبھی نہیں کرے گا۔" اس کی بات پر نقش کا دل ڈوبا تھا، کچھ سچ حقیقت میں کتنے تلخ ہوتے ہیں۔

☆☆☆

صبح سے آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا دن میں شام کا سا سماں بندھ گیا تھا، ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی، ویک اینڈ تھا اور وہ اسے عام دنوں سے ہٹ کر گزارنا چاہتی مگر تھوڑی دیر قبل ہی اسے زہرا ہاشم کی کال موصول ہوئی تھی اور انہوں نے اسے لنچ پر بلایا تھا۔

پراجیکٹ کے دوران اس کی دو تین مرتبہ ولید کی والدہ سے ملاقات ہوئی تھی اور ہر مرتبہ وہ اتنی خوشدلی سے اس سے ملتیں جیسے برسوں سے جانتی ہوں، نقش انہیں خاصا پسند کرنے لگی تھی، اداس آنکھیں، دھیما انداز اور کم گوئی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی مگر وہ ان لوگوں میں شمار ہوتی تھیں جن کی خاموشی بھی گفتگو کرتی ہے، ان کے چلنے کے انداز میں ملکاؤں سی تمکنت تھی وہ ان سے مل کر بہت اچھا محسوس کرتی تھی، ہلکے پرپل فراک میں ملبوس بال کھلے چھوڑے وہ ان کے ہاں پہنچی تو انہیں اپنا منتظر پایا، دھانی رنگ کی ساڑھی زیب تن کیے بالوں کو خوبصورت سے Chigon میں سمیٹے وہ بہت تر و تازہ اور خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

ولید کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی ہمیشہ کے برعکس وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا، نقش کو ڈاکو ڈے یاد آگیا جب اس ڈاکو نے اس کی دھڑکنیں روک دی تھیں، اگر اس روز وہ ہینڈسم لگ رہا تھا تو آج اس سے کہیں زیادہ تر و تازہ اور وجیہہ اور ولید کے ساتھ بیٹھے ڈیبی یعنی شہروز کو دیکھ کر اسے پھر حیرت ہوئی تھی اس کا مطلب ہے وہ بھی انوائیٹڈ تھا نہ بھی ہوتا وہ ولید کا کزن تھا کبھی بھی آ جا سکتا تھا، شہروز بھی نقش کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔

یہ ان کی پہلی نارمل میٹنگ تھی جس میں نہ کوئی کاروباری معاملہ ڈسکس ہوا نہ ولید اور نقش کے درمیان کوئی جھگڑا نہ کوئی طنز کیا گیا اور نہ مذاق اڑایا گیا، ڈرنکس سرو ہوئیں، ہلکے پھلکے موضوعات پر گفتگو کی گئی اتنی دیر میں لنچ لگ گیا، ولید شہروز یا کسی ملازم کی مدد کے بغیر وہیل چیئر پر منتقل ہوا اور وہ ڈرائنگ روم سے ڈائننگ ہال آ پہنچے، نقش نے محسوس کیا تھا وہاں ہر چیز فرنیچر وغیرہ کی سیٹنگ اس طرح تھی کہ وہیل چیئر بغیر کسی رکاوٹ کے آسانی سے حرکت کر سکتی تھی۔

کھانے کے دوران ڈیبی مسلسل چٹکلے چھوڑتا رہا اور وہ سب محظوظ ہوتے رہے، وہ سب ڈیزرٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب ولید کا موبائل بج اٹھا وہ ٹیبل سے اٹھا کر کان سے لگانے ہی لگا تھا کہ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا، اس نے اپنا ایک ہاتھ ٹیبل پر رکھ کے جھک کر موبائل اٹھانے کی کوشش کی مگر ہاتھ اور موبائل کے درمیان چند انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر گہری خاموشی چھا چکی تھی نقش نے دیکھا مسز زہرا ہاشم کی تھوڑی دیر قبل

مسکراتی آنکھوں میں اداسی کی گہری پرچھائیاں اتر آئیں، اس ساری صورتحال کی اس کے دل کو اتنی تکلیف ہوئی کہ وہ خود بھی حیران رہ گئی، فرش پر پڑا موبائل پھر سے بجنے لگا تھا نقش نے ڈیزرٹ چھوڑا کرسی سے اٹھی اور موبائل اٹھا کر ولید کو تھما دیا۔

''تھینک یو۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا تھا مگر وہ چاہنے کے باوجود مسکرا بھی نہ سکی تھی، شہروز نے صورتحال سنبھالی اور پھر سے کوئی چٹکلہ سنانے لگا۔

لنچ کے بعد ولید معذرت کر کے چلا گیا تھا اسے کسی اہم کام سے جانا تھا، ایک کھلنڈرے شخص سے وہ ایک (Workohlic) میں بدل چکا تھا جس کا کھانا پینا اوڑھنا بچھونا کام، کام اور بس کام تھا، مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اتنے بڑے بزنس کا تن تنہا وارث ہونے کے ناطے اسے اپنا وقت اس کے لئے وقف کرنا ہی تھا۔

ولید کے جانے کے بعد شہروز تھوڑی دیر ٹھہرا رہا اور پھر وہ بھی چلا گیا، ڈرائنگ روم کی شیشے کی دیوار کے پار بارش ابھی تک برس رہی تھی، زہرا ہاشم نے اپنے اور اس کے لئے چائے منگوائی تھی اور اب دونوں کے درمیان گھریلو طرز کی گفتگو ہو رہی تھی، وہ نقش سے اس کی فیملی کے متعلق پوچھ رہی تھیں اور نقش ان کے بوتیک برانڈ کے متعلق جو انہوں نے ایک سال قبل ''رنگ'' کے نام سے متعارف کروایا تھا۔

''زندگی میں کبھی یہ سوچ کر نہیں رکنا چاہیے نقش ورنہ آپ کی زندگی کا مقصد ختم ہو جاتا ہے، ہاشم کی وفات کے بعد مجھے لگا تھا بس اب باقی کیا رہا ہے اور ولید کے حادثے نے مجھے جس طرح اندر سے توڑا ہے میں اپنے اندر ہرگز کوئی نیا کام شروع کرنے کی ہمت نہ پاتی تھی اور تمہیں معلوم ہے رنگ شروع کرنے کی انسپائریشن مجھے کہاں سے ملی۔'' نقش نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ولید سے اسے نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرتے دیکھ کر مجھ میں وہ ہمت آئی، وہ بہت مضبوط ہے اس نے جس طرح سے خود کو مجھے اور کاروبار کو سنبھالا مجھے اس پر فخر ہے۔''

''میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتی تھی۔'' نقش کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔

''کیا؟''

''میں اور ولید یونیورسٹی کے دنوں میں دوست نہیں تھے بلکہ......''

''نقش تم لوگ جتنا سمجھتے ہو میں اس سے زیادہ تم لوگوں سے واقف ہوں۔'' زہرا ہاشم اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''میں جانتی ہوں کہ تم میرے بیٹے کے لئے بہت خاص ہو۔'' ان کی بات نے نقش کو گڑبڑا دیا کتنی آسانی سے انہوں نے ایک بے حد مشکل بات کہہ ڈالی تھی نقش لاجواب ہو کر رہ گئی۔

واپسی کا سارا سفر وہ ان کے فقرے کے متعلق سوچتی رہی تھی آج کا دن اس کی زندگی کے بہترین دنوں میں سے ایک تھا۔

☆☆☆

دادی اماں کی طبیعت پچھلے چند دنوں سے ناساز تھی، موسم کی تبدیلی ایک نحیف و نزار وجود پر بری طرح سے اثر انداز ہوئی تھی اور پچھلے چند دنوں سے وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح برتاؤ کر رہی تھیں۔

آج وہ آفس سے اچھی خاصی لیٹ ہو چکی تھی پہلے اس نے خود انہیں ہلکا پھلکا ناشتہ کروایا تھا اور پھر جب رضوانہ ان کے لئے سوپ بنانے لگی، تو انہوں نے صاف منع کر دیا کہ اس کے ہاتھ

سے بنا سوپ پینے سے بہتر ہے وہ بھوکی رہیں اور یہ جاننے کے باوجود کہ نقش کو کوکنگ کی الف بے تک نہیں آتی ضد کرنے لگیں کہ انہیں صرف اسی کے ہاتھ کا بنا سوپ پینا ہے جاب جائے بھاڑ میں۔

نقش نے انہیں آپشن دیئے کہ وہ ان کے لئے کسی اچھے ریسٹورنٹ سے سوپ منگوا لیتی ہے لیکن مرغے کی وہی ایک ٹانگ والی صورتحال ہو گئی تھی، اب نقش کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود ان کے لئے سوپ بناتی، لیپ ٹاپ کو کچن کے اندر سلیب پر رکھتے ہوئے اس نے سوپ بنانے کے ٹیوٹوریل سرچ کیے اور ابتداء کر دی۔

سوپ بناتے ہوئے اس نے کوئی سات آٹھ مرتبہ وڈیو ریوائنڈ کی اور کوئی پانچ چھ مرتبہ کے لگ بھگ رضوانہ سے بھی ہدایات لیں، سوپ بنانے کے بعد دادی کو پلانا بھی ایک مرحلہ تھا اور جب وہ سارے مراحل طے کر چکی تھی اسے آفس میں پڑا کام کا انبار یاد آ گیا، بھاگم بھاگ آفس پہنچی، ایمپلائز کی میٹنگ ختم ہوئی تو اس نے باقی کام کل پر چھوڑتے ہوئے گھر کی راہ لی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے صبح دادی سے ہونے والی کھٹی میٹھی نوک جھونک یاد آ گئی اور یاد آتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''دادی آپ دن بدن ضدی ہوتی جا رہی ہیں۔'' سوپ کے ہر چمچ کے ساتھ انہیں برا سا منہ بناتے دیکھ کر اس نے کہا۔

''ہاں مگر تم سے کم۔''

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''شادی نہیں کر رہی ہو اور تو کچھ نہیں۔''

ان کا انداز روٹھا روٹھا سا تھا، اسے بھی دادی پر پیار آ گیا۔

''انکار کب کیا ہے کوئی اچھا لڑکا بھی تو ملے۔''

''میں نے جتنے لڑکے تمہیں بتائے ان کی تین ٹانگیں تھیں کیا؟ کیا غیر مناسب تھا ان میں؟''

''وہ بیروزگار تھے، پینڈو تھے، لالچی تھے یا بدکردار، مجھے لگتا ہے تجھے کوئی لڑکا پسند ہے جس کی وجہ سے تو ہر رشتے سے انکار کر دیتی ہے۔''

دادی جان کی ریل گاڑی دوسرے ٹریک پر چلنا شروع ہو گئی تھی۔

''نہیں دادی کوئی پسند ہوتا تو آپ کے سامنے نہ لا کھڑا کرتی۔'' کہتے ہوئے اس کے دل نے ملامت کی اور ولید کے نام کا سائن بورڈ دکھانے لگا تھا۔

دادی خاموش ہو گئی تھیں اور وہ بھی چپ سوچتے سوچتے کب گھر آ گیا پتہ ہی نہ چلا، گاڑی گیٹ کے قریب آئی ہی تھی جب دروازہ کھلا اور حواس باختہ سی رضوانہ اندر سے برآمد ہوئی۔

''وہ دادی اماں دادی...... نقش باجی۔''

نقش کے دل نے کسی انہونی کا اشارہ دیا اور وہ دروازہ کھول کے اندر بھاگی رضوانہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

لاؤنج کے صوفے پر دادی آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھیں ان کی نبض پر ہاتھ رکھا تو اطمینان ہوا کہ آہستہ ہی سہی مگر چل رہی تھی، دونوں نے بمشکل گھسیٹ گھساٹ کر گاڑی میں ڈالا رضوانہ بھی اندر آ بیٹھی نقش نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا، اس کا رخ ہسپتال کی جانب تھا۔

☆☆☆

دادی تین دن ہسپتال میں ایڈمٹ رہی تھیں اور ان تینوں دنوں ولید مسلسل آتا رہا تھا،

جس روز وہ دادی کو ہسپتال میں لائی تھی اسے تھوڑی دیر بعد ہی ولید کی کال موصول ہوئی تھی اور تھوڑی دیر قبل ہی جو اسے محسوس ہورہا تھا کہ دادی کے سوا اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے یہ احساس مٹ گیا تھا، اس کی روتی آنسوؤں میں ڈوبی آواز سن کر ولید بے چین ہوگیا تھا اور محض پندرہ منٹ بعد ہی وہ ہسپتال پہنچ گیا۔

شہروز اور ولید نے جس طرح تمام معاملات سنبھالے تھے وہ دونوں کی مشکور تھی دادی کو چند گھنٹے آئی سی یو میں رکھنے کے بعد کمرے میں منتقل کردیا گیا تھا۔

وہ نقش کے ساتھ بیٹھا رہا تھا وہ روتی رہی اور ولید اسے تسلی دیتا رہا محض اس کی موجودگی سے ہی نقش اپنے اندر ہمت محسوس کررہی تھی، تیسرے روز ولید کے ساتھ مسز زہرا ہاشم بھی آئیں تھیں اور اپنے بیٹے پر برہم دکھائی دیتی تھیں کہ اس نے پہلے کیوں نا نقش کی دادی کی بیماری کے متعلق بتایا۔

''اچھی خاتون ہیں۔'' ان کے جانے کے بعد دادی نے نحیف سی آواز میں کہا، نقش کو دادی کے الفاظ سے خوشی ہوئی تھی۔

ہسپتال میں پہلے روز ہونے والے تمام اخراجات ولید نے ادا کیے تھے اسے خود تو اتنا ہوش ہی نہیں تھا روز مصروفیت کے باعث وہ اسے ادائیگی کرنا بھول جاتی تھی گھر جاکر اس کا ارادہ ولید کی سیکرٹری کو کال کرکے اس کا اکاؤنٹ نمبر جاننے کا تھا تاکہ وہ پیسے اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرسکے۔

دادی گھر لوٹ آئیں تو نقش کی گھر سے آفس، آفس سے گھر والی پرانی روٹین شروع ہو گئی، دادی بھی چند دنوں کے اندر سنبھل گئیں اور ان کا نقش کی شادی کروانے کا مشن ایک مرتبہ پھر سے شروع ہوگیا۔

ایک روز آفس سے آنے کے بعد دادی کے پاس بیٹھی تھی روز کی روٹین کے مطابق ٹی وی دیکھا جارہا تھا ڈنر انہوں نے تھوڑی دیر قبل ہی کیا تھا، رضوانہ نے آج نقش کی پسندیدہ سبزی بنائی تھی جو اس نے ضرورت سے زیادہ ہی کھالی تھی، اس سے گرین ٹی بنوانے کے بعد چسکیاں لیتے ہوئے وہ دادی کا پسندیدہ ترین اور اپنا ناپسندیدہ ترین شو دیکھنے میں مصروف تھی۔

''آج زہرا ہاشم آئی تھیں۔''

نقش کو حیرت ہوئی دادی اس شو کے دوران بولنا تو درکنار کسی کو سانس بھی نہ لینے دیتی تھیں اور آج خود بول رہی تھیں، یقیناً کوئی اہم بات تھی۔

''پھر؟'' وہ بولی۔

''ان کی باتوں سے مجھے لگا کہ وہ تمہیں اپنے بیٹے کے لئے خاصا پسند کرتی ہیں کیونکہ وہ پوچھ رہی تھیں کہ تمہارا رشتہ کہیں طے تو نہیں ہوا اور بار بار اپنے بیٹے کا ذکر کررہی تھیں۔''

''پھر آپ نے کیا کہا؟''

''یہی کہ تمہیں کوئی پسند ہی نہیں آتا۔''

''آپ نے ان سے یہ کہہ دیا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''تو اور کیا کہتی، یہی حقیقت ہے، آگے سے وہ بھی بولیں کہ ان کے بیٹے کو بھی کوئی لڑکی پسند نہیں آتی۔'' دادی معنی خیزی سے بولیں، نقش کو ان کی بات بخوبی سمجھ میں آرہی تھی۔

''دادی جان ان لوگوں کے اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

پہلی بار اس کے اندر چھپا ڈر لفظوں کی صورت باہر نکلا تھا۔

''شاید ان لوگوں کو اس بات کی پرواہ نہ ہو یہ اور بات ہے تم ولید کے معذور ہونے کی وجہ

ہے......"

"دادی آپ میرے متعلق ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں میں مادیت پرست نہیں ہوں۔" وہ قدرے دکھ کے سے عالم میں بولی، ولید کو اپاہج سوچتے ہوئے اس کے ساتھ سے انکار کا سوچنا بھی اس کے لئے گناہ کے مترادف تھا، دادی مسکرا دی تھیں۔

"نہیں میں ایسا نہیں سوچتی میں اب تمہارے لئے بہت اچھا سوچنے لگی ہوں۔" دادی کے اس فقرے کا سر پیر اس کو سمجھ میں نہ آیا لیکن کوئی گڑبڑ تھی اتنا اسے لگ گیا تھا۔

☆☆☆

ولید کی سیکرٹری کو اکاؤنٹ نمبر لینے کے لئے اس نے کال کی اور سرسری سا ولید کے متعلق پوچھا۔

"وہ آج آفس نہیں آئے۔" سیکرٹری نے جواب دیا تھا۔

"کیوں؟"

"ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے لہٰذا وہ گھر پہ ہی ہیں۔" اس فقرے نے نقش کو فکرمند سا کر دیا تھا، ولید جیسا Workohlic انسان اگر آفس نہیں آیا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ اس کی طبیعت زیادہ خراب تھی۔

کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کال کر کے ولید کا حال دریافت کرے مگر ہر بار وہ رک گئی بالآخر آفس سے واپس آتے ہوئے اس نے گاڑی کا رخ ولید کے گھر کی طرف موڑ لیا۔

عبدالرزاق نے اس کی راہنمائی آؤٹ ہاؤس کی طرف کی تھی یعنی طبیعت خراب ہونے کے باوجود وہ کام کر رہا تھا، اتنا کام کیسے کر لیتا تھا وہ اور اپنے لئے کب وقت نکالتا تھا، نقش کو اپنی جاب اپنا کام بے حد پسند تھا مگر تھک تو وہ بھی جاتی تھی جبکہ ولید وہ ویک اینڈ پہ بھی کام کر رہا ہوتا اور بیماری میں بھی۔

"میں نے وہی کیا جو مجھے درست لگا جو حقیقت میں تمہارا دل بھی چاہتا ہے، سر سے پاؤں تک خود کو بزنس میں الجھا دینے سے اور ایک مشین کی طرح کام کرتے ہوئے تم بھول گئے ہو کہ بنیادی طور پر تم ایک انسان ہی ہو اس حقیقت کو مان لو گے تو کمزور نہیں دکھنے لگو گے۔"

زہرا ہاشم کی آواز نقش کے کانوں میں پڑی تو وہ ٹھٹک گئی وہ کس متعلق بات کر رہی تھیں وہ آگے جائے کہ پیچھے اسے سمجھ نہ آسکا۔

"آپ نے غلط کیا ایک غلط آس دی۔"

ولید کی ٹھوس آواز کمرے کی ادھ کھلی کھڑکی سے باہر آئی، کھڑکی کے دوسری جانب بلائنڈز تھے اور ان کے پار وہ ماں بیٹا نقش کے وجود سے بے خبر باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

"میں تمہاری ماں ہوں اور مجھے اس کا حق ہے ولید میں جانتی ہوں تم اسے اب سے نہیں یونیورسٹی کے دنوں سے پسند کرتے ہو۔" نقش کا دل زور سے دھڑکا اور اسے ڈر لگنے لگا کہ اس دھڑکن کی آواز اندر کھڑے افراد ہی نہ سن لیں۔

"نام میں کسی کو لولا لنگڑا سہارا نہیں دے سکتا، میں نہیں چاہتا میرا وجود کسی کے لئے بوجھ ہو، میرا ساتھ کسی کے لئے ناگواری کا باعث ہو یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے، میں نقش کو تکلیف نہیں دے سکتا۔" اس کے الفاظ نقش کے لئے جتنے تکلیف دے تھے اس کے منہ سے ادا ہونے والا اپنا نام اتنا ہی خوبصورت لگا تھا ایسا لگا تھا جیسے پہلی بار یہ نام سنا ہو۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں یا وہ مجھے ہم دونوں بے جوڑ ہیں یہ حقیقت ہے، یہ حقیقت ہے کہ میں ایک اپاہج

انسان ہوں ماما۔''

''ولید ایسے مت بولو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' نقش نے خود سے کہا تھا اس کا دل کٹ رہا تھا جی چاہ رہا تھا آگے بڑھ کر اس کی ساری تکلیف اپنے دامن میں سمیٹ لے اور اپنے حصے کی خوشیاں اسے دے ڈالے۔

''سچ بتائیں مام میں نقش کے ساتھ کھڑا کیسا لگوں گا، اوہ میں بھول گیا کھڑا تو میں ہو ہی نہیں سکتا۔'' روتے روتے زہرا ہاشم کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

''تمہیں مجھ پر ترس نہیں آتا ولید۔'' وہ اس سے بولیں جواباً وہ چپ رہا تھا۔

ولید کے الفاظ نے نقش کا دل کاٹ کر رکھ دیا تھا، آنسو موتیوں کی صورت اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور ٹانگوں سے جان نکلتی جا رہی تھی وہ خود کے بارے اتنا برا کیسے بول سکتا تھا، سوچ بھی کیسے سکتا تھا کہ ولید ہاشم نقش حیات کے لئے بوجھ ہوگا زندگی کی دوڑ میں رکاوٹ وہ تو اس کے لئے شرط زندگی تھا۔

وہ ایک عام سی لڑکی تھی، لمبائی چوڑائی زاویے، پیمانے اور تناسب کا حساب رکھنے والی اسے محبت کے سبق کہاں آئے تھے پہلے محبت کرنی نہیں آئی پھر دکھائی نہیں آئی، اسے تو یہ تک معلوم نہ تھا کہ اس کے دل میں جو احساسات تھے وہ انس تھا، پیار تھا، محبت یا عشق، اسے بس اتنا معلوم تھا کہ اسے ولید کی تکلیف سے تکلیف ہوتی تھی اور ولید کی راحت سے آسودگی۔

بے دردی سے نقش نے گال اور آنکھیں رگڑیں اور واپسی کی طرف قدم بڑھا دیئے، اب اگر وہ نقش کو اپنا ساتھ ہی نہیں دینا چاہتا تھا تو اس کے لئے زندگی سمیت ہر چیز بے معنی تھی، دکھ تھا تو اس بات کا کہ ولید نے اس سے ایک بار تو پوچھ ہوتا کہ وہ کیا چاہتی تھی سارے فیصلے اکیلے کر لئے، اب کہنے سننے کو کچھ بچا ہی نہ تھا۔

مخصوص دلوں کو عشق کے الہام ہوتے ہیں
محبت معجزہ ہے اور معجزے کب عام ہوتے ہیں

☆☆☆

معجزے دل کے ٹوٹنے کا سبب بھی بنتے ہیں کیا؟

نقش حیات سمندر میں ہلچل مچائے پانی کی طرح ہے اور میں ولید ہاشم ساحل پر پڑی ریت جس کی کوئی منزل نہیں، بھٹکنا جس کا مقدر ہے، یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو میں نقش کو اپنا لیتا مگر اب میں اس خوش باش ساحلوں کی ہوا سی لڑکی کو اس بے جان پتھر سے وجود کی ہمراہی کیسے دوں۔

یو ای ٹی میں پڑھنا میرا نہیں مما کا خواب تھا اور پھر جب میرے بچپن کے دوست مما کے بھتیجے اور جاسوس نے ادھر ایڈمیشن لینے کا فیصلہ کیا تو میں نے بھی یو کے جا کر پڑھنے کی بجائے ادھر پڑھنے کو ترجیح دی، ڈیڈ کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا وہ اس معاملے میں قطعی طور پر نیوٹرل تھے۔

یہ وہ رتیں تھیں جب سایوں میں بھی سکون کی بجائے گرمی ہی لگتی ہے، اورینٹیشن اٹینڈ کرنے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کزنز کے ساتھ آ کر یونیورسٹی میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا لیکن ڈیمی کی وجہ سے مجھے آنا پڑا تھا۔

اورینٹیشن سے پہلے گھومتے گھومتے ہم کیفے ٹیریا والی سائیڈ پر آ گئے تھے، یہاں لڑکے لڑکیوں کا خوب رش تھا، مقصد کھانے پینے سے زیادہ محض وقت گزارنا تھا مجھے رہ رہ کر ڈیمی پر غصہ آ رہا تھا جو مجھے آج کے دن اتنی جلدی لے کر آ گیا تھا۔

میں نے اسے زور کا مکا مارا تھا وہ مجھے جوابی مکا مارنے لگا تھا جب میں بچاؤ کے لئے پیچھے ہٹ گیا اور پیچھے کھڑی لڑکی سے ٹکرا گیا۔

"واٹ دا ہیل"، نسوانی آواز میں کہے جانے والے یہ تین الفاظ نقش حیات سے میرا پہلا تعارف تھے۔

سفید اور سرمئی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس، پانچ فٹ چار انچ کے لگ بھگ قد کی حامل وہ بھورے سیاہ بالوں اور سفید گلابی رنگت والی لڑکی مڑکر میری طرف شدید غصے کے عالم میں دیکھنے لگی تھی جیسے ابھی اس کی نگاہوں سے کئی خنجر نکل کر میرے جسم میں پیوست ہو کر مجھے میری خطا کی سزا دیں گے۔

اور میں جو مسکرا کر اسے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا اس کے کپڑوں پر پڑے سلش کے چھینٹے دیکھ کر تو میری ہنسی ہی نکل گئی، اگر وہ مجھ سے کسی معذرت کی توقع کر رہی تھی تو اسے مکمل مایوسی ہوئی ہوگی ان دنوں میں اس ٹائپ کا لڑکا نہیں تھا جو کسی سے سوری بولے۔

مجھے ہنستا دیکھ کر اسے یقیناً غصہ آیا تھا جو کہ اس کی سرخ رنگت سے صاف پتہ چل رہا تھا، مجھے کب کسی چیز کی پرواہ تھی، میں ایسا ہی تھا لاپرواہ سا بے حد کانفیڈنٹ کسی حد تک مغرور اور نقش کی زبان میں بدتمیز، غیر مہذب اور بگڑا ہوا۔

اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ ڈیبی نے صورتحال میں ٹانگ اڑاتے ہوئے سوری بولا اور نئی سلش کی آفر کی جسے اس نے بے دردی سے رد کر دیا اور ٹک ٹک چلتی بلڈنگ کے اندر چلی گئی، اس کے جانے کے بعد مجھے ہلکا سا اس کا سلش گر جانے کا افسوس ہوا مگر تھوڑی ہی دیر میں، میں یہ واقعہ بھول بھال گیا، اور اورینٹیشن کے دوران اسے دیکھ کر اور یہ جان کر کہ وہ بھی میری طرح نیو ہے بہت اچھا لگا تھا اور آنے والے دنوں میں یہ جان کر کہ اس کی فیلڈ مجھ سے مختلف ہے افسوس ہوا تھا۔

پہلے سمیسٹر کی انگلش کی کلاس میری پسندیدہ ترین کلاس تھی، ہمارے پروفیسر صاحب دلچسپ انسان تھے لہٰذا کلاس کا ماحول بھی اکثر نیم سنجیدہ رہتا رومان پر گفتگو کرنا ہر بات کو شاعرانہ انداز میں بیان کرنا انہیں بہت پسند تھا، نقش حیات سے مجھے ہمیشہ اس طرح کی Vibes آتی تھیں جیسے وہ مجھے سخت ناپسند کرتی ہو اور مجھے ناپسند کرنے والی وہ اس یونیورسٹی کا واحد فرد تھی، کبھی کبھی مجھے غصہ بھی آتا کہ اگر پہلے روز میں نے اس کی سلش گرا دی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ میرے خلاف عناد ہی پال لے، لیکن میں یہ بھی جانتا تھا عناد پالنے کی وجہ سلش کا گرانا نہیں بلکہ معذرت نہ کرنا الٹا اس پر ہنسنا تھا اور جیسا کہ میں بتا دوں کہ میں بہت خود پسند اور کم ظرف تھا، نقش کے مطابق تو ہمیشہ وہ دن یاد کر کے میرا خراب موڈ بھی اچھا ہو جاتا ہے۔

پہلے مجھے اس کی ذہانت سے محبت ہوئی، خوبصورتی سے لاپرواہ انداز سے یا مجھے ناپسند کرنے سے معلوم نہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے ان چیزوں کو سراہا جاتا ہے یہ باعث کشش ہو سکتی ہیں مگر محبت یہ ایک قطعی مختلف چیز ہے، یہ تو سیاہ رو، کم تر سے بھی ہو جایا کرتی ہے۔

ان دنوں پروفیسر صاحب نے ہمیں چند سطور لکھ کر لانے کو کہا تھا موضوع رومان کے علاوہ کیا ہو سکتا تھا، پروفیسر صاحب نے کہا کہ اگر ہم اپنی زندگی میں کسی سے متاثر ہیں یا کوئی خاص ہماری زندگی میں ہے تو اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے لکھیں آسانی ہوگی۔

یہ بات سب کے دل کو لگی تھی کیونکہ محبت نہ سہی ہم کسی نہ کسی سے متاثر ضرور ہوتے ہیں۔

دو ہفتے گزرے اور مقررہ دن سارے طلباء اور طالبات پوری تیاری کے ساتھ کلاس میں

موجود تھے، باری باری کاغذ پر لکھے اپنے نادر خیالات اور الفاظ لے کر اسٹیج پر ڈائس پر جاتے سب کے کانوں میں انڈیلتے اور واپس اپنی سیٹ پر چلے جاتے، کئی طلباء کی باری ختم ہونے پر پروفیسر صاحب کی آنکھوں کے ڈیلے باہر آنے لگتے کچھ کو بولتے سن کر کلاس میں دبی دبی ہنسی بلند ہونے لگتی، مجموعی طور پر سب نے اچھا لکھا تھا اور مزہ آرہا تھا۔

پھر اسٹیج پر ڈیبی آیا اس کے الفاظ اچھے تھے کم بخت نے لگتا تھا پورے دو ہفتے اسی پر محنت کی تھی، ڈیبی کے بعد نقش کی باری تھی اور میں لاشعوری طور پر اسی کا منتظر تھا، لکھتے ہوئے اس نے کس کو ذہن میں رکھا ہوگا یہ سب سے بڑا اسرار تھا۔

"کیا بھولے سے بھی وہ شخص میں ہوسکتا ہوں۔" دل کی سوچ پہ دماغ ہنس دیا۔

"Pick me up dust me down۔" اس کی آواز دھیرج سے بلندی کی طرف روانہ ہوئی تھی۔

"Take me away from the city۔" اور یوں لگنے لگا کہ اس کی آواز ہوا کے دوش پر سفر کرنے لگی ہو۔

"I wandered here hoping to be found. Take my hand help me see۔" اس کے الفاظ کا طلسمی اثر میں خود پر محسوس کررہا تھا باہر سہ پہر ڈھل رہی تھی کھڑکی کے بلائنڈز ہٹے ہوئے تھے سورج کی سنہری کرنیں اسٹیج پر وہاں پڑ رہی تھیں جہاں وہ کھڑی تھی زرد لباس میں ملبوس وہ کوئی جل پری لگ رہی تھی جو سنہرے پانیوں سے نکل کر ادھر آ کھڑی تھی۔

"Lead me first to higher ground. Then feel free to abandon me۔" یہ میرے شعور کی کارستانی تھی کہ حقیقت کہ آخری دو لائنیں اس نے مجھے دیکھتے ہوئے پڑھی تھیں۔

کلاس میں خوب تالیاں بجی تھیں اور بجانے والوں میں میرے سوا سبھی شامل تھے، نہیں میں جیلس نہیں تھا میں اس کے الفاظ کے سحر میں تھا۔

اور تب میری باری آئی تھی اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اس کا لفظ لفظ میں نے صرف اسے سوچتے ہوئے لکھا تھا۔

Uou sit at the centre of the bed,
And universe combing staright into your hair,
Lipstick smudged on your chin,
Shivers rippled on your skin,
Body swaying in cursive,
Arms raised in worship

نظم کے اختتام تک اس کا چہرہ دہک گیا تھا لفظوں کے ذریعے سے میں جو پیغام پہنچانا چاہتا تھا ان میں، میں مکمل طور پر ناکام نہیں ہوا تھا۔

Snaggle tooth کہہ کر میں اسے جان بوجھ کر چھیڑتا تھا، اس طرح وہ مجھے ناپسند کرتی مجھ پر غصہ کرتی مگر مجھے اپنے دماغ سے نکال تو نہ پاتی اور میں اس کی سوچ سے محو نہ ہونا چاہتا تھا۔

وہ مجھے پسند کرتی ہے اس کا یقین مجھے ڈاکو ڈے پر ہوا تھا سیاہ رنگ اس روز سبھی نے پہنا تھا مگر وہ سب نقش حیات سے خوبصورت نا لگ رہے تھے اور میں حیران تھا کہ سیاہ رنگ نے اسے خوبصورتی عطا کی ہے یا اس نے سیاہ رنگ کو۔

مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو چمک اتری اور گالوں پر شفق اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا، جب وہ میرے آس پاس ہوتی تتلیاں رقص کرتی ہوئی محسوس ہوتیں، میں اس آوارہ کی مانند تھا جو چیتھڑوں میں تبدیل ہوتے کپڑوں کی دھجیاں خود پر لپیٹے ہوا کی مخالف سمت میں ویران راستوں پر محو سفر تھا میری منزل کا نشان میرا قطبی ستارہ اور بذات خود میری منزل نقش حیات تھی۔

تب ڈیبی نے کہا تھا کہ مجھے محبت ہوگئی ہے اور میں اس کا اقرار کرلوں۔

عشق نوکر تلاش کرتا ہے
اور ہم ازل سے نواب زادے ہیں

یہ میرا جواب تھا، ڈیبی کے سامنے میں یہی کہتا ہوا کہ یہ Infatuation ہے وقتی جھکاؤ لیکن میں صریح غلطی پر تھا۔

ویلج ڈے پر میں پرپوز کرنے ہی گیا تھا، میرون رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ہم رنگ لپ اسٹک اور کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں پہنے وہ شہزادیوں کی طرح کوریڈور میں چلتی ہوئی آرہی تھی میں مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا۔

میرے پکارنے پر اس نے قدم رکے تھے مجھے دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات اتنے سخت ہوگئے تھے کہ میں جو کہنے آیا تھا کہہ نہ سکا میں ولید ہاشم بے حد صاف گو اور منہ پھٹ انسان اس سے کہہ نا سکا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔

میری دوستی کی آفر اسے کیا خود مجھے مذاق لگی تھی مگر وہ الفاظ غیر ارادی طور پر میرے منہ سے نکلے تھے مگر جواباً اس نے جو کچھ کہا تھا وہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، پہلی مرتبہ اس کے مجھ کو برا بھلا کہنے کے عمل نے مجھے بے حد تکلیف دی تھی بہت مایوسی ہوئی اور ڈھیر سارا غصہ بھی آیا۔

''بھاڑ میں جائے نقش۔'' میں نے زخم پر مرہم رکھنے کی کوشش کی مگر رتی بھر افاقہ نہ ہوا جب بیمار ٹھیک ہی نہ ہونا چاہے تو دوا بھی اثر نہیں کیا کرتی۔

سو بار کہا میں نے انکار ہے الفت سے
ہر بار صدا آئی تو دل سے نہیں کہتا

شائنہ سے منگنی نقش سے دور ہونے کا بہانہ تھی دل سے نکالنے کا ایک راستہ جو کہ بند راستہ ثابت ہوا تھا، وہ مجھے بار ہا یاد آجاتی، دل کو جتنا کوستا جھڑکتا وہ اتنا ہی ابھرتا، وہ پاس آؤٹ ہوگئی تو یونیورسٹی میں میرا دل لگنا بھی ختم ہوگیا، وہ پہلے کی سی موج مستیاں ہر کسی کو چھیڑنا بھی ختم ہوگیا۔

میں یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہوا تو ڈیڈ نے مجھے بزنس جوائن کرنے کو کہا مگر میں سدا کا لاپرواہ لہٰذا ہر بار ان سنی کردی، ایک روز ہم سب ڈیبی کے گھر جمع تھے اور اس کی ڈھیروں بنع نئی تصاویر دیکھ رہے تھے یونیورسٹی کے دنوں میں جس طرح میرے پاس ہمیشہ گٹار ہوا کرتا تھا ڈیبی کے پاس DSLR ہوتا تھا اسے ہر لمحے ہر موقعے پر تصاویر بنانے کا خبط تھا اگر کوئی اسے اپنی تصویر لینے سے منع کرتا تو وہ اس کی بے خبری میں تصویر لے لیتا تھا۔

پھر ان ساری تصویروں کو لیپ ٹاپ میں سیو کرنے کی بجائے روایتی طریقے سے ڈویلپ کروالیتا ایک تصویر کو دیکھ کر میں چونک گیا تھا وہ نقش کی تصویر تھی جو بے خبری میں لی گئی تھی۔

گلابی کپڑوں میں ملبوس کھلے بالوں کے ساتھ وہ ہنس رہی تھی مجھے ٹھٹکتے ہوئے صرف ڈیبی نے محسوس کیا تھا باقی سب تصویریں دیکھنے میں مصروف تھے نظریں تو میں نے ہٹالیں تھیں مگر خالی پن کا سا احساس نہ گیا جیسے کچھ قیمتی کھو گیا ہو۔

واپسی کے سفر میں شائنہ مسلسل بولتی رہی اور مجھے اس کا بولنا سخت برا لگتا تھا۔

رات یونہی کروٹیں بدلتے بدلتے ڈھائی بجے کے قریب میں نے ڈیبی کو فون کیا تھا۔

''شہروز مجھے وہ تصویر چاہیے۔'' مجھے پتا تھا وہ جانتا ہے کہ کون سی تصویر۔

''یہ کہنے کے لئے تم صبح کا انتظار نہیں کر سکتے تھے؟'' نیند میں اس کی جھنجلائی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

''نہیں۔'' یہ میرا جواب تھا۔

اور پھر ایک روز وہ حادثہ ہوا جس نے میری زندگی کو بدل کر رکھ دیا، جو ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا اس کی موت ہو گئی اور میں مفلوج۔

جب اس سفید دیواروں، سفید فرنیچر اور سٹریلائزڈ کمرے میں میری آنکھ کھلی تو میرا جسم زخموں سے چور تھا، ہاتھوں شانوں، بازوؤں اور سینے پر پٹیاں بندھی تھیں سب سے پہلے میری نظر کس پر پڑی تھی جن کی آنکھوں کے شفاف کانچ میں دراڑیں سی پڑی ہوئی تھیں ڈیڈ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر مسکرائے تھے مگر ان کے بظاہر پرسکون تاثرات کی تہہ میں طوفان موجزن تھا کوئی انہونی تھی جو ہو گئی تھی۔

ہمیشہ دوسروں کو حادثات میں معذور ہوتے دیکھ کر میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے، شاید میں خود کو Uncreakable سمجھتا تھا، خدا میرے ساتھ ایسے کیسے کر سکتا ہے؟

میری دولت، خوبصورتی کچھ بھی حادثے اور معذوری سے نہ بچا پائی تھی۔

اور شائنہ آئی تھی مجھ سے ملنے نیلی جینز کے اوپر سفید کرتا پہنے، گلابی آنکھیں لئے وہ ساکت سی میرے پاس بیٹھی رہی تھی جیسے حقیقت کو حلق سے اتارنے کی کوشش کر رہی ہو، اس کی کیفیت ایسی تھی جیسے قیدی کو سزائے موت سنا دی گئی ہو، مجھے لگا وہ میرے لئے دکھی ہو رہی تھی مگر در حقیقت وہ اپنے لئے پریشان تھی۔

اگلے روز میں نے شائنہ کے والد کو فون کر کے بتایا کہ میں منگنی ختم کر رہا ہوں، میری معذوری کو قبول کرنا میرے لئے تو مشکل تھا ہی سب سے زیادہ تکلیف دہ ڈیڈ کے لئے تھا۔

اگلا پورا سال انہوں نے میرے لئے تھیراپسٹ پہ تھیراپسٹ بدلتے ملکی و غیر ملکی میڈیکل پروفیشنلز کی خدمات حاصل کرتے گزارا، ہومیو پیتھی، ایلو پیتھی، یونانی طریقہ علاج سے لے کر قدیم چینی علاج تک سب کچھ مجھ پر آزما ڈالا فقیروں سے دعائیں کروائیں مزاروں پر حاضریاں دیں مگر یہ سب بے سود تھا، ایک روز میں چیخ پڑا۔

''نہیں ہوں گا میں ٹھیک دوبارہ کبھی نہیں چل سکوں گا بس کر دیجئے اب۔''

''آج یہ بات کہی ہے دوبارہ مت کہنا۔'' انہوں نے جواباً کہا تھا اور تب مجھے ان پر بے تحاشا ترس آیا تھا، جس کا اکلوتا جوان بیٹا معذور ہو جائے اور وہ اس حقیقت کو قبول نہ کر پائے اس پر تو ترس ہی کھانا چاہیے۔

اور بالآخر ڈیڑھ سال بعد جب اس اندازہ ہو گیا کہ ان کے بیٹے کے لئے کوئی معجزہ نہیں ہونے والا تب انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ڈاکٹرز کے مطابق انہیں آرام اور سکون کی ضرورت تھی کسی قسم کی ذہنی دباؤ اور پریشانی ان کی زندگی کے لئے خطرہ تھا، کاروبار سے ان کی توجہ ہٹ گئی تھی اور وہ کمرے تک محدود ہو گئے۔

تب میں نے خود کو سمیٹا ایک ایسے بین الاقوامی ادارے کے پروفیشنلز کی خدمات حاصل

کیں جو معذور اور وہیل چیئر تک محدود لوگوں کو حتی المقدور اپنا کام خود کرنا سکھاتے ہیں۔

میں نے بغیر سہارے کے خود کو بیڈ سے وہیل چیئر اور وہیل چیئر سے کرسی یا کموڈ پر خود کو منتقل کرنا سیکھ لیا میری گاڑی آٹو میٹک ہے آفس میں لفٹ موجود ہے گھر میں سیڑھیوں کے علاوہ سلائیڈ راستے بنے ہوئے ہیں تاکہ وہیل چیئر کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں مشکل نہ ہو۔

میں نے اپنی زندگی اور لائف اسٹائل کو اپنے معذور وجود کے لئے بدل کر رکھ دیا میرے بیڈ روم کا واش روم میرے آفس کا واش روم ایک معذور شخص کے لئے Easy to use ہیں، میرے واش روم میں میرے لئے خصوصی طور پر بنائے گئے سنک کی اونچائی دو فٹ ہے کموڈ کے ساتھ والی دیواروں پہ ہینڈلز لگے ہیں جو مجھے اسے استعمال کرنے میں مدد دیتے ہیں مگر میں ایک حیات کی توانائیوں سے بھرپور وجود کو ان بے جان اشیاء کی طرح نہیں بدل سکتا اور نہ ایسا کرنا چاہتا ہوں۔

کاروبار کی ذمہ داری مجھ پر آپڑی تو میں نے بالآخر اسے اپنی پوری توجہ سے چلانے کا سوچ لیا، ڈیڈ خوش ہوئے تھے انہیں لگنے لگا تھا کہ ان کا بیٹا مکمل طور پر ناکارہ نہیں ہوا، کمپنی کی پچھلے چند سالوں کی رپورٹس دیکھنے، پر مجھے اندازہ ہوا کہ کاروبار دن بدن زوال کی طرف رواں تھا عوامل میں خرابی نہیں تھی، اس میں کام کرنے والے لوگوں میں خرابی تھی۔

اور دھیرے دھیرے میں نے دو قدم اٹھانا شروع کیے جو کئی لوگوں کے لئے برے ثابت ہوئے لوگوں کی جابز ختم ہوئیں پراپیگنڈہ پھیلایا گیا، بزنس سے متعلق لوگوں میں میں بے رحم باس کے نام سے پہچانا جانے لگا، میں نے ست الوجود اور کاہل لوگوں کے لیے کوئی این جی او نہیں کھول رکھی تھی یہ میری کمپنی تھی اور مجھے ثابت کرنا تھا کہ میں اسے بہتر طور پر چلا سکتا ہوں، میری ٹانگیں مفلوج ہوئی تھیں دماغ نہیں۔

ملک میں اتنی بے روزگاری ہے تو میں ان لوگوں کا انتخاب کیوں نہ کروں جو اپنے کام سے مخلص اور ہنرمند ہیں۔

حادثے کے بعد میں نے دوستوں سے ملنا بند کر دیا ان کی گرمجوشی کے جواب میں میری طرف سے سرد مہری ہی ہوتی ان سے مل کر مجھے اپنے پرانے دن یاد آتے تھے، جو میرے لئے تکلیف دہ تھا، ڈیبی کے سوا کوئی نہ بچا تھا اس دوستی میں بھی زیادہ ہاتھ اسی کا تھا۔

اور ان چار برسوں میں نقش حیات کی کون سی سرگرمی تھی جس سے میں باخبر نہیں رہا تھا وہ کون سے پراجیکٹس کر رہی ہے، اس نے کب بریسز لگوائے کب نئی گاڑی خریدی وغیرہ وغیرہ، میں ایک بہترین سٹاکر (پیچھے کرنا والا) تھا اسے دیکھنا اس کی خبر رکھنا مجھے اچھا لگتا تھا۔

اور پھر ایک دن مجھے آرکیٹیکٹ کی خدمات لینے کی ضرورت محسوس ہوئی، پیراڈائز بلڈرز کے اظفر زمان سے میرے اچھے تعلقات تھے اور جب نقش حیات نے سیکرٹری سے اپائنٹ منٹ لی تو مجھے معلوم ہوا کہ دعائیں کس طرح قبول ہوتی ہیں۔

اتنے سالوں کے بعد ہونے والی اس پہلی ملاقات میں میں نے اس کے چہرے پر اپنے لئے ترحم تمسخر یا ہمدردی جیسے تاثرات تلاش کرنے کی کوشش کی تھی مگر مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی ٹوٹے کانچ کا سا تاثر تھا جو مجھے دیکھ کر ممّا کی آنکھوں میں اتر آتا تھا۔

اسے لگا تھا کہ میں اسے بھول گیا ہوں گا کتنی بے تکی بات تھی کیا کوئی سانس لینا بھول سکتا ہے؟ اس سے ملاقاتوں کے دوران مجھے اپنے گرد برقی رو سی دوڑتی محسوس ہوتی، دن زیادہ روشن لگنے لگتا اور فضا مہکی مہکی سی محسوس ہوتی۔

ہسپتال میں اسے اپنی دادی کے لئے روتا دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی ہمیشہ مضبوط رہنے والی نقش اس وقت بے حد کمزور محسوس ہوئی تھی میں اسے تحفظ دینا چاہتا تھا اس کے سارے غم چھین لینا چاہتا تھا۔

مگر پھر میں نے سوچا کیسا تحفظ؟ کیا کوئی اپاہج شخص کسی کو بہتر تحفظ فراہم کر سکتا ہے، اسے مجھ سے بہتر شخص کی ضرورت تھی جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے اسے صحیح معنوں میں تحفظ دے سکے۔

میں نے اس کی نگاہوں کی تحریر پڑھی تھی، وہ مجھ سے اقرار سننا چاہتی تھی مگر میں ایسا کر کے اس کی راہ کھوٹی کیوں کرتا میرے پاس اس کے لئے خساروں کے سوا کچھ بھی نہیں میرے ساتھ زندگی گزارنا اس کا ایک وقتی جذباتی فیصلہ ہوتا تھوڑے دن وہ خوش بھی رہتی مگر آگے کی ساری زندگی کا بوجھ ایڈجسٹ کرتی، ایک وقت آتا جب مجھے دیکھ کر اس کے ماتھے پر شکن آجاتی وہ مجھے خود پر بوجھ تصور کرنے لگتی، ساری محبت ہوا میں تحلیل ہو جاتی۔

اس سے بہتر ہے وہ کسی اور کے ساتھ شادی کرے وقتی دکھ مسلسل عذاب سے بہتر ہے اس کا ایک محبت کرنے والا شوہر ہو بچے ہوں، خوبصورت سا گھر ہو تو سب کچھ بھول جائے گی اور میں یونہی اس کی سرگرمیوں کا حساب رکھ کے اس غیر اخلاقی وغیر قانونی حرکت کا ارتکاب کیا کروں گا جو میں پچھلے چار سالوں سے کرتا آ رہا ہوں۔

اس کی زندگی خوش وخرم بسر ہو گئی تو میری زندگی بھی سہل ہو جائے گی، ہر کہانی کا Haooily everafter ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

تعارف روگ بن جائے تو اس کا بھولنا بہتر
تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا اچھا
وہ افسانہ جسے انجام تک لانا نہ ممکن
اسے اک خوبصورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھا
چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں

☆☆☆

ولید کے خود کے لئے ناکارہ اپاہج جیسے الفاظ استعمال کرنے سے مجھے بے حد تکلیف ہو رہی تھی کیونکہ میں اس کی ماں ہوں، چاہنے کے باوجود وہ نقش کو اپنانا نہیں چاہتا وہ نہیں جانتا وہ اسے کتنا چاہتا ہے، شائنہ کے ساتھ منگنی کے دوران ایک مرتبہ بھی میں نے اس کی آنکھوں میں ویسی چمک نہیں دیکھی جیسی نقش کی موجودگی میں اس کی آنکھوں میں آ جایا کرتی ہے۔

پہلے روز ہی اسے دیکھ کر مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہی وہی لڑکی ہے جس کی تصویر ولید نے البم میں چھپا کر رکھی ہے اور جس کے متعلق شہروز کہتا تھا کہ ولید اسے پسند کرتا ہے۔

محبت ایسی چیز ہے جس کی خوشبو بھی پھیل جاتی ہے اس کے پر نہیں ہوتے پھر بھی سات آسمانوں کا چکر لگا آتی ہے، اسے براق نصیب نہ بھی ہو، اس کا تخیل ہی اس کی سواری ہے، محبت تو وہ امرت ہے جو اگر کوئی چکھ لے آگ اس کے لئے گل وگلزار ہو جایا کرتی ہے۔

ولید کے کمرے سے میں باہر آئی تو عبد الرزاق نے بتایا کہ نقش آئی تھی وہ ولید سے ملے بغیر ہی چلی گئی تھی تو یقیناً اس نے کچھ نہ کچھ سن لیا تھا جو اسے نہیں سننا چاہیے تھا۔

ایک مریض محبت اندر بیٹھا ہے اور ایک خالی ہاتھ واپس جا چکا ہے ایک کو ڈر ہے اپنے بوجھ بننے کا دوسرے کو لگتا ہے اظہار و اقرار میں پہل لڑکیوں کا شیوہ نہیں اور میں زہرا ہاشم اپنے بیٹے کی خوشی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

☆☆☆

دو ماہ بعد۔

ولید کے سامنے سفید رنگ کا کارڈ موجود تھا جس کے کنارے سنہری رنگ میں نہائے ہوئے تھے اور سنہری رنگ میں ہی یہ روح فرسا خبر درج تھی کہ اب سے ایک ہفتے بعد نقش حیات کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔

کارڈ دیکھ دیکھ کر اس کا دل کٹ رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی ہڈیوں سے گوشت کا ریشہ ریشہ الگ کیا جا رہا ہو، اپنی سیکرٹری کو انٹرکام پر آدھے گھنٹے بعد ہونے والی میٹنگ کینسل کرنے کے ساتھ ساتھ کسی کو آفس آنے سے بھی منع کر دیا تھا۔

اسے اپنا آپ نہایت احمقانہ محسوس ہو رہا تھا جو یہ سوچتا رہا تھا کہ وہ اس احساس کے ساتھ جی سکتا ہے کہ نقش کسی اور کی بیوی ہے شام کو وہ گھر کی دہلیز پر وہ ولید کی بجائے کسی اور کا انتظار کرے گی وہ اپنے کام سے لوٹتا ہوا اس لئے پھول لائے گا اور نقش کو دیکھتے ہی اپنی ساری تھکن بھول جائے گا نقش کی محبت، پیار اور خلوص کسی اور کے لئے ہو یہ ولید ہاشم کے لئے آگ میں جلنے کے مترادف تھا وہ کتنا بیوقوف تھا اس نے اپنے ہاتھوں ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار دی تھی۔

''ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں۔'' کے مصداق اس نے اظہار میں بہت دیر کر دی تھی اور اب وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔

''ولید ہاشم کیسے جی پاؤ گے؟ سانس بھی کیسے لو گے؟'' وہ خود سے مخاطب ہوا۔

وہیل چیئر کو گھسیٹتے ہوئے وہ آفس سے باہر نکل آیا تھا۔

''سر!'' اس کی سیکرٹری نے اسے پکارا تھا مگر اسے نظر انداز کر کے وہ عمارت کے خارجی دروازے کی طرف بڑھا تھا، اسے دیکھتے ہی گارڈز آگے بڑھے تھے مگر ولید نے ہاتھ سے انہیں پیچھے رہنے کا اشارہ کیا، بغیر کسی کی مدد سے وہ مشکل سے گاڑی میں سوار ہوا اسٹارٹ کی اور احاطے سے باہر نکال لایا، دھیان بٹانے کی خاطر اس نے اسٹریو آن کیا تو گانا بھی اس کے دل کا ترجمان نکلا۔

I have been waiting all this time to say it,
But now i see your heart been taken,
And nothing could be worst,
Baby i loved you first

اذیت سے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی، گاڑی کب پیراڈائز انٹر پرائز کے سامنے روکی اسے پتہ بھی نہ چلا وہ کیا کرنے آیا تھا، کیا کہنے؟ نہیں جانتا تھا۔

لفٹ کے ذریعے وہیل چیئر سمیت اوپر والے فلور پر نقش کے آفس پہنچا تو وہ اچانک یوں اسے سامنے پا کر چونک گئی تھی آخری دفعہ ولید کے گھر میں سنے جانے والے الفاظ کی گونج اسے پھر سے سنائی دینے لگی تھی ولید بدلا بدلا سا کیوں دکھائی دیتا تھا، کوئی ہیلو نہ سلام۔

''تم ٹھیک ہو؟'' نقش نے پوچھا۔

''ہاں مجھے کیا ہونا کیا مجھے کچھ ہونا چاہیے تھا؟'' وہ کمال ضبط سے بولا۔

''کیا یہ سوچ رہی تھی کہ میں اس کی شادی کارڈ دیکھ کر غش کھا کر گر پڑوں گا۔'' اس نے دل میں سوچا، جبکہ نقش اس کے جواب پر حیرت سے دیکھنے لگی کیا بے تکا جواب تھا۔

''ادھر سے گزر رہا تھا سوچا شادی کی مبارکباد دیتا چلوں۔'' وہ عام سے انداز میں لاپرواہی سے بولا۔

''کس کی شادی؟'' نقش کی حیرت دو چند تھی۔

''تمہیں مبارکباد دینے آیا ہوں تو ظاہر ہے تمہاری شادی کی بات کر رہا ہوں نا۔'' وہ ہلکا سا ہنسا اور اس کے لئے نجانے اسے کتنا جتن کرنا پڑا تھا۔

''اوہ یہ تم سے کس نے کہا؟''

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ نقش حیات دعوت نامہ بجھوا کر بھول جانے والوں میں سے ہے۔''

''کون سا دعوت نامہ؟'' نقش کو سمجھ میں نہ آ رہا تھا وہ کیا بات کر رہا تھا۔

''یہ والا۔'' ولید نے کوٹ کی اندرونی جیب سے کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا نقش نے پکڑ کر کھولا تھا اس میں درج تھا کہ اگلے ہفتے نقش حیات کی شادی کسی عاشر حمید سے ہونے جا رہی تھی حتیٰ کہ بینکویٹ ہال کا نام تک لکھا تھا۔

''یہ کوئی سنگین مذاق ہے میری شادی کسی سے نہیں ہو رہی اور نہ یہ کارڈ میں نے بھجوایا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے تم کسی سے شادی نہیں کر رہی؟'' ولید حیرت سے بولا۔

''ہاں۔'' نقش نے جواب دیا۔

''اور یہ کارڈ بھی نقلی ہے۔''

''ہاں۔''

''آر یو شیور تم اس سے عاشر حمید سے شادی نہیں کر رہی؟'' ولید کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

''میں اس نام کے کسی بندے کو جانتی تک نہیں۔''

''تمہیں یقین ہے؟''

''تم کیا سننا چاہتے ہو ایک مرتبہ بولا نا میں کسی سے شادی نہیں کر رہی اور ویسے تمہیں اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے میں کسی سے شادی کروں نا کروں ابھی نا سہی کبھی نہ کبھی تو مجھے شادی کرنا ہی ہے نا۔'' وہ اسے جتاتے ہوئے بولی۔

''تم کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے کسی کی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتے تو بس ٹھیک ہے۔'' اس کی بات پر ولید کے چہرے پر شاک کے سے تاثرات آ گئے۔

''تم نے میری اور مما کی باتیں سنی تھیں یہ بہت ہی غیر اخلاقی حرکت ہے۔''

''ٹھیک ہے میں اخلاق سے عاری ہی سہی۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''نقش میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا آج اس کارڈ کے ملنے تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ اگرچہ میں تم سے محبت کرتا ہوں بہت محبت کرتا ہوں مگر میں تمہارے بغیر رہ سکتا ہوں لیکن میں غلط تھا۔'' وہ پورے جذب اور بے قراری سے بولا، نقش نے نظریں جھکا لیں۔

''تم ہمیشہ سے میرے لئے اہم رہی ہو، اس وقت سے جب مجھے اس کا ادراک بھی نہیں تھا، اس روز سے جب ہم پہلی مرتبہ ملے تھے شاید اس سے بھی پہلے جب خدا نے ساری روحوں کو اکٹھا کر کے اپنے واحد رب ہونے کا اقرار کروایا تھا مگر میں خود سے اس کا اعتراف کرنے سے ڈرتا تھا مجھے لگتا تھا محبت مجھ جیسے لوگوں کے لئے بنی ہی نہیں یا میں خود محبت کے لئے نہیں بنا تھا مجھے کیا

معلوم تھا محبت ایسا پودا ہے جو بنجر اور خشک جگہوں پر بھی اگ آتا ہے۔" ولید کے لفظوں کی سچائی اس کے لہجے سے چھلک رہی تھی نقش میز کے دوسری جانب بیٹھے ہوئے مسحور ہو کر سن رہی تھی۔

"تمہیں نہیں معلوم نقش تم سے کلاس میں بحث کرنے کی خاطر میں ساری ساری رات بیٹھ کر اسٹڈی کرتا کوئی شارٹ اسٹوری ملتی تو میں اس کے منفی کردار کی حمایت کے لئے دلائل اور منطقیں ڈھونڈتا تھا۔"

نقش کو Rappaccin,s daughter والی اسٹوری یاد آ گئی جب ولید نے پروفیسر Rappaccini کو فرشتہ ثابت کرنے کے لئے زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔

"ایسا میں اس لئے کرتا تھا تا کہ تمہیں چڑا سکوں غصہ دلا سکوں تمہیں Snnaggle tooth کہہ کر تنگ کرنے کے پیچھے بھی میرا یہی مقصد تھا، مجھے ڈر تھا تم مجھے بھول نہ جاؤ میں تمہارے دماغ سے محو نہ ہو جاؤں میں تمہاری سوچ میں شامل رہ کر تمہاری ذات کا حصہ رہنا چاہتا تھا۔"

"مگر میرا دل اس سے بڑھ کر کچھ چاہتا تھا میں چاہتا تھا تم بھی مجھے چاہو اپنی اس خواہش کو دباتے دباتے میں تھک گیا کہ سوچا تمہارے سامنے جا کر محبت کا اعتراف کر لوں اور ویلنٹ ڈے پر اپنی اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تمہیں کوریڈور میں آواز دی تھی اور محبت کا اعتراف کی بجائے کچھ اور ہی کہہ ڈالا، تمہارے ردعمل سے مجھے مایوسی ہوئی، غصہ بھی آیا اور بہت برا بھی لگا مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ اطمینان بھی ہوا کہ شکر ہے میں نے دوستی مانگی محبت نہیں ورنہ تب تم یہ سب کہتی تو مجھے کس قدر تکلیف ہوتی۔"

وہ تکلیف دہ انداز میں ہنسا، نقش نے افسوسانہ انداز میں اپنا نچلا ہونٹ کاٹا۔

"شائنہ سے منگنی میں نے دھیان بٹانے کے لئے کی تھی مگر یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ مجھے تب تک محبت کی شدت کا ادراک نہیں تھا تم پاس آؤٹ ہو گئیں بظاہر نظروں سے اوجھل مگر تم پھر بھی مجھے یاد آئی تھیں میں جب جب شائنہ کو دیکھتا مجھے تم یاد آتیں میں جب جب شائنہ کے سوا کسی چیز کو دیکھتا تھا مجھے تم یاد آتیں تھیں۔" نقش کے سانس سینے میں اٹکنے لگی کیا ایسا اظہار کسی نے سنا ہو گا، ایسی سچائیاں کسی کی سماعتوں نے سنی ہوں گی جو رگوں میں خون کی طرح شامل ہو کر روح کے تمام زخموں کے لئے مرہم ثابت ہوں۔

"اور ایک روز میں گاڑی لے کر تمہارے گھر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔"

"تم میرے گھر کا ایڈریس جانتے تھے؟" وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

"اگر آپ کے پاس ڈیبی جیسا دوست ہو تو سب ممکن ہے، وہ صبح کا وقت تھا میں ساری رات کا جاگا تھا جیسے ہی سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی تھی میں گاڑی لے کر تمہارے گھر کے سامنے آ گیا، سفید پینٹ پر پیرٹ گرین شرٹ پہنے تم آفس جانے کے لئے گھر سے باہر آئی تھیں، تمہاری گاڑی اسٹارٹ ہونے سے لے کر آفس پہنچنے تک میں نے تمہارا پیچھا کیا تھا۔" نقش کے چہرے پر حیرت امڈ آئی۔

"اور...... اور اگلے چار سالوں تک کرتا رہا۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا، نقش ولید کو شاک کے عالم میں دیکھتی جا رہی تھی۔

"اور میں بے خبر رہی۔" چند لمحوں کے وقفے سے وہ بولی۔

"تم اکثر واپسی پر چائنیز ریسٹورنٹ رکتی

تھیں تب مجھے معلوم ہوا تمہیں چائنیز ڈشز پسند ہیں، زیادہ تر تم پانچ بیس تک آفس سے باہر نکل آتیں تھیں اگر نہیں نکلتی تھیں تو میں گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرتا تھا۔"

"روز؟" نقش نے سوال کیا۔

"روز تو نہیں آفس جوائن کرنے کے بعد اتنا وقت ہی کہاں ملتا تھا کہ عمارت سے باہر بھی نکل سکوں مگر میرے گارڈز اور سیکرٹری کے لئے یہ بات اب بھی معمہ ہے کہ میں ایک مخصوص وقت پر اکثر کہاں چلا جاتا ہوں، یہ نہیں جانتے دل جس طرف کھینچ کے لے جاتا ہے چلا جاتا ہوں۔"

"جب وہ بھیانک حادثہ ہوا مجھے لگا میرے سارے خواب ساری خواہش ختم ہو گئی ہوں، میر دماغ میری ٹانگوں کو چلنے کا حکم دیتا اور وہ بات ماننے سے انکاری ہو تیں، ان دنوں مجھے تم بہت یاد آئیں نقش، بے حد، ہر سانس کے ساتھ، زخموں کی ہر ٹیس کے ساتھ۔" نقش کے دل کو کچھ ہوا، وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے پنجوں کے بل آ بیٹھی اور اسے اس بات کی پرواہ بھی نہ رہی کہ آفس میں کوئی اچانک آ جاتا تو کیا سوچتا۔

"ڈیڈ میرے وہیل چیئر استعمال کرنے کے خلاف تھے انہوں نے میرے لئے دو ہیلپرز رکھے تھے جو کمرے سے واش روم جانے اور باہر کہیں آنے جانے کے لئے مجھے اٹھا کر لے جاتے، ایک روز ایک ہیلپر چھٹی پر تھا میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا میری آنکھ کھلی تو شدید پیاس سے حلق میں کانٹے سے چبھتے ہوئے محسوس ہوئے، دوسرے ہیلپر کو آواز دی مگر جواب ندارد، شاید وہ مجھے سوتا پا کر باہر چلا گیا تھا حالانکہ دونوں کو سختی سے میرے آس پاس رہنے کی ہدایت تھی۔"

"مگر قصور ان کا بھی نہیں تھا، کون شخص دن رات ایک اپاہج شخص کے ساتھ بندھ کر گزارنا پسند کرتا ہے چاہے اس کام کی آپ کو تنخواہ ہی کیوں نہ ملتی ہو اور اپاہج بھی وہ جو بجائے تحمل سے بات کرنے کے ہر بات پر غصہ کھائے چلا کر بات کرے اور بے بسی میں رونے لگے۔" نقش نے ولید کے گھٹنے پر اپنا سر رکھ دیا اور دو آنسو چپکے سے کپڑوں میں جذب ہو گئے، وہ سن رہی تھی تو اسے تکلیف ہو رہی تھی ولید پہ تو بیتی تھی۔

اگلا آدھا گھنٹہ میں نے ہیلپر یا کسی دوسرے ملازم کو پکارنے میں گزارا انٹرکام اٹھانے لگا تو وہ سائیڈ ٹیبل کے دوسری طرف جا گرا اپنا ذاتی سیل فون میں چند روز قبل غصے میں آ کر پہلے ہی توڑ چکا تھا، وہ میرے لئے بدترین وقت تھا میری صرف ٹانگیں مفلوج ہوئی تھیں مگر میں جیسے مکمل طور پر ناکارہ ہو گیا تھا، بے بسی میرے ہر مسام سے پھوٹنے لگی تھی۔

"میں نے بیڈ سے اتر کر کھڑا ہونے کی کوشش کی مجھے لگا شاید کوئی معجزہ ہو جائے گا مگر کھڑا ہونے کی کوشش میں میں لڑکھڑایا اور میرا سر سامنے شیشے کی میز پر جا لگا ایک گھنٹے بعد کسی نے مجھے وہاں بے ہوش پڑا دیکھ کر ڈاکٹر کو بلایا خون خاصا بہہ گیا تھا مگر میں بچ گیا اور اس روز مجھے احساس ہوا اگر کسی نے مجھے سنبھالنا ہے تو وہ میں خود تھا۔" نقش کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں شدت آ گئی اس نے سر اٹھایا اور دھندلی ہوئی نگاہوں سے ولید کو دیکھا۔

"آئی ایم ساری۔" نمی کے بوجھ تلے بھیگتی آواز سے وہ بولی۔

"مجھے معاف کر دو ولید کہ تمہارا درد بانٹنے کی بجائے میں سرے سے تمہارے درد ہی سے بے خبر رہی۔" ولید نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پر روکے۔

''ایک اعتراف میں بھی کرنا چاہتی ہوں ولید، پچھلے تمام سالوں میں جب سے میں ولید ہاشم کے نام اور وجود سے آشنا ہوئی کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب میں نے تمہاری ہمراہی کا خواب نہ دیکھا ہو، تمہارے ساتھ کی تمنا نہ کی ہو، جب جب دادی نے میرے سامنے کسی کو لا کھڑا کیا، تمہارے علاوہ کسی کے ساتھ کا تصور بھی گناہ محسوس ہوتا تھا۔''

''شائنہ کے ساتھ تمہاری منگنی کے بعد بھی میری آس ختم نہ ہوئی، مجھے کبھی اپنا آپ تمہارے ہم پلہ نہ لگا اس لئے ہمیشہ محبت کے احساس کو جھٹلاتی رہی تمہارے سامنے رہ کر نقش حیات بظاہر پتھر کی بنی رہی لیکن یونیورسٹی سے نکل کر احساس ہوا یہ پتھر تو کب کا پگھل چکا تھا، نقش حیات نقش حیات کہاں رہی تھی، ولید ہاشم بن چکی تھی۔'' ولید ہلکا سا ہنسا۔

''اور دیکھو محبت کو جھٹلانے کے باوجود ہم محبت کے گرد ہی طواف کرتے رہے، ہم ایک جگہ سے مخالف سمت میں دائرے میں چلتے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے ہی آ کھڑے ہوئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''میں مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا ہوں تمہیں اپنی زندگی کا حصہ بنا چکا ہوں میں تمہاری زندگی کا حصہ بننا چاہتا ہوں میں وعدہ کرتا ہوں کہ آنے والے ہر لمحے میں تم سے اتنی محبت کروں گا کہ لافانی داستانوں کا ہر کردار حسد محسوس کرے گا، تمہارے دامن میں اتنی خوشیاں بھر دوں گا کہ شب کو تمہارے قہقہوں کی گونج آسمان سے تاروں کو ٹوٹ کر گرنے پر مجبور کر دے گی، تمہاری زندگی میں اتنی آسودگی ہوگی کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے تمہارے چہرے کے نور کا صدقہ اتاریں گے۔''

''نقش حیات تم نقش ولید بننا پسند کرو گی؟'' دھیمے سے مسکراتے ہوئے وہ اپنے سامنے بیٹھی نقش سے استفسار کر رہا تھا سوال کر رہا تھا اس شخص سے جس سے محبت نے انکار کی طاقت ہی چھین لی تھی۔

ولید کی آواز اور الفاظ شبنم بن کر اس کے دل کو قرار بخشتے چلے گئے ایک خوبصورت سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور سراثبات میں ہل گیا۔

بھیگی آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں، دھوپ چھاؤں کا یہ امتزاج ولید نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور مسکرا تو وہ بھی رہا تھا ایسی آسودہ مسکراہٹ جیسے دنیا میں غم جیسا کوئی لفظ وجود نہ رکھتا ہو۔

فرشتے تو پہلے ہی آسمان سے اترنا شروع ہو چکے تھے وہ منظر اس قدر خوبصورت تھا کہ جس کے آگے دوسری ہر خوبصورتی ہیچ تھی کیونکہ وہ خالص جذبوں سے سجا انمول منظر تھا۔

''ولید!'' نقش ہولے سے گویا ہوئی۔

''ہاں۔''

''یہ کارڈ کس نے بھیجا ہوگا، اتنا بڑا مذاق کون کر سکتا ہے؟''

''مما کے علاوہ وہ کون کر سکتا ہے انہوں نے مجھے ٹریک پر لانے کے لئے یہ نقلی شادی کا کارڈ بھجوایا ہوگا۔'' وہ دونوں مسکرا دیئے۔

''Unever know۔'' ان کی بے خبری اور اپنے کارنامے پر ان سے چند کلومیٹر دور ڈیبی مسکرایا تھا، صرف محبت ہی نہیں دوستی بھی خدا کی طرف سے ودیعت کیا گیا آسمانی تحفہ ہے۔

☆☆☆

ام ایمان قاضی

کلاس روم سے باہر آ کر فلاح نے حرم کی تلاش میں نگاہ دوڑائی پھر آ کر اپنے مخصوص گوشے میں بیٹھ گئی اسے پتہ تھا کہ حرم بھی فارغ ہو کر سیدھی یہاں آئے گی، حرم نہ صرف اس کی ماموں زاد تھی بلکہ بہت اچھی دوست اور کلاس فیلو بھی تھی، بی ایس سی میں صرف ایک مضمون کے فرق کی وجہ سے صرف ایک پیریڈ میں وہ الگ ہو جاتی تھیں ورنہ سارا دن ان کا یک جان دو قالب والا معاملہ ہوتا تھا اور ہوا بھی وہی صرف پانچ منٹ کے وقفے سے حرم اسے سامنے سے آتی دکھائی دی، صبح ہی صبح میتھس جیسا خشک مضمون اوپر سے مسز قمر جیسی سخت گیر پروفیسر، دنیا بھی خشک خشک سی لگنے لگتی ہے حرم نے آ کر اس کے پاس گھاس پر کتابیں رکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے تمہارا موڈ کچھ آف لگ رہا ہے؟'' وہ صحیح اس کی مزاج شناس تھی اور اس کی مزاج کی معمولی سی تبدیلی کو بھی فوراً بھانپ لیا کرتی تھی۔

''تمہیں تو پتہ ہی ہے، ہمارے گھر کا، گھر کے ماحول کا، ابا کی عادتوں کا بھی اور امی کی بے بسی، کچھ بھی تو تم سے چھپا ہوا نہیں ہے، گھر ہمارا ہے پر جب سے ہوش سنبھالا ہے ہم نے تائی کا سکہ ہی اپنے گھر پر رائج دیکھا ہے، یہاں سے کوسوں دور بیٹھ کر بھی وہ دیہاتی عورت اس قدر حاوی ہے کہ گھر میں ہونے والی چھوٹی سے چھوٹی بات، بڑے سے بڑا قصہ وہی نبیٹاتی ہے۔'' بے زاری اس کے لفظ لفظ سے ہویدا تھی۔

''یہ تو ہوئیں پرانی باتیں روز ہی سنتی ہوں، نیا کیا ہوا ہے۔'' حرم نے اپنا بیگ کھولتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''اتنی دور بیٹھ کر بھی انہوں نے ہمارا امی کا جینا حرام کر رکھا ہے اور اب نیا جو فیصلہ صادر ہوا

مکمل ناول

ہے اس نے تو سمجھ ہوش ہی اڑا دیئے ہمارے، محترمہ اپنی آل اولاد سمیت شہر شفٹ ہونے کا پکا ارادہ رکھتی ہیں، وجہ بیان کی جاتی ہے کہ گاؤں میں بیٹیوں کو نہیں بیاہنا ہے شہر کے رشتے کریں گی اور ہمارے ابا ٹھہرے سدا ان کی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے والے، جھٹ آفر دے ڈالی کہ شہر میں آکر کسی دوسری جگہ کیوں رہنا جب اپنا گھر موجود ہے اب دوسرا پورشن جو کرائے داروں کے پاس ہے، ان کو ایک مہینے کا شارٹ نوٹس بھی دے دیا ہے گھر خالی کرنے کا، ایک لگی بندھی معقول آمدنی کا ذریعہ تو ہاتھ سے گیا سو گیا، اس عورت اور اس کی بیٹیوں کی ہمہ وقت سر پر موجودگی کے خوف نے عجیب ٹینشن ڈال رکھی ہے، امی نے دبے لفظوں میں کچھ کہنا چاہا ہے تو ایک بار پھر کل گھر کا وہی ماحول تھا جو ہر بار دیکھنے پر بھی پتہ نہیں کیوں ابھی تک عادی نہیں ہو پائی ہوں، امی کی حیثیت اپنے ہی گھر میں ایک تیسرے درجے کی شہری کی سی بھی نہیں ہے اور آج تک خاندان میں قصے مشہور ہیں ان کی پسند کی شادی کے، اگر پسند کی شادی کا یہ انجام تھا تو اگر ناپسند ہوتیں پھر کیا ہوتا۔"

"ہوں...... مسئلہ تو واقعی سنگین ہے لیکن ایسا ہے کہ خالی پیٹ تو عام بات بھی سر سے اوپر گزر جاتی ہے ایسی سیریس بات پر کیا سوچا جا سکتا ہے، حوصلہ رکھو اور یہ شامی کباب کھاؤ، امی نے خاص طور پر تمہارے لئے بنا کر بھیجے ہیں، جلدی کرو پھر اگلے پیریڈ کی بیل ہونے میں چند ہی منٹ رہ گئے ہیں۔" حرم نے غیر محسوس طریقے سے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی اور زبردستی اس کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا پتہ تھا کہ بے حد حساس سی فلاح احمد معمولی معمولی باتوں پر کڑھ کر کھانے سے جی چرالیا کرتی تھی۔

فلاح کے ابا احمد حسن کے ماں باپ ان کے بچپن میں وفات پا گئے تھے، جمیلہ ان کی خالہ زاد اور بھابھی تھیں، انہوں نے ہی ان کی پرورش کی اور آج تک اس احسان کا بدلہ سود سمیت لیتی آ رہی تھیں، احمد حسن کو پڑھنے کا بے حد شوق تھا جبکہ محمد حسن واجبی سے پڑھے ہوئے تھے اور زمینیں سنبھالتے تھے، جمیلہ نہیں چاہتی تھیں کہ احمد حسن شہر جا کر مزید تعلیم حاصل کرے پر محمد حسن نے میٹرک کے بعد انہیں شہر بھجوا دیا، ابھی بی ایس سی میں تھے کہ اپنے دوست کی بہن کو دیکھ کر دل ہار گئے، نوٹس لینے کے لئے دروازہ کھٹکھٹانے پر جس شخصیت نے دروازہ کھولا اس نے گویا دل کی دہلیز پر ہی قدم رکھ دیئے، اگرچہ احمد حسن ابھی اپنی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے گھر بنانے کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے پر دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر بے حد جھجکتے ہوئے پہلے اپنے دوست کے آگے دست دراز کیا، سلیم جو کہ رخسانہ کا بھائی تھا یہ سن کر بے حد خوش ہوا کیونکہ وہ دونوں بہن بھائی اپنی بھابھی کے ستائے ہوئے تھے، وہ تو لڑکا تھا پھر بھی گھر وغیرہ سے باہر نکل جایا کرتا تھا اصل شامت رئیسہ کی آئی رہتی تھی جس کو بڑی مشکل سے بھابھی نے ایف اے مکمل کرنے دیا اور اپنے گھر اور بچوں کے بکھیڑوں میں اتنا کھپا دیا کہ وہ چاہنے کے باوجود بھی آگے تعلیم حاصل کرنے کا نام نہ لے سکی، سلیم نے اپنی بھابھی سے چھپ کر پہلے بھائی کو اعتماد میں لیا، دل سے تو وہ بھی بہن کا بھلا چاہتے تھے سو سلیم سے کہا کہ اپنے دوست کو کہے کہ جلد ہی اپنے گھر والوں کو لے کر باضابطہ رشتہ مانگنے کے لئے آئے، احمد حسن نے بے حد خوشی خوشی محمد حسن اور جمیلہ بھابھی کو بتایا، بھائی کو بہت خوش ہوئے البتہ بھابھی نے خوب جذباتی ہو کر کہا کہ انہوں نے

اسے اولاد کی طرح چاہا ہے اور پالا ہے وہ اپنی مرضی کی لڑکی اس گھر میں لانا چاہتی تھیں، لیکن جہاندیدہ عورت تھی جب دیکھا کہ لاڈلا دیور ہر صورت اس لڑکی کو گھر میں لانے کو تیار ہے اور میاں بھی کوئی خاص اعتراض نہیں کر رہے ان نے اپنی بچھائی بساط پر ایک اور چال چل دی۔

"ہمارے لئے تو تم ہی ہماری اولاد ہو سب کچھ ہو، تمہاری خواہش اور مرضی سر آنکھوں پر، پر ڈر صرف اس لئے لگتا ہے احمد حسن! یہ جو شہری لڑکیاں ہوتی ہیں ناں ان کے عجیب ہی طور طریقے دیکھے اور سن رکھے ہیں اتنی جلدی میاں کو قابو کر کے گھر بار سے الگ کر کے لے جاتی ہیں کہ ماں باپ بیچارے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور تم تو ہو بھی پرائی اولاد جتنا بھی اپنی اولاد کی طرح پیار کر لیں چاہ لیں، حقیقت تو یہی ہے ناں۔" لہجے میں مصنوعی یاسیت لاتے ہوئے وہ ایک آدھ آنسو بھی کھینچ کھانچ کے لے آئیں، احمد حسن تڑپ ہی اٹھا، فوراً ہی چارپائی سے اٹھ کر ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔

"کیا بات کرتی ہیں بھابھی، اپنے ماں باپ کے نقوش تو بے حد دھندلے سے ہیں دل پر، ماں باپ کی جگہ پر تو آپ کو اور بھا کو ہی دیکھا ہے میں نے، اگرچہ مجھے یقین ہے کہ سلیم اور اس کے گھر والے ایسے ہرگز نہیں ہیں جیسے آپ سوچ رہی ہیں پر پھر بھی میں وعدہ کرتا ہوں کہ رئیسہ بھی آپ کو وہی عزت دے گی جو احمد حسن دیتا ہے، ہم آپ کو کبھی چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔"

اسی قسم کی تسلیوں اور یقین دہانیوں پر مشتمل پکا وعدہ تھا جو اس دن احمد حسن نے اپنی بھابھی سے کیا تھا اور آنے والے دنوں اور ماہ و سال میں وہ وعدہ پھیل کر پوری زندگی کا احاطہ کر گیا، رشتہ لے جانے سے لے کر شادی تک بھابھی نے خوف و اندیشوں کا اظہار کر کر کے احمد حسن کے لئے آنے والی عورت کو ایک ہوا ہی بنا چھوڑا اور وہ اپنی بھابھی کی تسلی کے لئے پہلے دن سے آج تک ہر چیز جھٹلاتے چلے آئے، بیوی سے محبت، بیوی کے حقوق، رئیسہ جو اپنی بھابھی کے مظالم سے جان چھڑا کر سنہرے سپنوں کی راہ گزر پر قدم رکھ کر احمد حسن کے ہمراہ آئی تھی تو پہلے دن سے ہی احمد حسن پر جمیلہ نامی ایک عورت کا بے جا تسلط محسوس کر کے چپ رہ گئی۔

ابھی احمد حسن بمشکل کمرے میں ہی آیا تھا کہ جمیلہ بھابھی کے دل گھبرانے کی اطلاع اسے وہاں سے اٹھ کر جانے کو مجبور کر گئی، نئی نویلی دلہن کے ارمان اور نوخیز جذبے جمیلہ بھابھی کی تیمار داری اور تسلیوں اور تشفیوں میں دب گئے، پھر ایسا ہوا کہ اسے تو سانس بھی اس عورت سے پوچھ کر لینا پڑتا تھا اور زندگی اپنے گھر سے بھی کہیں زیادہ کٹھن تھی جمیلہ بھابھی نے اس کے آنے سے پہلے ہی گاؤں میں احمد حسن اور اس کے عشق کے چرچے اس حد تک پھیلا دیئے کہ ہر آنے والی عورت تنقیدی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات کا برملا اظہار بھی اس کے سامنے کر جاتی۔

"اچھا تو یہ ہے جمیلہ تمہاری دیورانی جو احمد حسن کے عشق میں گھر سے بھاگنے کو تیار تھی، توبہ ہے بھئی ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا جاتا ہے شکل مومناں کرتوت کافراں۔"

وہ پلٹ کر ضرور جواب دیتی اگر جو شریک زندگی کا اعتماد حاصل ہوتا وہ تو اسے اس گھر میں لا کر اس کی زندگی کی ڈور جمیلہ بیگم کے ہاتھ میں دے کر اپنی بھابھی کے سامنے سرخرو ہو گیا تھا اور اسے بھی پہلے دن سے خصوصی ہدایت جاری کی تھی کہ پسند کی شادی کر کے وہ پہلے ہی اپنی بھابھی

کے سامنے ایک عظیم گستاخی کا مرتکب ہو چکا ہے
اب ساری زندگی اسے بھابھی کی خادمہ بھی بن کر
رہنا پڑے تو اف نہ کرے۔
ابھی زندگی کے اسرار و رموز کو بھابھی کی
فطرت کو سمجھنے میں ہی لگی ہوئی تھی کہ سولہ سال بعد
بھابھی کے ہاں اللہ کا کرم ہو گیا اور وہ امید سے
ہو گئیں، سارا گھر تو پہلے ہی اس کے حوالے کر چکی
تھیں صرف کام کے حوالے سے باقی حکمرانی اپنی
کی تھی گھر پر، اب تو بالکل ہی ہاتھ پیر چھوڑ کر صحیح
معنوں میں مہارانی بن کر بیٹھ گئیں، احمد حسن اب
شہر میں ایم ایس سی کر رہا تھا ابھی ان کے گھر میں
فون نہیں لگا تھا، نئی نئی دلہن کو وہ لمبے لمبے خطوط بھی
لکھتا تھا پر اس میں کوئی ایک آدھ جملہ اس کی
جھولی میں خیرات کی طرح ڈال دیا جاتا کہ کیسی
ہو؟ بس باقی صرف ہدایتیں ہوتیں، جمیلہ بھابھی
کا ایسے خیال رکھو ویسے خیال رکھو، اب تو یہ حال
ہو گیا کہ وہ خط کو ایک نظر دیکھ کر بے زاری سے
ایک طرف ڈال دیتی، محمد حسن بھاء اس کے ساتھ
شفقت سے پیش آتا لیکن وہ مرد تھا، زمینیں ساری
سنبھالی ہوئی تھیں انہوں نے، صبح کا ناشتا کر کے
نکلتے، دوپہر کا کھانا مزارعے کو بھیج کر منگوا لیتے پھر
رات کو ہی واپس لوٹتے۔ ایسے میں جمیلہ بیگم اس
راجدھانی کی ملکہ ہوتیں اور رئیسہ کو ایک کنیز کا
درجہ دینے کو بھی تیار نہ تھی، رئیسہ کے بڑے بھائی
اس کی شادی کے بعد سعودیہ چلے گئے تھے اور کچھ
ہی عرصے میں اپنی پوری فیملی کو بھی سلیم سمیت وہاں
بلوا لیا تھا، کبھی سلیم کا ہی بھولا بسرا خط آ جاتا، انہی
دنوں جمیلہ بیگم ایک بیٹے کی ماں بن کر فرعون کا
مرتبہ ہی خود کے لئے منتخب کر بیٹھی۔
احمد حسن کو محکمہ پبلک ہیلتھ میں ایک اچھی
نوکری مل گئی تھی جب رئیسہ کے ہاں آئمہ نے جنم
لیا تھا، سلیم کی شادی کی خبر انہی دنوں اسے ملی تھی
وہ ابھی تک بڑے بھائی کے ساتھ ہی تھا سعودیہ
عرب میں، وہیں ایک پاکستانی فیملی کی لڑکی سے
شادی ہو گئی تھی اس کی، احمد حسن کی وہی روٹین تھی
وہ پورے ایک ہفتہ کے بعد آتے، انہی دنوں
جب رئیسہ ماں بننے کی عجیب سی سرشاری میں مبتلا
ہو کر یہاں کی بے رخی اور جمیلہ بھابھی کی
زیادتیوں کو بھولی ہوئی تھی جمیلہ بھابھی کی ایک اور
زیادتی پر گنگ رہ گئی جب اسے محسوس ہوا کہ اپنے
بچوں میں بے حد مصروف ہونے کے باوجود بھی
جمیلہ بھابھی آئمہ کو اس کے پاس نہ رہنے دیتیں،
بہانا یہ ہوتا کہ تمہیں کون سا بچے پالنے کا تجربہ ہے
بیمار ہی نہ کر دو بچی کو اور حد تو تب کر ڈالی جب ان
کو اس کے دودھ پلانے پر بھی اعتراض ہوا کہ
یقیناً تمہارا دودھ خراب ہے جو بچی صحت مند ہی
نہیں ہو رہی، صرف دو ماہ بعد جمیلہ بھابھی نے
آئمہ کو دودھ چھڑوا کر اسے گائے کے دودھ پر لگا
دیا اور فیڈر دینے لگیں، اب جو دن میں دو تین بار
آئمہ کو وہ دودھ پلانے کے لئے خود کے پاس
لے آتی اب وہ بھی نہ ہو سکتا، ہر بار آئمہ کو جب
وہ اٹھانے کو لپکتی بھابھی یا تو اسے کسی کام سے لگا
دیتیں یا بچی کو فوراً اٹھا لیتیں اس سے پہلے بھلا بچی
ایڑیاں رگڑ رگڑ کر کیوں نہ رو رہی ہوتی، اس
صورتحال نے اسے حد درجہ پریشان کر ڈالا اتنا کہ
وہ جانتے ہوئے بھی احمد حسن اپنی بھابھی کے ہر
عمل کو جائز قرار دیتے ہوئے اسے چپ کرا دیں
گے اور کوئی منطق ڈھونڈ ہی لائیں گے ان کے
سامنے پہلی بار اپنا دکھ رو بیٹھی کہ یہ گھر کے کسی کام
کاج یا کسی اور زیادتی کا قصہ نہ تھا بلکہ اس کی
اولاد پر کسی کے تسلط کی بات تھی۔
”اُفوہ، پڑھی لکھی ہو کر عجیب جاہلوں والی
باتیں کرتی ہو رئیسہ بیگم، میں تو ڈر ہی گیا تھا
تمہارے رونے سے کہ بھلا کیا ایسا ہو گیا حالانکہ

میں نے دیکھا ہے بھابھی نے تمہیں ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ہوا ہے اور اب تو بچی کے کاموں سے بھی آزاد کر دیا ہے پر عجیب ناشکری عورت ہو، ایک بار بھی خوشی نہیں دیکھی تمہارے چہرے پر جب سے اس گھر میں آئی ہو کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ ہو نہ ہو تمہاری زندگی میں کوئی اور تھا جبھی تو میری ہمراہی تمہیں کوئی خوشی ہی نہیں دے پاتی۔"

رئیسہ اپنا رونا بھول بھال کر یک ٹک احمد حسن کو دیکھے چلی گئی۔

"اُف خدایا! یہ مرد ذات کو کتنا شوق ہوتا ہے بات کو اپنے مطلب کے معانی پہنا کر خود ہی نتائج اخذ کرنے کی۔" وہ ساری رات آئمہ کو بھول کر منہ پھلائے میاں کی مناتی رہی کہ اس کے ساتھ میں ہی اس کے لئے دونوں جہاں کی مسرتیں ہیں اور اس کی زندگی میں نہ کوئی تھا نہ ہوگا وہ اس سوچ کو ذہن سے نکال دیں، پھر شاید قسمت کو اس پر رحم آ گیا تھا جو احمد حسن مسلسل ہوٹل کے کھانے کھا کر اس حد تک بیمار پڑ گئے کہ جان کے لالے پڑ گئے۔

نوکری وہ چھوڑ نہیں سکتے تھے سو مجبوراً رئیسہ کو شہر لے جانا پڑا لیکن سات ماہ کی آئمہ اپنی تائی سے اتنی ہل گئی تھی کہ شہر آ کر احمد حسن تو رئیسہ کی مسلسل توجہ اور دیکھ بھال سے ٹھیک ہو گئے آئمہ بیمار پڑ گئی مجبوراً احمد حسن کو اسے بھابھی جمیلہ کے پاس گاؤں چھوڑ کر آنا پڑا، کیونکہ اسے کوئی دودھ راس نہیں آ رہا تھا اس کا پیٹ بے حد خراب ہو گیا، بے حد کمزور اور چڑچڑی ہو گئی، فون پر بھابھی کی ہدایات ملیں کہ بچی کو فوراً ان کے پاس واپس لایا جائے اس کی ماں کو بھلا کیا سلیقہ بچے پالنے کا، احمد حسن کب جمیلہ بیگم کی بات ٹال سکتے تھے سو فوراً ہی آئمہ کو ساتھ لیا اور رئیسہ کو بھی ساتھ چلنے کو کہا،

رئیسہ نے جو کیلئے رہ کر احمد حسن کی محبت اور توجہ کے کچھ رنگ سمیٹے تھے انہیں اتنی جلدی کھونا نہیں چاہتی تھی سو احمد حسن کی طبیعت کی خرابی کا جتا کر فی الحال واپس جانے سے انکار کر دیا باوجود اس کے اپنی سگی اولاد سے جدائی پر دل بہت کرلایا، کیونکہ اسے جمیلہ بیگم کی فطرت سے آگاہی ہو چکی تھی، وہ اپنے اردگرد ہر چیز کو اپنے زیر تسلط دیکھنے کی عادی تھی، انسانوں کو بھی، احمد حسن نے نوکری کے بعد اخراجات کی حد میں مخصوص رقم بھی بھابھی کے ہاتھ میں رکھنا شروع کر دی تھی۔

پھر رئیسہ بھی ایک بے دام ملازمہ کی صورت اس کی حاکمانہ فطرت کی تسکین کے لئے آ گئی تھی، آئمہ کو اپنے سے مانوس کرنے کا مطلب یہی تھا کہ رئیسہ کبھی بھی احمد حسن کے پاس شہر نہ جا سکے لیکن رئیسہ اس کے بعد کبھی گاؤں گئی ہی نہیں، احمد حسن کی پوری زندگی میں رئیسہ نے وہ واحد ضد تھی جو کی تھی کہ اب اسے گاؤں نہیں جانا، اس کی ضد سے ہار مان کر احمد حسن چپ ہو گئے اگرچہ جمیلہ اب بھی جب وہ مختلف مواقعوں اور تہواروں پر جاتے اسی حوالے سے بہت کچھ سنا دیتی اور اصرار کرتی کہ رئیسہ واپس آ جائے لیکن رئیسہ اب اس عورت کی باتوں میں آنے والی نہیں تھی سو مسکرا کر چپ کر جاتی پھر شہر میں ہی فلاح اور علی اس کو دو جڑواں بچے ہوئے جبکہ تائی جمیلہ کے ہاں عائزہ کا مزید اضافہ ہو گیا تھا، سلیم بھائی کی ایک بیٹی حرم اور تھی، وقت یونہی گزرتا رہا احمد حسن جب بھی گاؤں کا چکر لگا کر آئے رئیسہ بیگم زندگی بھر کی اچھائیاں برائیوں میں بدل چکی ہوتیں۔

آنے والے کئی دن بھابھی بیگم کے فرمودات کی روشنی میں گزرتے، تائی نے اپنے بچوں کے ساتھ آئمہ کی تربیت بھی اسی نہج پر کی تھی اپنی فطرت کے مطابق، حاکمانہ فطرت کے ساتھ

ساتھ، لگائی بجھائی، کن سوئیاں لینا، خود پسندی کی تمام خصوصیات تائی کی تمام اولاد میں بدرجہ اتم آگئی تھیں، آئمہ کو بھی انہوں نے پالا تھا تو وہ کیسے اس تربیت سے بچی رہ سکتی تھی، عمر اگرچہ تعلیم میں مصروف رہنے کے لئے باعث اپنی ماں بہنوں جیسی دیگر فتی خصوصیات تو نہیں رکھتا تھا پر حاکمانہ مزاج اس نے ماں سے بھی بڑھ کر پایا تھا۔

عمر کے سوا تائی کی اولاد میں تعلیم میں دلچسپی بھی واجبی سی تھی، لڑکیاں دونوں ہی آٹھویں سے آگے نہ پڑھ سکی تھیں، حالانکہ فلاح اور علی پڑھائی میں بے حد اچھے تھے۔

رئیسہ کی بیٹی ہونے کے باوجود فطرت اور عادات میں پوری کی پوری تائی جمیلہ پر گئی تھیں، روٹین کے مطابق چلتے حالات میں بھنور تب پڑا جب محمد حسن معمولی سی بیماری کی وجہ سے خالق حقیقی کو جا ملے تھے، احمد حسن پر بھائی کی وفات نے بہت گہرا اثر چھوڑا تھا اب وہ جمیلہ بھابھی اور ان کے بچوں کا زیادہ خیال کرنے لگے تھے اور عمر کی ایک بڑی کمپنی میں جاب ملتے ہی تائی نے پورے خاندان سمیت شہر کی طرف رخت سفر باندھا تھا اور ابا کے سوا کسی کو بھی تائی کا یہ فیصلہ کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا، صرف تین ہی دنوں میں پورا پورشن سیٹ ہو چکا تھا اور کل شام ہی تائی کا پورا خاندان ان کے گھر آ چکا تھا، رئیسہ نے فلاح کو ملا کر پورا کھانا بنایا تھا، حرم کو بھی فلاح نے بلوا لیا تھا۔

پچھلے تین سال سے سلیم اپنی بیوی بچوں سمیت پاکستان آ چکا تھا، حرم اور فلاح جو ہم عمر بھی تھیں عادات و مزاج کی ہم آہنگی ان کی گہری دوستی کا سبب بنی تھی، جبکہ فلاح، حرم اور علی کے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں میں بیدار ہوتے الوہی جذبات سے بھی آگاہ تھی اگرچہ زبانی و کلامی ان میں کبھی یہ بات نہ ہوئی تھی کہ کچھ باتیں اور جذبے ان کہے ہی اچھے لگتے ہیں، علی میڈیکل کے تیسرے سال میں تھا اور ہوسٹل میں ہوتا تھا اس کا چکر تقریباً ہر ماہ بعد یا پھر کسی تہوار کے موقع پر لگتا تھا، ابھی تین دن پہلے ہی تو وہ گھر سے ہو کر گیا تھا، حرم بھی تائی کی فیملی کے آنے سے پہلے واپس چلی گئی تھی، فلاح پڑھتے پڑھتے چونک کر سیدھی ہوئی کوئی دھپ سے اس کے پاس آ کر گرا تھا، اس نے ناگواری سے سر اٹھا کر دیکھا وہ آئمہ تھی شکل وصورت میں اس سے بے حد مشابہہ مگر عادات میں بے حد مختلف۔

”کیا ہے یار، گاؤں میں تو ہم اتنا مصروف اور مزے کی زندگی گزارتے ہیں کبھی یہاں کبھی وہاں، اگر ہم کسی کے گھر نہیں گئے تو اکثر کوئی نہ کوئی خود آیا رہتا ہے مگر یہاں تو یہ جیسے الو بول رہے ہو ہر طرف۔“ اس کے بیزاری سے کہنے پر فلاح نے طویل سانس لیتے ہوئے بک بند کر کے ایک طرف رکھی اور اس کی طرف پوری طرح سے متوجہ ہوئی، کیونکہ پتہ تھا کہ اس کی موجودگی میں وہ اپنی توجہ بک کی طرف مرکوز نہیں رکھ پائے گی۔

”تمہیں یہ بوریت اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ تم لوگوں کے پاس کوئی ایکٹیویٹی نہیں ہے، آج تم بھی کالج یا یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ ہوتیں اگر جو تعلیم جاری رکھتیں پھر یہ بیکار کا رونا نہ ہوتا کہ بوریت ہے۔“

”ارے واہ کیوں نہیں ہے ایکٹیویٹی کوئی گھر کا سارا کام کون دیکھتا ہے ہم بہنیں ہی ناں، وہ تو آج کیبل نہیں آ رہی ورنہ اس وقت تمہارے پاس وقت ضائع نہ کر رہی ہوتی، اور ان موٹی موٹی کتابوں سے تو بابا ہمیں دور ہی رکھو، ویسے بھی اماں کہتی ہیں زیادہ پڑھنے لکھنے سے لڑکیوں کا دماغ خراب ہوتا ہے، سو ہوتا ہے شکل پہ الگ

پھنکار برسنے لگتی ہے۔“

یہ آئمہ کے خیالات نہیں تائی جمیلہ کے احساسات کی چھاپ تھی جوان کی ساری اولاد پر بے حد گہری تھی۔

”ویسے ایک بات تو بتاؤ روز کالج جاتی ہو، کہیں کوئی چکر وکر تو ضرور ہوگا، یہ تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ اتنا عرصہ شہر میں رہو، باہر کا رستہ بھی دیکھا ہوا ہو اور کوئی آنکھ مٹکا نہ ہوا ہو، چھپانا مت، آخر کو ہوں تو تمہاری بہن ناں۔“ اس نے جس طریقے سے آگے کو جھک کر آنکھ مار کر فلاح کو کہا وہ ضبط سے سرخ پڑ گئی۔

”اپنے یہ نادر خیالات اپنے تک ہی محدود رکھو تو زیادہ بہتر ہے، انسان کے کردار اور عادات و اطوار کا شہر یا دیہات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بس نیت اور سوچ صاف رکھنی چاہیے، اس لئے تو میں تمہارے پاس بیٹھتی نہیں ہوں، مجھ سے چھوٹی ہو تم لیکن باتیں ایسی عالمانہ فاضلانہ جیسے پتہ نہیں ستر سالہ بوڑھی کو من رہے ہو اور اس میں برا ہی کیا ہے بھلا، لڑکی جوان ہو خوبصورت ہو تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی زندگی میں کوئی لڑکا نہ ہو۔“ وہ منہ بنا کر بولی۔

”تم بھی تو جوان اور خوبصورت ہو، تمہاری زندگی میں کوئی لڑکا ہے؟“

”ہاں ہے ناں۔“ فلاح کے پوچھنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”اب ہر کوئی تمہاری طرح آدم بیزار تھوڑی ہوتا ہے، ساجدہ ہے ناں میری دوست وہ ملکوں کی بیٹی، اس کا بھائی ہے ملک اسد، یہ لمبا چوڑا پورے گاؤں میں ایسا کوئی گھبرو جوان نہیں ہے پھر پڑھا لکھا، لیکن آئمہ احمد حسن کسی سے کم ہے کیا، پہلی نظر میں ہی دیوانہ ہو گیا ہے میرا، کہتا ہے شادی کروں گا تو صرف تم سے جبکہ اس کی ماں تو اپنی بھانجی کو بہو بنانا چاہتی ہے۔“ وہ پتہ نہیں کیا کیا قصے سنا رہی تھی جبکہ فلاح منہ کھولے آئمہ کو دیکھے گئی اور آخری بات جو اس نے کی اس نے تو آئمہ کو بے حد تشویش سے دوچار کر دیا، اس کی لمبی چوڑی محبت کی داستان کے بعد اس نے بتایا کہ وہ پہلے تو تب ملا کرتے تھے جب ملک اسد شہر سے گاؤں آتا تھا اب تو ان کو زیادہ آسانی ہو گئی ہے کہ آئمہ خود شہر آ گئی سو وہ خود ہی مل آئی تھی آ سے، ملک اسد بھی ان کے شہر آ جانے سے بہت خوش ہے۔

”یہ..... یہ ٹھیک نہیں ہے آئمہ، اگر وہ مخلص ہے تمہارے ساتھ تو اسے کہو سیدھے طریقے سے رشتہ بھیجے ورنہ اس کی قسم کی محبتیں سوائے رسوائی اور ذلت کے کچھ نہیں دیتیں، تم خدا کے لئے آئندہ یہ ملنے ملانے والا سلسلہ بند کر دو، امی اور ابا کو پتہ چل گیا تو بہت برا ہوگا۔“ فلاح کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنی نادان بہن کو کن الفاظ میں سمجھائے کہ وہ ایسے ہر فعل سے باز آ جائے جس میں خود اس کی اور اس کے ماں باپ کی عزت کی رسوائی کا سامان پوشیدہ ہو۔

”لو تم خوامخواہ ہی ڈر رہی ہو، یہی تو دن ہوتے ہیں زندگی کا حسن محسوس کرنے کے، لطف اٹھانے کے، امی ابا کا تو تمہیں بھی پتہ ہوگا کہ جوانی میں زوردار چکر چلا تھا پھر ہی ابا ان کو بیاہ کے لئے آئے تھے، یہ جوانی ایسی ہی ہوتی ہے دیوانی۔“ لاپرواہی سے ٹانگیں جھلاتے آئمہ بولی تو فلاح ناگواری سے اسے بس دیکھ کر رہ گئی۔

”اب سارا وقت یہ لیکچر کا پروگرام ہوگا کیا، کچھ کھانے پینے کو ہی لے آؤ یار۔“ صرف مشکل میں وہ فلاح کی بہن تھی سارے اطوار تائی جمیلہ کے اس میں موجود تھے۔

”بیٹھو میں کچھ لاتی ہوں لیکن آئندہ مجھے

یار وار جیسے بیہودہ القاب سے مت پکارنا۔'' فلاح اٹھتے ہوئے بولی جبکہ آئمہ اس کی کسی بات کا نوٹس لیے بغیر ادھر اُدھر گھوم پھر کر اس کا کمرہ اور چیزیں بے تکلفی سے دیکھنے لگی۔

''سنو! یہ تائی کو پتہ ہے اسد ملک والے معاملے کا۔'' جب آئمہ اس کے بنائے ہوئے نگٹس مزے سے کھا رہی تھی تو اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں ناں ہے، یہ تم شہری لوگ ہوتے ہو دل کے کھوٹے، اوپر سے کچھ اندر سے کچھ، ہم تو بابا جیسے اوپر سے ہیں ویسے ہی اندر سے، اماں ہماری سب باتوں سے واقف ہیں وہ کہتی ہیں دیکھنا جلد ہی اسد ملک اپنی ماں کو لے کر آئے گا، آخر معمولی حسن تو نہیں ہے میری آئمہ کے پاس، عائزہ کا بھی جب مراد سے چکر چلا اس نے آ کر اماں کو سچ سچ بتا دیا تھا، وہ تو اماں کو ہی پسند نہیں آیا ٹٹ پونجیا، اماں نے کہا میری بیٹی کے لئے بھی جدی پشتی فقیر رہ گیا ہے کیا، پھر عائزہ بھی اس سے رابطہ ختم کر دیا۔''

وہ تائی جمیلہ کی بیٹی کا کھاتہ کھولے بیٹھی تھی، فلاح حیرت و صدمے سے گنگ بس سنتی رہی، امی نے اسے تائی جمیلہ کے اپنے ساتھ سلوک کی گئی باتیں بتائی تھیں پر ان کی شخصیت کا یہ پہلو شاید اب تک مخفی تھا ان سے لڑائی جھگڑا، بدفطرتی اور بدگمانی تو خصلت تھی ان کی، پر بیٹیوں کی تربیت اس نہج سے کرنا کہ وہ غلط اور صحیح راہ میں تمیز ہی نہ کر سکیں، یہ بات فلاح کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی، تھوڑی دیر میں تائی جمیلہ، عائزہ کے ساتھ ہی آ دھمکیں اور پھر ان سب نے رات کا کھانا کھا کر ہی اپنے پورشن کو کوچ کیا، ابا اس روز بہت خوش تھے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ کھانے کی ٹیبل پر موجود ایک ایک ڈش کا ہر ہر نوالہ تائی کی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں سے کھلائیں رات تک عمر بھی تشریف لے آیا تھا تائی کی بیٹیوں کی نسبت وہ سنجیدہ رہا اور فلاح کو تو کسی حد تک اکھڑ بھی لگا، رات کو اگرچہ رئیسہ بیگم بے حد تھکی ہوئی تھیں فلاح پہلے تو تذبذب سے کچھ سوچتے ہوئے ان کے پیر دابتی رہی جب انہوں نے اسے دعائیں دیتے ہوئے اٹھ جانے کو کہا کہ صبح کالج بھی جانا ہوگا تو ابا کی غیر موجودگی کو غنیمت جانتے فلاح نے مناسب لفظوں میں آئمہ کی کہی ہوئی باتیں رئیسہ بیگم کے گوش گزار کر دیں، ان کی نیند آرام سب اڑ ہو گیا، متوحش ہو کر اٹھ بیٹھیں۔

''یہ کیا ہو گیا فلاح؟ کیسی تربیت کی ہے بچیوں کی، ارے کیسی ماں ہیں یہ؟ مائیں تو بچیوں کے قدم غلط راہ کو مڑتے دیکھ کے سنبھل جاتی ہیں ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں اور یہاں خود بھابی بیگم غلط راستوں کی نشاندہی میں بھی آگے آگے ہیں، میرے اللہ! رحم فرما مجھ پر، میری بچیوں پر سب کی بچیوں پر۔'' رئیسہ بیگم رو ہی پڑی تھیں، فلاح نے ان کے ہاتھ پکڑ کر سہلائے اور تسلی دی۔

''کیا کرتی ہیں امی پریشان ہونے یا رونے سے تھوڑی مسائل کے حل نکلا کرتے ہیں، ایسا ہوتا تو آج آپ سب سے زیادہ خوش ہوتیں، آپ صرف یہ کریں تائی جمیلہ سے بات کریں اس لڑکے کا پتہ وغیرہ لیں کہ کیسا ہے کون ہے وغیرہ وغیرہ، پھر اس سے مل کر فیصلہ کیا جائے کہ آیا وہ اس قابل ہے تو جلدی سے آئمہ کو رخصت کیا جائے تاکہ بات مزید بگڑنے نہیں بلکہ کسی حد تک سنور ہی جائے، ابا لگتا ہے آ رہے ہیں آپ جلدی سے اپنا موڈ ٹھیک کر لیں ورنہ ان کو ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو تائی جمیلہ کا کیا ہے ہمیشہ کی طرح سارا ملبہ ہم پر ڈال کے خود ہاتھ جھاڑ کے

دور کھڑی ہو جائیں گی۔" باہر سے ابا کے کھنکھارنے کی آواز سن کر اس نے رئیسہ بیگم کو کہا تو انہوں نے فوراً سے پیشتر آنسو پونچھ لیے۔

"کیا بات ہے تم ابھی تک سوئی نہیں؟" احمد حسن نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سرسری سا فلاح سے پوچھا کہ مقررہ وقت پر رئیسہ کی دوائی کھلا کے دودھ وغیرہ دے کر اپنے کمرے میں چلی جایا کرتی تھی پھر دو تین گھنٹے سٹڈی کر کے پھر علی الصبح بیدار ہو جایا کرتی تھی جبکہ آج کافی ٹائم ہو چلا تھا۔

"جی ابا بس جا رہی تھی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"رئیسہ بیگم ایسا کرو، یہ کھانے وانے کا انتظام یہیں پر ہی کر لیا کرو، بھابھی بیگم اور بچیاں ہاتھ بٹا دیا کریں گی اب گھر ایک ہے تو اچھا نہیں لگتا الگ الگ ہانڈی چولہے کا سسٹم ہو، میں بھابھی بیگم کو بھی کہہ آیا ہوں۔" احمد حسن کی آواز آتے آتے فلاح کے کانوں میں پڑ ہی گئی۔

"تو آج ابا کا لیٹ ہو جانے کا سبب تائی جمیلہ کی یہ پٹی تھی، جو ابا نہ صرف پڑھ کے بلکہ یاد کر کے آئے ہیں، ہونہہ تائی اور ان کی بیٹیاں کیا خاک مدد کریں گی الٹا امی کے لیے جھنجھٹ بڑھ گیا ہے۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے سوچ گئی یکسو ہو کر پڑھنا ممکن نہ رہا تو کتابیں سمیٹ کر ان نے ایک طرف رکھیں اور لائٹ آف کر کے لیٹنے لگی تھی کہ فون کی بیل پر چونک گئی، فون پر علی تھا، سوائے آئمہ والی بات کے وہ اپنی ساری الجھنیں ہمیشہ کی طرح اس سے بانٹ کے ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"میں تو بہت پہلے ہی سے امی سے کہتا آیا ہوں کہ مجازی خدا کا ادب اور فرمانبرداری بجا سہی پر انسان کو اپنے حق کے لیے تو آواز اٹھانی چاہیے، ابا کو شروع سے ہی ڈھیل دی ہے انہوں نے اب جب وہ اس طرز زندگی کے عادی ہو چکے ہیں تو مسائل تو بڑھنے ہی ہیں ناں، ابا سے تو میں تب ہی بات کرنا چاہ رہا تھا جب انہوں نے تائی لوگوں کو یہاں لانے کا فیصلہ کیا تھا، مرحوم بھائی کی کفالت ان کا فرض ہے پر اپنے بیوی بچوں کے منہ کا لقمہ چھین کے اس کو اور ان کی اولاد کے منہ میں دے دینا کہاں کی عقلمندی ہے پر امی نے ہی مجھے روک دیا تھا کہ جوان اولاد ہو کر باپ کے منہ لگو گے تو کیسا دکھ ہوگا ان کو، صرف امی کا خیال کر کے چپ ہو گیا میں۔" وہ تلخی سے بولا۔

"تائی جمیلہ کے معاملے میں ابا نے آج تک امی کی نہیں سنی تو ہم کون ہیں بھلا ان کو ٹوکنے والے، میں جانتی ہوں کہ امی چاہتی ہیں ایک بھرم جو ہم باپ اور اولاد کے درمیان ہے وہ قائم رہے۔"

"چھوڑو یہ بتاؤ کب آ رہے ہو؟"

"بس یار ان دنوں میں تو یو سمجھو سر کھجانے کی فرصت نہیں مل رہی، کالج سے ہاسپٹل ہاسپٹل سے ہوسٹل کے چکروں نے گھن چکر ہی بنا ڈالا ہے، اب تو انشاء اللہ ایگزم کے بعد ہی چکر لگے گا، تم بتاؤ تمہاری عزیزی سہیلی کا کیا حال ہے کافی دنوں سے ناراض تھی، کال ہی اٹینڈ نہیں کر رہی۔" فلاح چونکی وہ حرم کی بات کر رہا تھا ان کے درمیان کچھ ان بن ہو گئی حرم نے اسے ہوا نہیں لگنے دی تھی لیکن یہاں علی تھا اس کا عزیز از جان بھائی، اس سے اپنا ہر دکھ سکھ شیئر کرنے والا، اس نے حرم کو اچھی طرح پوچھنے کا دل میں تہیہ کرتے ہوئے علی کی تسلی کرائی جواباً اس نے اس کو اپنا امی اور ابا کا خیال کرنے کا کہہ کر کال ڈراپ کر دی تھی، صبح والی کسلمندی اور کڑواہٹ کہیں اڑنچھو ہو چکی تھی، ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا علی

حرم اور وہ تکون کے تین حصے جو اپنے اپنے دل کا احوال ایک دوسرے سے کہہ کر ہلکے پھلکے ہو جایا کرتے تھے، رات کو یہی باتیں یاد کرتے کرتے اسے نجانے کب نیند آگئی صبح نماز پڑھ کر وہ کچن میں آگئی تھی، ابا کو بیڈ ٹی دے کر ابھی آٹا گوندھ ہی رہی تھی کہ ستا ستا سا چہرہ لئے رئیسہ بیگم چلی آئیں جیسے ساری رات رتجگے میں کاٹی ہو۔

''فلاح آٹا گوندھ کے تائی سے پوچھ آؤ بیچے کیا ناشتا کریں گے، میں جب تک چائے بنا لیتی ہوں۔'' اس نے جواباً کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا پھر یہ سوچ کر چپ ہوگئی کہ امی کو سنانے کا کیا فائدہ، تائی کے گھر سوائے عمر کے سارا خاندان محو خواب تھا۔

''میرے لئے پراٹھا آملیٹ بنا دو فلاح باقی لوگ تو لیٹ ہی اٹھیں گے میں نے جلدی جانا ہے۔'' اس کے استفسار پر وہ شرٹ کی آستین بند کرتے ہوئے عجلت میں بولا، فلاح اندر تک کڑھ گئی۔

''میں وہیں آرہا ہوں، تم کہاں لاتی رہو گی یہاں ناشتہ۔'' وہ تیزی سے مڑنے لگی تھی جب اس کی آواز آئی، فلاح آہستہ سے جی کہتی واپس آ گئی عمر کے آتے ہی ابا بھی ٹیبل پر آگئے۔

''فلاح اپنی تائی اور بچیوں کو بلاؤ بیٹا ناشتہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' ابا کی شیریں لہجہ اس وقت ہوا کرتا تھا جب مخاطب تائی یا ان کی اولاد ہوتی یا ان کے بارے میں بات کر رہے ہوئے ہوتے، رئیسہ بیگم نے ابا کے آگے ناشتہ لگا دیا تھا وہ بریڈ اور فرائی ایگ پسند کرتے تھے۔

''وہ لوگ ابھی سو رہے ہیں ابا، میں ابھی ہو کے آئی ہوں۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں سیدھی کچن میں رئیسہ بیگم کے پاس آ گئی۔

''خیریت تو ہے ناں عمر! بھابھی بیگم اور بچیاں ابھی تک کیوں سو رہے ہیں۔'' فلاح کو ابا کی تشویش بھری آواز کچن میں بھی آگئی۔

''ارے احمد حسن ہر بات پر پریشان نہ ہونے لگ جایا کرو، نماز قرآن پڑھ کے لیٹی تو بس ذرا سی آنکھ لگ گئی تھی بچیاں بھی آ رہی ہیں۔'' تائی نے آ کر کرسی سنبھالی، فلاح نے رئیسہ بیگم کو زبردستی ٹیبل پر بھیجا اور خود جلدی سے توے پر ڈالے پراٹھے کی طرف متوجہ ہوئی امی اسے اکیلے کچن میں چھوڑنے پر متذبذب تھیں کہ پہلے تین لوگوں کا ناشتہ وہ بہت جلدی بنا لیا کرتی تھی۔

''اچھا تم یہ پراٹھے بنا لو میں آملیٹ بنا لیتی ہوں، عمر بیٹا لیٹ ہو جائے گا، محبت اور مروت کی پتہ نہیں کس مٹی کو گوندھ کر امی بنی ہیں کہ ان کے دل اور زبان پر کبھی شکوہ آیا ہی نہیں، عمر بیٹا، عائزہ بیٹی، بھابھی جان۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے پراٹھے بنا بنا کر ٹیبل تک پہنچاتی رہی، تائی کی بیٹیاں آئمہ سمیت تشریف لا چکی تھیں کسی ایک نے بھی کچن میں جھانکنے کی زحمت نہیں کی تھی، عمر اور ابا ناشتہ کرتے ہی اٹھ گئے تھے، فلاح بھی آدھا ادھورا ناشتہ کر کے جلدی سے کالج کے لئے دوڑی تائی کی بیٹیوں کے اٹھ جانے کے بعد رئیسہ بیگم متذبذب رہیں کہ تائی جمیلہ سے آئمہ کے حوالے سے کیسے بات کریں کہ ان کو برا بھی نہ لگے اور بات بھی زیادہ نہ بڑھ جائے کیونکہ تائی کی شر پسند فطرت سے واقف تھیں وہ ہر بات پر خود تو ہنگامہ کرتیں سو کرتیں تھیں ابا کو بھی ایسی ایسی پٹیاں پڑھاتی کہ دنوں وہ ماں بیٹیاں کڑھتی رہتی تھیں، پر ابھی وہ کچھ کہنے کے لئے تمہید باندھ ہی رہی تھیں کہ عائزہ بڑے جوش وخروش سے بھاگتی ہوئی آئی اور تائی کو مہمانوں کے آنے کی اطلاع دیتے ہوئے کچھ ایسے معنی خیز اشارے بھی کیے کہ

تائی جو مہمانوں کا سن کر بھی ٹھس ہو کر بیٹھی رہی تھیں فوراً ہی اٹھ گئیں، گھنٹہ بھر بعد جب رئیسہ بیگم ملازمہ سے صفائی کروا کے خود سبزی کی ٹوکری لئے ٹیبل پر آن بیٹھیں، تائی کے ہمراہ مہمانوں کو آتے دیکھ کر چونک گئیں۔

وہ تو بعد میں پتہ چلا کہ آئمہ کے رشتہ کے لئے گاؤں سے چوہدرائین اور اس کی شادی شدہ بیٹی آئی تھیں، تائی نے بڑی مسرت سے اطلاع دیتے ہوئے کہا جبکہ رئیسہ بیگم جن کے دل میں یہ سن کر ڈھیروں سکون اتر گیا تھا، ان دونوں خواتین کے تیور دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔

''بس بہن یہ آج کل کے بچے خاندانی عزت و وقار کو ویسی قدر نہیں رکھتے جیسی ہم لوگ کیا کرتے تھے، یہ میری بیٹی ہے بہن کی بہو بھی ہے اور اسی کی نند بھی میں نے اپنی بھانجی کو بہو بنا کر گھر لانا تھا دھوم دھام سے میرے بیٹے کی مرضی سے ہم نے منگنی کی دو سال سب ٹھیک چلتا رہا، اب کچھ عرصہ سے ضد کر رکھی ہے کہ مجھے تو یہ لڑکی پسند ہی نہیں ہے، پیار، ڈانٹ، دھمکیاں ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا، پرسوں تو ہمارے انکار پر اس نے حد ہی کر ڈالی، خواب آور گولیوں کی اچھی خاصی تعداد لے کر معدے میں انڈیل لی اب یہ تو ہماری اور اس کی قسمت اچھی تھی جو بچ گیا، بہن کا بسا بھلا اجڑ جائے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمیں مایوس مت کیجئے گا بڑی آس لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔'' پوری بات سن کر ایک گہری اور طویل سانس رئیسہ بیگم کے منہ سے آزاد ہوئی، اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ہی قصور وار سمجھ رہی تھیں آئمہ کے اپنے بیٹے سے رابطہ کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا انہیں بلکہ وہ بھلی بانس اچھی خاصی رنجیدہ نظر آ رہی تھیں، اپنے بیٹے کی حرکتوں پر، تائی جمیلہ نے البتہ ان سے رسمی طور پر وقت ضرور مانگا کہ کیونکہ وہ بیوہ ہیں تو اپنے دیور اور بیٹے سے مشورہ کر کے بتائیں گی، وہ اچھی امید رکھیں، ابا نے ریڈی میڈ کھانا اور پھل بھجوا دیئے تھے شاید آئمہ یا عائزہ نے ہی ان کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی، ابا کو کب اعتراض ہونا تھا اگر تائی نے ہاں کر دی تھی، ایک ہفتہ کے اندر اندر ان لوگوں نے دو تین چکر لگائے اور شادی کی تاریخ لے کر گئے، گھر کی پہلی شادی تھی سو سب ہی پر جوش تھے، حرم کو بھی رئیسہ بیگم نے بلوا لیا تھا کہ فلاح کے ساتھ ہو گی تو دونوں مل کر اچھا خاصا کام سمیٹوا لیں گی، آئمہ سے ویسے بھی ان کو امید کم ہی ہوتی تھی جبکہ اب تو وہ دلہنوں والے پروٹوکول کے ساتھ تھی، علی نے مہندی والے دن پہنچنا تھا، رئیسہ بیگم کو ایک بار پھر دکھ کا سامنا کرنا پڑا جب ابا نے خطیر رقم کا چیک آئمہ کی شادی کے لئے سب کے سامنے تائی جمیلہ کے ہاتھ میں دیا تھا اس پل تائی کی فخریہ اور کچھ جتاتی نظریں رئیسہ بیگم کو اندر تک چھید گئی، خیر ماں تھیں آئمہ کو تائی جمیلہ کو سونپ کر بھی ایک ماں کا دل تو ان کے پاس تھا ہی کئی چیزیں اب تک سینت چکی تھیں کئی کی خریداری کر آتیں تو بعض دفعہ فلاح جھگڑا بھی کرتی۔

''مت خوار کیا کریں ان بے فیض لوگوں کے لئے خود کو، آپ کیوں ہلکان کرتی ہیں خود کو جب بڑی تائی ہیں اس گھر کی، سارا انتظام ان کے کہنے پر چل رہا ہے روپے پیسے کی وہی مالک ہیں، ہم کسی گنتی میں ہی نہیں تو ایسی ذلالت کا فائدہ۔'' حرم ہیں ہیں کرتی رہ گئی پر اس نے سرخ چہرے کے ساتھ بات مکمل کر کے دم لیا۔

''تم ہی سمجھاؤ بیٹا اس کو اچھی بھلی سمجھدار ہو کر بھی کبھی بے وقوفوں جیسی باتیں کر جاتی ہے، آئمہ اولاد ہے میری، اس لئے جتنا بھی کر دوں

گی وہ میرا احسان نہیں ہے اس پہ، میری محبت ہے، ویسی ہی جیسی میں اس سے کرتی ہوں جہاں تک بات تمہارے ابا کی ہے ان کی فطرت بری نہیں ہے بس تربیت ہی ہوتی ہے جو شخصیت میں بگاڑ اور سنوار لے آتی ہے، تمہاری تائی کی مرضی سے شادی نہ کر کے آج تک زیر بار ہے اور تاوان میں ہر چیز تمہاری تائی کے حوالے کر دی، ہمارے حصے کی توجہ، میرے گھر کی راجدھانی، میرے بچوں کے حقوق، پھر بھی میرے اللہ کا مجھ پر خاص کرم ہے، مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں ہے اولاد، گھر کا تحفظ، چار دیواری، ہر وہ چیز دی جس کی ایک عورت تمنا کرتی ہے، باقی چھوٹی چھوٹی باتیں اور مسائل تو زندگی کے سنگی ساتھی ہیں۔'' فلاح اپنی ماں کی قناعت پسندی کے اس مظاہرے پر منہ بنائے بیٹھی رہی تھی۔

''ہائے آئمہ! تجھے کیا بتاؤں، کچھ دن پہلے تک نظر آنے والا لمبا تڑنگا اور سوکھا چرخ تیرا بھائی کیسا بانکا سجیلا نکل آیا ہے قسم سے نظر نہیں ٹھہرتی دیکھو تو۔'' آئمہ جس کے منہ پر ماسک لگایا ہوا تھا، ہنوز خاموش بیٹھی رہی۔

''آئمہ کی بچی! تیری نیا پار لگانے میں، میں نے کتنا ساتھ دیا تیرا، یاد ہے ناں بس اب تیری باری ہے، میرا دل آ گیا ہے علی پر، بس دل میں پکا ارادہ کر لیا ہے، تیری بھابھی بننے کا، کوئی دس چکر لگا لئے اس کٹھور کے سامنے پر مجال ہے جو نظر اٹھا کے بھی دیکھا ہو بس فلاح سے اور اس سوکھی سڑی حرم سے ہی باتیں کرتا رہا، میں نے سلام بھی کر ڈالا، ذرا دیر کو منہ میری طرف کر کے جواب دیا پھر سے اس حرم کی بچی کو اپنے کالج کا قصہ سنانے لگا، اس کے ساتھ اتنے قہقہے لگائے کہ دل ہی جل کر راکھ ہو گیا قسم سے وہ ڈاکٹر ہے تو میں کیا کسی سے کم ہوں، پوری آٹھ جماعتیں پاس، پنڈ کی سب سے اونچی لمبی حسین کڑی ہوں، بھلا غرور کس بات کا ہے اس میں۔'' آئمہ کے منہ دھونے اور چہرہ خشک کرنے تک وہ اسے اپنے دل کی حکایت سمیت شکوے شکایات، فرمائش اور علی کی بے رخی اور حرم سے بے تکلفی کا تمام قصہ، پوری جزئیات کے ساتھ سنا چکی تھی۔

''تو بھی عائزہ! بے ٹائم ہر ہر کام کرتی ہے، یاد ہے کہ ایک دفعہ اماں نے جب بات کی تھی یہ علی کے لئے عائزہ کا رشتہ مانگ لیں گی چچا سے، تو کیسے رولا ڈال دیا تھا تو نے دو دن تو تیرے حلق سے کھانا نہیں ٹکا تھا اماں کو بھی اپنی بات دل ہی میں رکھنی پڑی تھی اور اب تجھے آن کی آن میں علی ایسا بھایا کہ فوراً ہی اس کی ووہٹی بننے کو تیار ہو گئی ہے۔'' آئمہ نے تیکھے چتون سے اسے گھورا۔

''ہاں تو اس وقت میرا دل خالی تھوڑا تھا وہ تو کسی کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوبا ہوا تھا، مجھ کہاں کچھ اچھا لگتا تھا پھر کب تیرے ظالم بھائی پر نظر پڑی تھی پہلے، مجھے تو چار سال پہلے کا وہ ٹھینگنیا سا علی یاد تھا جو ایک دفعہ پنڈ آیا تھا، اس کے بعد تو جتنی دفعہ چچا کی فیملی ہمارے ہاں آئی یا ہم یہاں آئے پتہ چلا علی ہوسٹل میں ہے ڈھٹائی کی حد ہی تھی، اچھا...... اچھا شادی گزرنے دے پھر دیکھتے ہیں کچھ۔'' آئمہ کی آشیرباد کے بعد عائزہ اچھی خاصی مطمئن ہو گئی آخر کو آئمہ اماں کی اصل جانشین تھی، شادی میں بھی آئمہ کی سسرال والے کچھ کھنچے کھنچے سے لگے تھے، بارات بھی شہر آئی تھی، ولیمہ کی تقریب بھی اگلے دن یہیں تھی، شادی کے تیسرے دن آئمہ کو گاؤں جانا تھا، کل علی کو واپس چلے جانا تھا سو آج اس نے اور فلاح نے حرم سمیت کہیں باہر گھومنے پھرنے کا پروگرام بنایا تھا، علی نے رئیسہ بیگم کو بھی بہتیرا کہا کہ وہ بھی

ساتھ چلیں لیکن شادی کے بکھیڑوں نے اتنا تھکایا تھا کہ انہوں نے سہولت سے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ۔

''بیٹا تم لوگ جاؤ، یہی دن تو ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے، زندگی کی ہر مشکل سے دور خوشیاں کشید کرنے کے، تمہارے ابا کا تو پتہ ہی ہے کہ گھر میں نظر نہ آؤں تو قیامت اٹھا دیتے ہیں۔''

''گھر پر ہوں تب بھی تو قیامت ہی اٹھائے رکھتے ہیں، تب کب پھول جھڑتے دیکھے ہیں ان کے منہ سے۔'' علی بیزار سا بولا۔

''ہونہہ، بری بات باپ ہیں تمہارے ادب سے بات کیا کرو۔'' رئیسہ بیگم جن کی گھٹی میں ایثار، ادب، محبت کے سب قرینے کوٹ کوٹ کر بھرے تھے نہ تو خود شوہر کے خلاف کچھ کہتی تھیں نہ بچوں کو کچھ کہنے دیتی تھیں سو اب بھی علی کو ٹوک کر انہیں روانہ کر کے خود گھر کی سمیٹا سمیٹی میں لگ گئیں، تائی جمیلہ کل گاؤں میں ہی رہ گئی تھیں، ہاں عائزہ اور عمر گھر پر تھے اور ناشتہ یہیں پر کیا تھا دونوں نے۔

حرم نے بھی آج شام کو اپنے گھر واپس چلے جانا تھا، وقت نے اپنے خزانے میں سے ایک بہت خوبصورت اور انمول دن نکال کر ان کی جھولی میں ڈالا تھا، کھانا کھانے کے دوران فلاح نے واش روم جانے کے بہانے کچھ دیر ان دونوں کو تنہا چھوڑ دیا تھا، ایسے میں علی کا اسے دیکھنا پر اعتماد سی حرم کو نروس کر گیا تھا۔

''کیا مصیبت ہے کہاں مر گئی ہے یہ فلاح۔'' دل میں اس کو کوستے اس نے پسینے سے بھیگے ہاتھوں کو آپس میں رگڑا۔

''کیا ہے علی! ایسے کیا گھور گھور کر دیکھے جا رہے ہو، پہلے کبھی نہیں دیکھا کیا۔'' اس کے ایسے تڑخ کر کہنے پر وہ جاندار سا قہقہ لگا کر بے ساختہ ہنسا۔

''بس ذرا تمہاری بہادری چیک کر رہا تھا، پتہ ہے حرم میں نے ہم دونوں کے حوالے سے بہت خوبصورت خواب بن رکھے ہیں جن کی تعبیر میں تمہارے ہمراہ دیکھنا چاہتا ہوں، ہاسٹل کے ایام میں گزاری سردیوں کی طویل اور سرد راتیں گرمیوں کی حبس زدہ اور جسم کو پگھلا دینے والی گرمی میں تمہارا خیال موسموں کی شدت کو، سارا دن بھاگتے دوڑتے تھکے ہوئے دماغ اور جسم کو کیسے فرحت بخش کر نئی توانائی دے ڈالتا ہے میں کبھی بتا ہی نہیں سکا تمہیں وہاں محبت تھی، رنگ تھے، خوشبو اور روشنی تھی ان سب سے مل کر ان کو اپنے چمکدار حصار میں لے لیا۔'' جذبے ان کہے تھے تو خوبصورت تھے، ان کو الفاظ کا پیرہن ملا تو خوبصورت ترین بن گئے، علی نے آج تہیہ کر لیا تھا کہ اپنے دل کا تمام حال کھول کر اس کے سامنے رکھ دے گا، حرم سحر زدہ سی اسے سن رہی تھی، محبت ایک اعزاز کی صورت ہوتی ہے جو آپ کو زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک لے جاتی ہے، حرم نے یہ بات آج اور اسی لمحے جانی تھی۔

''میں اپنا ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی تمہیں اپنے نام کا پابند کر لوں گا پھر اس کے فوراً بعد ہی شادی۔'' اس کے ہر ہر منصوبے میں وہ شامل تھی یہ احساس ہی ایک عجیب سا گداز بیدار کر رہا تھا اس میں، تھوڑی دیر بعد فلاح بھی آ گئی تھی، ایک خوبصورت یادوں بھرا دن گزار کر وہ سب لوٹ آئے تھے، ابا کھانا کھا کر لیٹ چکے تھے، رئیسہ بیگم ان کے انتظار میں تھیں جبکہ ان تینوں کو سرشاری سے واپس آتے کسی نے بہت صدمے سے یہ منظر دیکھا تھا، تھوڑی دیر میں ماموں سلیم بھی حرم کو لینے آ گئے تھے اور چائے پی کر حرم کو

ساتھ لے کر رخصت ہوئے تھے ایسے میں ابا کو ہی خیال آیا کہ عائزہ کو بھی شام کی چائے پر بلا لیا جائے ویسے کھانے پر وہ ان کے ساتھ ہی تھی اور علی کے ساتھ حرم کے باہر جانے کا سن کر اس نے برائے نام ہی کھانا کھایا تھا، فلاح چونکہ آج خاصی پکڑ میں تھی سو فوراً بھاگ کر عائزہ کو بلانے گئی تھی، قدموں کی چاپ اور اپنے نام کی پکار فلاح کے منہ سے سن کر عائزہ جلدی سے بیڈ پر لیٹ کر سوتی بن گئی فلاح نے آ کر بتا دیا کہ عائزہ سوئی ہوئی تھی، ابا تھوڑی دیر تو علی سے اس کی فیلڈ، سٹڈیز کے حوالے سے بات کرتے رہے پر اندر ہی اندر بے چین بھی ہو رہے تھے کہ عائزہ بے وقت کیوں سو گئی ہے کہیں طبیعت خراب نہ ہو، سو ان کو باتیں کرتا چھوڑ خود تائی جمیلہ کے پورشن کی طرف بڑھ گئے، آدھا گھنٹہ وہاں وقت گزار کر جس وقت ابا واپس آئے ان کا تھوڑی دیر پہلے والا موڈ یکسر تبدیل ہو چکا تھا، کمال ہے بچی بیچاری بہن کے گھر سے شادی ہو کر چلے جانے کے بعد ویسے اکیلی پڑ گئی ہے خود کو تنہا سمجھ رہی ہے۔

''عمر صبح کا گیا شام کو لوٹتا ہے، بھابھی بیگم بچی کو تمہارے سہارے چھوڑ کر گئی ہیں، وہ اداس تھی، آج اپنے اکیلے پن کو محسوس کر کے روتی بھی رہی ہے اور تم......'' انہوں نے تیکھے چتون سے رئیسہ بیگم کو گھورا جو حیران و پریشان سی اس اچانک در آنے والے غصے کی وجہ سمجھنا چاہ رہی تھیں جس کا سرا پھر یقیناً تائی جمیلہ کے گھر سے ملتا تھا۔

''تمہیں نظر آ گیا کہ تمہاری بیٹی اور بھتیجی شادیوں کے ہنگاموں سے تھک گئی ہیں، بیٹا کبھی کبھار آتا ہے، تو ان سب کو ضرورت ہے تھوڑا سا گھوم پھر لیں، باہر کھانا وانا کھا لیں یہ...... یہ دو قدم پر کمرے میں اکیلی روتی بچی نظر نہیں آئی کہ اسے بھی ان سب کے ساتھ ہی کر دیتیں تاکہ دل بہل جاتا اس کا پر تمہیں کیا سروکار، تم نے تو بھابھی بیگم اور ان کے بچوں سے ہمیشہ بغض رکھا ان کے بچوں کو کبھی اپنا سمجھا ہی نہیں۔'' رئیسہ بیگم ہمیشہ کی طرح چپ چاپ سنتی رہ گئیں، علی تو شکر ہوا اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے چلا گیا تھا جبکہ فلاح کو ابا نے بلا کر سختی سے تنبیہ کی کہ اس بار تو جو ہو گیا سو ہو گیا آئندہ یہ غلطی نہ دہرائی جائے، وہ شاکی نظروں سے بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو فلاح! اللہ تیرا شکر ہے، تو نے میری دلی مراد پوری کر دی، برسوں سے خواہش تھی کہ حرم کو ہی بہو بناؤں گی، پھر سوچتی تھی کہ نہیں والدین کو زندگی کے کسی بھی شعبے میں، کسی بھی انتخاب میں بچوں پر اپنی مرضی نہیں ٹھونسنی چاہیے شادی میں تو بالکل نہیں، دیکھا اور سنا یہی ہے کہ عموماً ڈاکٹر لوگ شریک حیات کے طور پر ڈاکٹرز کو ہی چنتے ہیں کہ اس کا ماحول، وقت گزارنے کے اطوار اور طرز زندگی ایک جیسا ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں یہی سوچ کر اپنی خواہش دل ہی دل میں دبا دیتی تھی کہ میرا بیٹا میری پسند پر ایک سیکنڈ میں سر جھکا تو دے گا پر کیا پتہ اس کی پسند کوئی اور ہو اور تو اور تمہارے ابا نے بھی کبھی اس حوالے سے اپنی کوئی رائے نہیں دی اس کا مطلب انہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' رئیسہ بیگم کا خوشی سے برا حال تھا، آج تائی جمیلہ آمنہ اور اس کے شوہر کے ساتھ واپس لوٹ آئی تھیں ابھی بھی وہ سب کھانا کھا کر اپنے پورشن کی طرف رخصت ہوئے تھے علی صبح ہی ہوسٹل واپس جا چکا تھا، رئیسہ بیگم کے تنہا ہوتے ہی فلاح نے علی کی خواہش اس

تک کیا پہنچائی ان کی تو دل کی کلی ہی کھل گئی ان کی بھتیجی اس آنگن میں ان کی بہو بن کر اترے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات بھلا کیا ہوتی ان کے لیے۔

ابھی رئیسہ بیگم احمد حسن سے بات کہہ نہ پائی تھیں کہ انہوں نے فلاح کا رشتہ عمر کے ساتھ پکا کرنے کے ساتھ ساتھ فلاح کے امتحانوں کے بعد کی تائی جمیلہ کو تاریخ بھی دے دی تھی۔

''عمر اپنے گھر کا دیکھا بھالا بچہ ہے لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ ایک دفعہ فلاح سے پوچھ تو لیتے، پھر ایسی بات کی اجازت ہمارا مذہب بھی دیتا ہے۔'' کچھ دیر حیرت سے چپ رہنے کے بعد وہ دھیرے سے گویا ہوئیں۔

''کیوں اس کی مرضی کیا کہیں اور ہے یا ماں باپ اتنا حق نہیں رکھتے، کہ بچوں کے بہتر مستقبل کا فیصلہ خود کرسکیں۔'' کچھ دیر پہلے کا خوشگوار موڈ غصے میں بدلنے لگا۔

''ایسا کب کہا میں نے، والدین کی طرف سے دی گئی محبت اور اعتبار بچوں کو اعتماد دیتا ہے، ان کے اندر یہ احساس ہی خوشی بھر دیتا ہے کہ ان کی رائے بھی مقدم جانی جارہی ہے ان کی زندگی کے سب سے اہم فیصلے سے متعلق۔'' یاسیت رئیسہ بیگم کے لفظ لفظ سے ٹپک رہی تھی۔

''فلاح......فلاح۔'' ان کی بات کا جواب دیئے بنا احمد حسن نے اونچی آواز میں پکارا وہ جو ابھی رئیسہ بیگم کے پاؤں دبا کر ان کی دوائی کھلا کر گئی تھی ابا کی ایسی بے وقت اور زوردار پکار پر اپنے کمرے سے ننگے پاؤں ہی دوڑی چلی آئی۔

''یہاں آؤ بیٹھو۔'' اب کے کچھ نرمی لہجے میں خود آگئی تھی۔

''تمہاری تائی نے بہت دن پہلے مجھ سے تمہارے رشتے کے لیے کہا تھا تب میں نے یہ سوچ کر منع کر دیا تھا کہ تمہیں چونکہ پڑھنے کا بے حد شوق ہے تو کم از کم تمہاری اس ڈگری سے پہلے ایسی کوئی بات نہیں چھیڑنا چاہتا تھا اب جبکہ عمر کی بھی اچھی جاب ہوگئی ہے، تم بھی پیپرز سے فارغ ہونے والی ہو تو تمہاری تائی کے دوبارہ تقاضا کرنے پر میں نے ہاں کہہ دی کہ میری بیٹی کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے، لیکن تمہاری ماں کہتی ہے کہ پہلے تمہاری اجازت لے لی جاتی تو زیادہ بہتر تھا۔'' رئیسہ بیگم تو ان کی بات اور انداز پر سر پیٹ کر رہ گئیں، انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ان کی بات کا الٹا مطلب لے لیا تھا جبکہ فلاح کو توقع نہیں تھی کہ ابا اسے سامنے بٹھا کر ایسی ایمرجنسی نافذ کردیں گے تو گڑبڑا گئی۔

''نن......نہیں ابا! اجازت بھلا کیوں لیتے آپ، آپ پورا حق رکھتے ہیں ہم پر، جو چاہے فیصلہ کرسکتے ہیں ہماری زندگی سے متعلق، امی تو خود ساری زندگی ہم دونوں کو یہی سکھاتی آئی ہیں کہ والدین سے بڑھ کر اولاد کا خیر خواہ کوئی نہیں ہوتا۔'' اس نے سر جھکا کر مضبوط لہجے میں بولی، کیونکہ ابا کی بات سے ہی وہ بات کا سارا سیاق و سباق سمجھ گئی تھی۔

''ابا! میں جاؤں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا اور ابا کے چہرے کے فخریہ اور جتاتے تاثرات جو کہ خالصتاً رئیسہ بیگم کے لیے تھے فلاح سوچتی اپنے کمرے کی طرف پلٹ آئی، ایک عام لڑکی کی طرح شادی کی بات سن کر اس کا دھیان عمر کی طرف ہرگز نہیں گیا تھا بلکہ تائی جمیلہ کی طرف گیا تھا، جو اپنی عادتوں اور خصلتوں کی وجہ سے اس کی دنیا کی ناپسندیدہ ترین ہستیوں میں سر فہرست تھیں اب جبکہ ان سے دوہرا اور قریبی رشتہ جڑنے والا تھا تو...... تین دن بعد ہونے والے پہلے پیپر کو بھول کر وہ آنے والی زندگی کی

بھول بھلیوں میں کھو گئی، ڈیڑھ ماہ کا قلیل عرصہ پر لگا کر گزر گیا ابھی پریکٹیکلز ہوئے تھے پر درمیان میں ہی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی علی بھی مشکل سے صرف بارات اور ولیمے میں شریک ہوا تھا پھر اسی دن واپس لوٹ گیا تھا، ویسے بھی اب اس سے فون پر لمبی گفتگو نہیں ہو سکتی تھی کہ آج کل وہ بہت مصروف تھا، محض ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک کا سفر تھا، پر نوعیت، شناخت، حیثیت سب بدل چکی تھی، بظاہر اکھڑ اور سرد مزاج نظر آنے والا عمر ابھی تک ابھی اپنی عادت کے برعکس ہی پیش آ رہا تھا، تائی جمیلہ اور عائزہ بھی ہر وقت واری صدقے جاتی نظر آتیں اس نے بدلے حالات کو اپنی ماں کی دعاؤں کا ثمر جانا تھا کیونکہ شادی کے بعد اس نے عمر سے تقاضا کیا تھا کہ پہلے تو چونکہ تائی جمیلہ اکیلی تھیں اب تو ان کی بہو آ چکی ہے سو اپنے گھر ہی کھانا پکایا کرے گی، اس نے سوچا تھا کہ تدبر سے ہی کچھ ایسے مسائل کو حل کرے گی جن کو کوشش سے حل کیا جا سکتا ہو، عمر یان گیا تھا، تائی جمیلہ سے بھی عمر نے ہی بات کی تھی، ابا کو اگرچہ اعتراض ہوا تھا پر اس نے عمر کا کہہ کر معاملہ سنبھال لیا تھا شادی شدہ ہو کر اسے لگا کہ شاید اس کی اوقات مستحکم ہو چکی ہے کہ اب وہ رئیسہ بیگم کی بیٹی نہیں تھی تائی جمیلہ کی بہو تھی، عائزہ کو نویں کی کتابیں لا کر اس نے زور زبردستی سے پڑھانا شروع کر دیا تھا، آج کل ان پڑھ لڑکیوں کو کوئی پسند نہیں کرتا خصوصاً پڑھے لکھے لڑکے، پڑھائی کے کترانے والی عائزہ نے فلاح کی بات کو اپنے مطلب کے معنی پہنائے اور جی جان سے پڑھائی میں جت گئی، فلاح ہر کام میں اسے بھی ساتھ لگائے رکھنے کی کوشش کرتی یہ سوچ کر نہیں کہ اس کی مدد ہو جائے گی بلکہ یہ سوچ کر کہ لڑکیاں کچی اور گیلی مٹی کی طرح ہوتی ہیں، وقت کا بڑھئی انہیں جیسے اور جس طرف موڑ دے ویسے مڑ جاتی ہیں، وہ اسے ان تمام خرافات سے دور رکھنا چاہتی تھی جو اب سے پہلے تک آئمہ اور اس کی زندگی کا حصہ تھیں، کام چوری، نا اہلی، بد سلیقگی موبائل فون کا بے جا استعمال، رانگ نمبرز پر گھنٹوں باتیں کرنا، اچھی بات تو یہ تھی کہ عائزہ فلاح کی بہت ماننے لگی تھی تائی جمیلہ البتہ ناک بھوں چڑھا لیتیں خصوصاً جب فلاح اسے کچن میں چھوٹے موٹے کام کی طرف لگائے رکھتی۔

''میں تو اماں سچ بتاؤں ساس اور نند کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں، جب میاں ہی بے دام غلام ہے میرا، ہر بات پر اعتراض، ہر کام پر نکتہ چینی، جویلی ملازمین سے بھری پڑی ہے اور بڑی بی فرماتی ہے کہ کھانے میں ذائقہ تبھی آتا ہے جب گرہستن کا ہاتھ لگا ہو، لو بھلا بتاؤ اماں میرے یہ ہاتھ بھلا ایسے فضول کاموں کے لئے بنے ہیں۔'' تفاخر سے تائی جمیلہ کو اپنے کارنامے سناتی یہ آئمہ تھی، جس کا شادی کے بعد تین ماہ میں یہ کوئی بیسواں چکر تھا، جبکہ فلاح تو دن میں ایک دفعہ بھی بعض دفعہ چاہتے ہوئے بھی رئیسہ بیگم کے پاس نہ جا سکتی تھی، خصوصاً اس وقت اسے وہ بہت یاد آتیں جب وہ تائی جمیلہ کے پاؤں دبا کر پھر اپنے کمرے میں جاتی۔

''اے فلاح اماں کی تو بڑی خدمتیں کرتی تھی ساس بھی تو ماں ہوتی ہے ناں، پیر بڑا درد کر رہے ہیں ذرا دبا تو۔'' اس نے ایک نظر دروازے میں سے جاتے عمر کو دیکھا جو اسے کمرے میں آنے کا اشارہ کر کے گیا تھا دوسری نظر بے نیازی سے ناخنوں پر کیوٹکس لگاتی عائزہ کو، پھر مرے مرے قدموں سے تائی کے پاؤں کے پاس آ کر بیٹھی، اسی پل ابا بھی وہیں آ گئے تو اسے گھر کے دوسرے کونے میں اکیلی اپنی ماں کا

خیال آیا۔
"امی ......امی کو ہی لے آتے ابا۔"
"لو یہاں آنے کے لئے اسے دعوت دیتا پھرتا، بیٹی کا گھر ہے دن میں دس بار آئے پر کہاں، ایسی سخت دل عورت ہے کہ بس کیا کہیں۔" ابا جو کچھ کہتے کہتے منہ کھول رہے تھے تائی کا جواب سن کر چپ ہو گئے، رات کو اپنے کمرے کی طرف جاتے امی کے کمرے کی جلتی لائیٹ نے آنکھیں بے ساختہ نم کر دیں۔
رواج رشتے مصلحتیں اور معاشرہ، خون کے رشتوں کے درمیان بھی بعض دفعہ ان دیکھی زنجیریں آ جاتی ہیں جو کاٹے نہیں کٹتیں اس نے عمر کے رشتہ کے لئے بلا توقف ہاں کر دی تھی کہ اپنی ماں کے دل کے قریب رہے گی۔

☆☆☆

"فلاح بھابھی، اندر بھی آؤ یا دروازے میں کھڑی کھڑی سوئی رہو گی۔" سوچوں کے سفر میں وہ نجانے کتنی دور نکل گئی تھی جب آئمہ کی تیز آواز نے اسے چونکا دیا، وہ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجاتی اندر آ گئی پر ان لوگوں کی محفل میں ہمیشہ اس کا جی اوب جاتا۔
"تو ایسا کر آئمہ جلدی سے الگ گھر کا مطالبہ کر اور شہر میں شفٹ ہو جا۔" تائی کے مشورے اور تائیدی انداز میں سر ہلاتی آئمہ پر اسے انتہا سے زیادہ غصہ آیا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں تائی، اسد بھائی کی بوڑھی والدہ شادی شدہ اور بہن ہی ہے، جس نے جلد یا بدیر اپنے گھر واپس لوٹ جانا ہے، اب یہ لوگ اس اکیلی عورت کو چھوڑ دیں؟" وہ رہ نہ سکی تو بول اٹھی۔
"ایک تو تمہاری ہر بات میں بولنے والی عادت سے میں بڑی تنگ ہوں، اٹھو اور جا کر کچن سنبھالو، آئمہ یہیں ہے تو لازی اسد بھی یہیں کھانا کھائے گا۔" اس کی بات کا کوئی نوٹس لئے بغیر تائی نے اسے کمرہ بدر ہونے کا حکم دیا۔
"عائزہ تم آ جاؤ میرے ساتھ۔" وہ بجھے دل سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آتی ہوں بھابھی، آئمہ کے پاس بیٹھنے دیں ناں بہت دنوں بعد آئی ہے۔" عائزہ کے بیٹھنے کی وجہ بھی آئمہ کی محبت ہر گز نہیں تھی گھریلو سیاستوں سے آگاہی تھی پھر فلاح کی کمپنی اسے خاک مزہ دے سکتی تھی جیسی تائی جمیلہ اور آئمہ کی کمپنی میں تھا، اس نے رات کو عمر سے اس بات کا تذکرہ بھی کیا۔
"اگر ایسا ہی ہے جیسا تم بتا رہی ہو تو بہت غلط بات ہے لیکن یار کیا ہے کہ ایسی گھریلو پریشانیوں اور الجھنوں سے مجھے دور ہی رکھا کرو، ہمیں تو جناب صرف آپ کا پیار، محبت اور توجہ چاہیے بس ایک رات ہوتی ہے تمہاری ہمراہی میں بتانے کو وہ بھی تم ایسی ویسی باتوں میں ضائع کر دیتی ہو۔" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے فلاح کو خود سے قریب کر لیا، عمر کی قربت میں فی الحال وہ بھی سب کچھ بھول گئی تھی۔

☆☆☆

"زندگی ایک منظم نظام کا نام ہے جس کو گزارنے کے چند اصول وضوابط مقرر ہیں جن میں محبت ادب سلیقہ، صبر اور ایثار شامل ہیں، زندگی کو بہتر بنانے کے لئے آپ کو ان چیزوں کو ساتھ لے کر چلنا ہوتا ہے کیونکہ ہر انسان اور رشتہ حسن سے زیر نہیں ہوتا، ہر رشتہ کا ایک الگ تقدس اور الگ تقاضا ہوتا ہے، تم نے محبت کی اس کو پا لیا اس سے بڑھ کر اللہ کا اور تم پر کرم کیا ہو گا تو کیا یہ بہتر نہیں کہ جس نے تمہاری محبت کا مان رکھا تم

اس سے وابستہ رشتوں کا بھی ویسے مان رکھو احترام اور محبت دے کر، آئمہ پلیز میری بہن، میری ان باتوں پر عمل کرگی تو سکھی رہوگی۔'' تائی جمیلہ سوئی ہوئی ہیں یہ جان کر وہ موقع اور وقت کو غنیمت سمجھ کر عائزہ اور آئمہ کے مشترکہ کمرے میں آگئی، آج شام کو آئمہ کو واپس جانا تھا۔

''تم بھی ناں فلاح! مجھے انیس سو ساٹھ کی پرانی فلموں کی ہروئین لگتی ہو ایسی باتیں کرتی ہو، لگتا ہی نہیں تم نے کالج یونیورسٹی کا منہ دیکھا ہے۔'' آئمہ نے اس کی بات کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے کھلکھلا کر کہا۔

''ارے یار وہ میری نند سارا دن میری ساس کو بھڑکاتی ہے میرے خلاف، اصل میں بھائی کی ضد پر مجبور تو ہوگئی ہے پر مجھے اور میرے رشتے کو آج تک تسلیم نہیں کیا اس نے میرا پتا کاٹ کر اپنی نند لانے کے چکر میں لگتی ہے وہ وہ کچھ کرے اس سے بہتر نہیں میں اپنی چال چل جاؤں ویسے بھی میں نے سنا ہے اس کی نند بڑی حسین ہے پھر اسد کی سابقہ منگیتر بھی ہے وہ ایسے میں تو ہر طرف سے خطرہ مجھے ہے تم مجھے کوئی مشورہ میری زندگی کو سنوارنے کا دینے کی بجائے ان مسیبوں کی طرف داری میں لگی ہو۔'' آئمہ نے جلے دل کے پھپھولے توڑے۔

''اس کی تم سے نفرت جائز ہے تمہاری وجہ سے بھلے عارضی طور پر ہی سہی وہ بے گھر ہوئی بیٹھی ہے، اس سے محبت کرو گی اعتماد دو گی تو وہ جیسی آج ہے ویسی کل نہیں رہے گی میری مانو۔''

''بس بس اپنی نصیحتیں اور مشورے اپنے پاس رکھو میں نے اب جو کرنا ہے وہ سوچ رکھا ہے۔'' وہ بیزاری سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''اور تم ذرا میرے ساتھ مارکیٹ چلو اسد کے آنے سے پہلے تھوڑی شاپنگ کرلوں۔''

عائزہ کو کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی، فلاح ایک طویل سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلے ہی دن حرم اس سے ملنے چلی آئی۔

''بے مروت، بے وفا لڑکی، آنا اور یاد کرنا تو ایک طرف ایک ایس ایم ایس کا جواب تک نہیں دیتی ہو۔'' وہ اس سے گلے ملتے ہوئے بولی۔

فلاح اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

''مخالف ٹیم نظر نہیں آرہی؟'' اس کے رازدارانہ انداز پر وہ ادھ کر کے رہ گئی، حرم ہی تو تائی جمیلہ کے خاندان سے اس کی بے زاری سے آگاہ تھی پر اس کی زبانی تھوڑا بہت حالات کی تبدیلی اسے بھی خوش کر گئی۔

''بے مروت لڑکی پورے دو گھنٹے پھپھو کے پاس بیٹھ کر آئی ہوں کہہ رہی تھیں دو دن سے اسے دیکھا ہی نہیں بیٹی کے گھر ہر روز جانا مجھے اچھا نہیں لگتا کم از کم دن میں ایک بار چکر ہی لگا آیا کرو۔'' حرم نے اچھی طرح سے لتاڑا اسے۔

''بس حرم یقین کرو دن رات کے ان چکروں نے گھن چکر بنا ڈالا ہے ہر پل یہی سوچ کر رہ جاتی ہوں، یہ کام کرلوں جاتی ہوں، ای کی طرف اس کام سے فارغ ہو کر جاؤں گی دن کب رات میں اور رات کب دن میں ڈھل جاتا ہے پتہ ہی نہیں چلتا، لیکن اس کا حل میں نے سوچ لیا ہے میری پیاری ای کی اداسی اور ان کے گھر کی رونق بحال کرنے کو امی کی پیاری سی بھتیجی کو دلہن بنا کر جلد ہی لے آئیں گے، بس جلد ہی علی کا ہاؤس جاب ختم ہو تو ماموں سے پکی بات کرنے جائیں گی ای۔'' فلاح نے اس کو گدگدایا تو اس نے ''بکومت'' کہہ کر اسے دور ہٹا دیا۔

''کیسی چالاک لڑکی ہو تم مان گئی میں تمہیں

بندر کی بلا طویلے کے سر۔" اپنی کھسیاہٹ کو کیسے دوسری طرف موڑ دیا، حرم نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اچھا تم بیٹھو میں ذرا تمہاری پیٹ پوجا کا بندوبست کرلوں۔"
"ارے ٹھہرو، میں کیا کرتی رہوں گی میں بھی ساتھ ہی چلتی ہوں۔" وہ دونوں کچن میں آ گئیں، دروازے میں کھڑی عائزہ تیزی سے دروازے کی اوٹ میں ہوگئی، اس کا خوابوں کا محل بڑی طرح مسمار ہوکراس کے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔

"اور سناؤ صاحب بہادر سے بات چیت کا سلسلہ چل رہا ہے یا نہیں۔"
"چل نہیں دوڑ رہا ہے جناب، یہ دیکھو ایسا بے ایمان مجھے کہتا ہے فلاح، سر کھجانے کی فرصت نہیں بس ایک منٹ کا فون کال بس اور یہاں دوڑیں لگوائی جارہی ہیں۔" فلاح کی مصنوعی خفگی پر حرم نے گردن اکڑائی پھر دونوں ہی ہنس پڑیں، پوری بات کی سن گن لینے کے لئے باہر کھڑی عائزہ کا تن من جھلس گیا۔
"ہونہہ کھنی میسنی خواب مجھے دکھائے اپنی بھابھی بنانے کے اور یہاں یہ منصوبے ہیں۔" غصے میں اس نے اپنی کتابیں اٹھا کر دور پھینک دیں جن کو وہ اسی خواب کی تعبیر کا ایک حصہ سمجھ کر کڑوے گھونٹ کی طرح برداشت کر رہی تھی، دوپہر تک تائی جمیلہ بھی اپنے محلے کے دورے سے واپس تشریف لا چکی تھیں، یہاں آتے ساتھ انہوں نے ہمسایوں محلہ داروں سے بڑی جلدی تعلقات بنا لئے تھے حالانکہ یہاں عام میل جول کا رواج خاصا کم تھا خود فلاح اور رئیسہ بیگم بہت کم کہیں جاتی تھیں لیکن یہ تائی جمیلہ تھیں جن کو اکلاپے کے ڈپریشن کا مرض لاحق ہونے لگ گیا تھا، گاؤں میں ہر وقت اپنے گرد جمگھٹا رکھنے اور گھومنے پھرنے کی شوقین خاتون کا گھر میں چوبیس گھنٹے گزارنا محال تھا سو انہوں نے اپنے یہاں آمد سے اگلے ہفتہ ہی تعلقات بناؤ مہم کا آغاز کر دیا تھا اور اب اچھی خاصی دوستیاں کالونی میں گانٹھ چکی تھیں، واپس آتے ساتھ بڑی گہری اور تنقیدی نظروں سے حرم کا جائزہ لیا اچھی خاصی پراعتماد سی حرم اس پل گڑبڑا گئی اور بوکھلا کر جلدی سے سلام کیا، تائی شاید اپنے ہنگامی دورے سے تھک چکی تھیں سو کھانا کھا کر جلدی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔
عمر بھی آج جلدی آ گیا تھا سو حرم اس سے مل کر اور فلاح کی زندگی سے اچھی خاصی مطمئن ہو کر گئی تھی، آئمہ اس سے اگلے ہی روز اپنے گھر والوں سے لڑائی کر کے یہیں آ گئی اس کا مطالبہ وہی تھا کہ شہر میں الگ گھر لے کر دیا جائے، رئیسہ بیگم نے بھی اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی پر تربیت خون پر غالب آ گئی تھی وہ ان کی ساری نصیحتیں ان سنی کیے چپ چاپ بیٹھی رہی تھی، رئیسہ بیگم ہی اس کے انداز سے مایوس ہو کر اٹھ گئی تھیں۔

☆☆☆

علی اس بار پندرہ دن کے لئے آیا تھا، رئیسہ بیگم بہت خوش تھیں، اب تو فلاح بھی دن میں ایک بار چکر لگا لیتی یا وہ خود ہی آ جاتا، اس روز وہ ماموں سلیم کے گھر سے تھوڑا لیٹ واپس آیا تھا چائے کی طلب نے اسے فلاح کے پاس جانے میں مصروف کر دیا کیونکہ وہی تائی جمیلہ کے گھر رات کو دیر سے سونے والے آخری فرد ہوتی تھی برآمدے میں ہی اسے عائزہ نظر آئی، جو علی کو دیکھ کر حسب عادت کھل اٹھی۔
"فلاح کہاں ہے؟" عائزہ نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"کیوں علی؟ کوئی کام ہے تو مجھے بتا دیں، اگر ویسے ہی ملنا ہے تو وہ اور آئمہ اماں کے کمرے میں ہیں۔" اس نے آرام سے جواب دیا ویسے بھی وہ جب سے علی آیا تھا اس کے شب و روز، آنے جانے کے اوقات کار، اپنے گھر آنے کی ٹائمنگ سب کا گہری نظر سے جائزہ لے رہی تھی کہ اس نے جو منصوبہ سوچا تھا اس میں بہت احتیاط کی ضرورت تھی ویسے بھی وہ ان لوگوں میں سے تھی جن کو اپنی پسند کی چیز اگر جائز طریقے سے نہ ملتی تو وہ اسے حاصل کرنے میں ہر قسم کا ناجائز طریقہ کار بھی اپنا لیا کرتے ہیں اگرچہ اس میں خسارہ ہی کیوں ان کے ہاتھ میں نہ آئے کیونکہ بہر حال علی احمد حسن ایک بے جان چیز ہرگز نہیں تھا۔

"نہیں کوئی خاص کام تو نہیں تھا، چائے پینے کو دل کر رہا تھا، امی سوئی ہوئی ہیں تو......" اس کی بات مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ عائزہ بول اٹھی۔

"ارے علی کمال کرتے ہو، ہمیں غیر سمجھا ہے کیا تم نے، یہ معمولی سے کام کے لئے بھابھی کو زحمت دو گے کیا، تم چلو میں فٹافٹ چائے بنا کر تمہارے کمرے میں لے آتی ہوں۔" اس کے زرخیز ذہن نے فٹافٹ ایک ترکیب سوچ کر اس پر عمل کا بھی فیصلہ کر لیا۔

آر یا پار یہ قسمت پر چھوڑتے ہوئے اس نے اپنی طرف سے آخری کوشش کرنے میں کوئی بھی حرج نہ جانی یہ جانے بغیر کہ آگ کو قریب سے چھونے کی خواہش والے لوگ اکثر اپنا دامن ہی نہیں سب کچھ ہی جلا بیٹھتے ہیں، آئمہ تائی کے پاس وہی اپنا سسرال نامہ، اپنی بدتمیزیاں اور سسرال والوں کی بیزاری کے قصے کھولے بیٹھی تھیں تائی کے مشورے بھی ساتھ ساتھ جاری تھے جبکہ فلاح ایک تو بری طرح سے تھک چکی تھی

دوسرے عمر کی خفگی کا خیال الگ دامن گیر تھا لیکن تائی کا ابھی سونے کا کوئی پروگرام نہیں لگ رہا تھا۔

"تائی...... میں جاؤں؟" اس نے ہاتھ روک کر پوچھا ابھی تائی نے جواب نہیں دیا تھا کہ فلاح کی امی کے پورشن سے کسی کی دلدوز چیخوں نے پل بھر میں سکون بھرے ماحول میں دراڑیں ڈال دیں۔

"یا الہٰی خیر۔" تائی فوراً ہی اٹھ بیٹھیں، آئمہ اور فلاح فوراً دروازے کی طرف بڑھیں، بکھرے بال، دوپٹہ ندارد، بازو اور گلے سے پھٹا قمیض اور آنسوؤں سے اٹا عائزہ کا چہرہ کیا داستان سنا رہا تھا؟ لیکن کون؟ فلاح کے سن ہوتے دماغ میں بہت کچھ گڈمڈ ہونے لگا، پل بھر میں سارا گھر اکٹھا ہو گیا آنکھیں ملتے ابا، اماں و خیزان رئیسہ بیگم غصیلے تیور لئے عمر، اور بے حد گھبرایا ہوا علی، عائزہ کے زبان سے نکلے الفاظ، اس کی موجود حالت، ابا فوراً ہی کچھ کہنے کی کوشش کرتے علی کی طرف بڑھے اور بری طرح اسے پیٹنے لگے۔

"ذلیل انسان، ایسا تو گھٹیا سے گھٹیا انسان بھی کرتے ہوئے سو بار سوچتا ہے، تو نے کیا سوچ کر اس بچی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی، اسے لاوارث سمجھ لیا تھا یا مجھے مرا ہوا؟" غصے کی شدت سے ان کی آواز پھٹ گئی۔

"خدا کی قسم ابا...... میرا یقین کریں یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے یہ خود ہی......" وہ زور سے چیخا ہی تھا کہ ابا کا تھپڑ زور سے اس کے منہ پر پڑا، رئیسہ بیگم اور فلاح جانتی تھیں کہ علی سچ کہہ رہا ہے یا تو ایسا کسی غلط فہمی کی بناء پر ہوا ہے یا جان بوجھ کر عائزہ...... پر وہ اس پل ان سب کے تیور دیکھ کر نہ تو علی کی حمایت کر سکتی تھیں نہ عائزہ کی ظاہری حالت دیکھ کر اسے جھٹلایا جا سکتا تھا۔

"اس لڑکی کو کہیں قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہے کہ میں نے ایسا کچھ کیا ہے جیسا یہ کہہ رہی ہے تو میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔" اب کے علی ابا کا ہاتھ جھٹک کر دور جا کھڑا ہوا اور زور سے چیخ کر بولا، ایک پل میں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا اور عائزہ کا بھی ایک لمحے میں پھیکا پڑتا چہرہ کم از کم فلاح سے چھپا نہ رہ سکا۔

"شرم کرو تم کچھ شرم، ایک تو اتنا شرمناک قدم اٹھاتے ہو اوپر سے پاک کتاب کو درمیان میں لاتے ہو اپنا گناہ چھپانے کو۔"

آئمہ کو بھی شاید پتا چل گیا تھا کہ عائزہ جھوٹ بول رہی ہے سو اس کی حمایت میں زور سے بولی۔

"قصور جس کا بھی ہو، میں قرآن پاک جیسی مقدس کتاب پر دونوں میں سے کسی کو ہاتھ رکھنے نہیں دوں گی، یہ کتاب ہدایت کے لئے ہے، جھوٹ سچ کی پرکھ کے لئے نہیں ہے۔" رئیسہ بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، علی شاکی نظروں سے ان کو دیکھ کر رہ گیا۔

"ایسے تو سچ کبھی بھی سامنے نہیں آئے گا امی۔" علی نے تیز آواز میں کہا۔

"تایا! میں اگر چپ ہوں تو صرف آپ کے لئے ورنہ تو میں ابھی زمین میں گاڑ دیتا اس کو۔" عمر کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"بھابھی جان، اس خبیث نے ایسی گھٹیا حرکت کی ہے کہ میں مر کر بھی اس کا تاوان نہیں بھر سکتا لیکن آپ سے درخواست ہے کہ عائزہ کو میری بہو بنا دیں میں آج کے آج ہی نکاح کا بندوبست کرتا ہوں۔" ابا کی آواز میں شرمندگی اور پچھتاوا دیکھ کر علی تڑپ گیا۔

"لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا ابا، جب میں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تو قربانی کا بکرا میں کیوں بنوں۔" اس کی آواز اور لہجے کی مضبوطی اس کی سچائی کا پتہ دیتی تھی پر وہاں سچائی کی پرکھ کرنا کون چاہتا تھا۔

"بکواس بند کرو ناہنجار، ناخلف، تم نے اگر انکار کیا تو اپنی ماں کو لے کر ابھی اور اسی پل میرے گھر سے نکل جاؤ۔" ابا کی دھمکی پر رئیسہ بیگم کا خون خشک ہوگیا، پھر وہی ہوا جو عائزہ نے سوچا تھا صرف گھنٹے کے اندر اندر وہ جو کچھ چاہتی تھی ویسا ہی ہوگیا تھا۔

"سچ بتا ناں عائزہ، یہ تیرا کیا دھرا تھا ناں سب ورنہ اس بیچارے کی شکل ہی چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ تو جھوٹ اور وہ سچ بول رہا ہے۔" آئمہ کے ہاتھ اب عائزہ کے چہرے پر تیز تیز چل رہے تھے اسے سنوارنے کو۔

"ہاں تو جو چیز آسانی سے ناں ملے اسے چھین لینا چاہیے تم سے تو کب سے کہہ رہی ہوں کوئی ترکیب لڑاؤ پر تمہیں اپنے مکار سسرال والوں سے فرصت ملتی تو تم دھیان دیتی ناں، تم نے جب تک دھیان دینا تھا وہ بھابھی کی کزن نے میری محبت لے اڑنی تھی، مرد کا کیا ہے اداؤں کا جال پھینکو فوراً شکار ہو جاتا ہے، علی کو بھی معافی مانگ کر منا لوں گی۔"

"ارے کم بختو! سب کچھ بالا ہی بالا کر لیا ہے تو اب اپنی پھٹے ڈھول جیسی آوازیں بند کر کے اس قصے پر مٹی ڈالو کسی نے سن لیا تو بازی الٹ سکتی ہے ساری۔" تائی جمیلہ جو اپنے بیڈ پر منہ کھولے بیٹیوں کے کارنامے سن رہی تھیں ڈپٹ کر بولیں، پر قیامت تو اندر آئی فلاح کے دل پر ٹوٹی تھی جس کا دل جیسے کسی نے مسل کر رکھ دیا اپنے معصوم بھائی کی معصوم محبت کی گواہ تھی وہ اور ظالموں نے ایسا شب خوں مارا تھا کہ اس کی محبت تو لوٹی سو لوٹی تھی اپنے شوہر کی نظروں میں بھی

آج اس نے محبت کی جگہ حقارت دیکھی تھی، علی کو برباد کرنے والوں نے اس کی زندگی بھی ساتھ ہی داؤ پر لگالی تھی اب وہ جتنا بھی کہہ لیتی عمر نے کہاں اس کی بات کا یقین کرنا تھا جبکہ مقابل خود اس کی بہن تھی۔

''تم نے بہت برا کیا عائزہ، میں سمجھی تھی تم بدل رہی ہو، بدل گئی ہو، میری محبت اور محبت تمہیں بدل دے گی پر عادات اور خصلتیں کبھی بھی نہیں بدلتیں، لیکن مت بھولنا کہ بہت ساری چیزوں کے ساتھ محبت بھی ایسا جذبہ ہے جو چھین کر اپنا نصیب نہیں بنایا جاتا یہ تو قدرت کا ودیعت کردہ اعزاز ہوتا ہے، تم نے جس گھر میں رہنا تھا اسی کو ہی اپنی بدفعلی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، میرے بھائی کا شیشے ایسا نازک دل توڑا ہے تم نے وہ تمہیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گا، تمہیں بددعا نہیں دے رہی لیکن دعا بھی نہیں نکل رہی تمہارے لئے۔'' جب آمنہ اور فلاح عائزہ کو علی کے کمرے میں چھوڑنے آئی تھیں تو یہ سب فلاح نے بہت دکھ سے دیکھتے ہوئے اسے کہا تھا اور تھکے قدموں سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''آمنہ! مجھے لگتا ہے بھابھی نے ہماری باتیں سن لی ہیں، اب کیا ہوگا، اگر بھائی کو پتہ چل گیا تو۔'' خوفزدہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے آمنہ کے ہاتھ جکڑ لئے۔

''کچھ نہیں ہوگا بس تم اپنی بات پر ڈٹی رہنا جتنا میں فلاح کو جانتی ہوں وہ عمر کو کبھی نہیں بتائے گی تم بس علی کی خبر رکھو ویسے بھی جتنا حسین تم لگ رہی ہو اس نے وہ سب کچھ بھول کر جھٹ سے تمہارے قدموں میں گر جانا ہے۔''

''سچ!'' آمنہ کی تعریف پر ایک لمحے کو دل میں اٹھتا احساس زیاں اور ملال ڈھل گیا، آمنہ کے جانے کے بعد چچا آئے تھے ایک بار پھر علی کے ناکردہ گناہ کی معافی مانگتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ان کی بہو بعد میں بیٹی پہلے ہے، فکر نہ کرے اسے اس گھر میں کبھی بھی کسی قسم کی کمی یا کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، چچی بس ستے چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ چپ کھڑی رہی تھیں جیسے زبردستی آتی ہوں یہاں آنا نہ چاہتی ہوں اور علی اسے خیال آیا کہ گیارہ بجے ان کا نکاح عمل میں لایا گیا تھا، دو بج گئے اس کا کہیں اتا پتا نہیں تھا، اتنا بڑا اور غلط قدم جوش میں اٹھا تو لیا تھا اب گھبراہٹ ہو رہی تھی، وہ کچن سے ہی اپنے قمیض آستین اور گلے سے پھاڑ کر گئی تھی، اس نے دوپٹا اپنے اوپر اچھی طرح پھیلا کر چائے بنائی اور سیدھی علی کے کمرے میں گئی تھی وہ اپنے بیڈ پر نیم دراز تھا اسے دیکھ کر فوراً اٹھ بیٹھا تھا۔

''شکریہ بھئی بہت بہت، امی سوئی ہوئی نہ ہوتیں تو میں تمہیں کبھی زحمت نہ دیتا۔'' اس نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا پھر معذرت خواہانہ انداز میں کہا، عائزہ یک ٹک اس دیکھے چلی گئی۔

''کیا تمہیں کبھی پتہ نہیں چلا کہ میں کتنی محبت کرتی ہوں تم سے، کتنا چاہتی ہوں تمہیں سوچتے میرا دن گزرتا ہے تمہیں، آنکھوں میں بسائے بسائے رات گزر جاتی ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہتی اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی، علی جو حیرت سے اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی شاک میں ہو جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ کیا بیہودگی ہے عائزہ، میرے ذہن میں ایسی کوئی خرافات نہیں ہیں میں نے ہمیشہ تمہیں آمنہ، فلاح کی طرح سمجھا ہے تم جا سکتی ہو۔'' اس نے ناگواری سے اسے کہا۔

''کیوں...... کیوں علی؟'' وہ جذباتی انداز

میں کہتے تیزی سے اس کے قریب آ گئی۔

''مجھے غور سے دیکھو ایسا کیا ہے جو مجھ میں نہیں ہے حرم میں ہے، مجھے اپنی زندگی میں شامل کرلو علی، بس یہ احسان کر دو مجھ...... میں...... میں تمہیں اتنی محبت دوں گی، تم بھول جاؤ گے اسے۔'' اس نے روتے ہوئے اس کا بازو جھنجوڑا اس کا دوپٹہ گر گیا تھا، علی کو اس کو دیکھ کر یک لخت کسی خطرے کا احساس ہوا وہ اسے ہوش وحواس سے عاری لگی اسی پل، چائے وائے سب بھول کر وہ دروازے کی طرف لپکا۔

''میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گی، تمہیں حاصل کرنا میری زندگی کا اولین مقصد ہے۔'' وہ کہتی اس کے پیچھے لپکی کچھ ہی لمحوں میں پورا گھر اس کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔

یہ سب سوچتے اسے کسی نے بے دردی سے بیڈ سے کھینچا، وہ علی تھا پتہ نہیں کس پل کمرے میں آیا تھا، اس کے بازو سے بری طرح پکڑ کر اس نے گھسیٹ کر اسے نیچے اتار کھڑا کیا عائزہ اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھی لڑکھڑا کر رہ گئی، ابھی سنبھلنے نہیں پائی تھی کہ چہرے پر پڑنے والے زوردار تھپڑوں نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا علی نے اسے بہت مارا تھا اتنا کہ وہ خود تھک کر ہانپنے لگا، حیرت عائزہ کو خود پر ہوئی کہ ہلکی سی تکلیف پر پورا گھر سر پر اٹھا لینے والی عائزہ نے اف کیے بغیر اس کی مار کو برداشت کیا۔

''بہت محبت کرتی ہو ناں مجھ سے اتنی کہ مجھے حاصل کرنے کو مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا، میرے اپنوں کی نظروں سے گرا دیا مجھے، اب...... اب بھی کیا ہاتھ آیا ہے تمہارے کچھ بھی نہیں، تم مجھے تو کیا میری گرد کو بھی نہیں چھو سکو گی، ایسی سزا دوں گا تمہیں، علی کا نام ملا ہے ناں تمہیں، علی کو حاصل کر کے دکھانا، ساری زندگی ترستی رہو گی میں اگر خوش نہیں ہوں تو تمہیں بھی کوئی خوشی نہیں دوں گا اپنی ذات کے حوالے سے، انسان انتہائی قدم اٹھانے سے اس وقت ڈرتا ہے جب اسے اپنی کسی قیمتی متاع کے چھننے کا ڈر ہوتا ہے، میرا سب کچھ تم لوٹ چکی ہو اب میں ہر قسم کے ڈر اور خوف سے آزاد ہوں، جا کر اپنے عزت ماب چچا کو بھی بتا دینا بے شک۔''

اس کے بازو کو مضبوطی سے جکڑے علی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خوفناک لہجے میں کہا تھا، عائزہ لہجے کی سنجیدگی اور انداز پر بری طرح لرز گئی، اپنے حسن سے متاثر کرنے کے، معافی مانگ کر منا لینے کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، اس کے حقارت سے صوفے پر دھکیلتا اب وہ الماری میں سے بیگ نکال کر اپنے کپڑے نکال نکال کر اس میں ٹھونس رہا تھا، عائزہ کچھ دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے صوفے پر پڑی اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھتی رہی پھر تیر کی تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

''علی...... ایسا مت کرو، میرا عمل برا تھا، غلط تھا، مجھے تسلیم ہے پر یقین کرو میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں، ایسا تصور ہی مجھے بے حال کر دیتا تھا کہ میں تمہیں کسی اور کے ہمراہ دیکھوں، ایک بار...... ایک بار مجھے معاف کر دو، یہ دیکھو میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' وہ زور زور سے روتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں اگر تمہیں کچھ کہہ نہیں رہا تو اس لئے کہ تمہارے ناپاک خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا بس اس کے علاوہ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' یہ کہہ کر وہ بیگ اٹھا کر کمرے سے نکلتا چلا گیا، وہ جو یہ سوچ کر نکلا تھا کہ وہ اس نے اب یہاں دوبارہ قدم نہیں رکھنا، لاؤنج میں صوفے پر

پاؤں اوپر کر کے کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھتی رئیسہ بیگم کو دیکھ کر اس کے قدم بے ساختہ سست پڑ گئے، دونوں ماں بیٹے کی نظریں ایک دوسرے سے ملیں کچھ ہی لمحوں میں وہ پورا اونچا لمبا مرد ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رہ رہا تھا، احساس زیاں کی اس قدر شدید تھا۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی ماں کی مجبوریوں کو جان کر بھی گھر چھوڑ کر جا رہے ہو اپنی ماں کی زندگی میں ایک اور نا کردہ گناہ درج کرانے کے لئے کہ رات و رات بیٹے کو بھگا دیا۔" اس کے بیگ کو بغور دیکھتے وہ رنجیدہ سی بولیں، علی تڑپ ہی تو گیا، وہ ان کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا۔

"آپ کا بیٹا آپ پر قربان امی، آپ کی دربدری کے خوف نے ہی تو مجھ سے اس قیامت نامے پر سائن کرائے ورنہ آپ کے مجازی خدا تو ایک طرف دنیا کی کوئی طاقت بھی مجھے اس طوق کو زبردستی گلے میں ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔" وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ کر بے قراری سے بولا۔

"میں یہاں رہا ناں امی تو اس نے بچنا نہیں ہے میرے ہاتھ سے، اس کو دیکھ کر اپنی ہتک کا احساس سوا تر ہوتا ہے، لہو کی جگہ شرارے دوڑنے لگتے ہیں، مجھے مت روکیں امی۔"

"تمہارے ابا نے پرسوں تمہارے ولیمہ کی تقریب رکھنے کا ارادہ کیا ہے، عذر یہ ہوگا کہ ان کی اچانک خراب ہونے والی طبیعت کے پیش نظر نکاح کو فوری کرنا پڑا ہے جبکہ عزیز رشتہ داروں کو مطمئن کرنے کی غرض سے یہ فنکشن ہوگا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تمہیں سمجھانے کے لئے انہوں نے میرے کمزور کندھے پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی ہے، شاید تم سے اسی اقدام کی توقع تھی انہیں اسی لئے پیشگی بند باندھ دیا، وہ تو پریشانی کے مارے نیند نہیں آ رہی تھی تو یہاں آ کر بیٹھ گئی ورنہ تم تو ماں سے ملے بغیر ہی چلے جاتے۔"

اس رات ان ماں بیٹے نے وہ رات وہیں بیٹھے دکھ سکھ روتے گزار دی تھی۔

"مصیبت اور آزمائش میں صبر کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے بیٹا! کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لینا کہ جو لڑکی چاہے جس طریقے سے بھی تمہارے نام سے جڑ کر آج یہاں آ بیٹھی ہے اس سے تمہارے کئی خونی و دلی رشتے بندھے ہیں، اس کے گھر میں تمہاری دو بہنیں ہیں بچے، تمہاری سچائی کو میرا اللہ جانتا ہے تمہاری ماں جانتی ہے، ایک دن میرا اللہ باقی لوگوں پر تمہاری سچائی واضح کر کے تمہیں سرخرو ہونے کا موقع ضرور دے گا۔" وہ اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی اسے زندگی جیسی کٹھن چیز سے نبرد آزما ہونے کے سنہرے گر بتاتی رہیں جو وہ خود آزما چکی تھیں، تھکے ہارے اعصاب ماں کی گود کی گرمی پا کر پرسکون ہو گئے اور اپنے سارے دکھ ماں کے دل میں منتقل کر کے وہ وہیں سو گیا تھا، رئیسہ بیگم نے اذانوں کی آواز پر اس کا سر آہستہ سے کشن رکھ کر منتقل کیا اور نماز کی غرض سے اٹھ کھڑی ہوئیں اللہ کے حضور اپنے بچوں کی خوشیوں اور اپنے گھر کے سکون کی دعا کرنے۔

☆☆☆

"تم کسی بھی خوش فہمی میں مت رہنا، اپنی ماں کا حکم میں جان دے کر بھی مان سکتا ہوں اور میری ماں کا حکم ہے کہ مجھے ابھی یہاں رہنا ہے، تمہیں وضاحت اس لئے دے رہا ہوں کہ میرے حوالے سے کبھی بھی کسی ہلکی سی خوش فہمی کو بھی جگہ مت دینا، تمہارے حسن سے متاثر ہونا تو ایک طرف کسی فطری جذبے سے مغلوب ہو کر بھی کبھی دل نے مجبور کیا تو میں خود کو اسی وقت ختم کر

دوں گا، ویسے بھی جذبات بھی وہیں ہوتے ہیں جہاں محبت ہوتی ہے اور میں تم سے محبت تو ایک طرف نفرت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہتا۔'' اس کے حقارت سے کہنے پر عائزہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

حرم کو تو احمد حسن کی کال سے ایک شاک سا لگا تھا وہ تین دن اپنے ماموں کے گھر جانے کی وجہ سے علی سے رابطہ نہ رکھ پائی تھی خود علی نے بھی گھر پر موجود ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں کال یا ایس ایم ایس پر رابطہ نہیں رکھا تھا اور آج واپس لوٹتے ہی جب وہ علی کی خبر لینے کا پورا پورا پروگرام بنائے بیٹھی تھی، اس کے ابو سلیم صاحب کے پاس پھپھا کا فون آیا تھا انہوں نے ہی خوشی بھرے لہجے میں یہ روح فرسا خبر سنائی تھی جس نے اس کے جسم سے روح نکال کے رکھ دی تھی ابو اسی حوالے سے امی کے ساتھ بیٹھ کر پروگرام بنا رہے تھے جب وہ بے قراری سے اپنے کمرے میں آئی اور سیل اٹھا کر تیزی سے علی کا نمبر ملایا نمبر پاورڈ آف ملا تھا اس نے آنسو سے بھری آنکھوں کو بے دردی سے صاف کرتے ہوئے فلاح کا نمبر ملایا، کافی دیر بیل جانے کے بعد جب وہ مایوس ہونے لگی دوسری طرف سے کال پک کر لی گئی۔

''ہیلو! یہ تم ہو فلاح...... یہ ابو...... ابو کیا کہہ رہے ہیں ایمرجنسی میں علی کا نکاح کرنا پڑا ان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اب کل...... کل...... ولیمہ ہے۔'' وہ آنسوؤں اور بھرائی آواز پر بمشکل ضبط کرتے تیز تیز بولتی چلی گئی کہ شاید فلاح ابھی تردید کر دے گی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے جبکہ دوسری طرف مسلسل خاموشی پر اس کی دل کی دھڑکنیں جیسے ساکت ہونے لگیں۔

''حرم!'' دوسری طرف سے فلاح کی تھکی اور ہاری ہوئی آواز آئی۔

''تم نے جو سنا ہے بالکل ٹھیک سنا ہے، کیوں اور کیسے ہوگیا یہ سب یہ نہ تم ہم خود ابھی تک جان پائے ہیں، نہ تمہیں بتا سکتے ہیں، شاید تقدیر اسی کو کہتے ہیں، ابھی مزید بات کرنے کی نہ ہمت ہے ناں سکت بعد میں بات کروں گی۔'' مزید کچھ کہے سنے بغیر اس نے کال کاٹ دی تھی، امی ابو نے اس کو بہتیرا کہا کہ وہ بھی ولیمہ میں شرکت کرے ورنہ رئیسہ، فلاح اور خود علی کتنا ناراض ہوگا وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے پڑی رہی ویسے بھی اس کا نڈھال اور تھکا ہوا انداز انہیں اسے ساتھ لے جانے پر مجبور نہ کر سکا واپسی پر وہ کچھ الجھے ہوئے سے ضرور تھے دونوں، بظاہر سب کچھ ٹھیک نظر آنے کے باوجود مجھے یوں لگا جیسے سب کچھ ٹھیک نہیں تھا وہاں، بھائی صاحب اگرچہ بہت خوش تھے پر رئیسہ اور فلاح کے چہرے پر وہ خوشی نظر ہی نہیں آئی جیسی عموماً اس موقع پر ماں بہنوں کے چہروں سے چھلکتی نظر آتی ہے، حرم کی امی کا انداز کچھ کھوجتا ہوا تھا۔

''ارے تم عورتیں بھی بال کی کھال اتارنے کی ماہر ہوتی ہو، بتایا بھی تھا کہ بھائی صاحب کے دل میں اچانک درد کیا اٹھا کہ بس بیٹے کے سر پر سہرہ دیکھنے کو مچل گئے اور فوراً نکاح کروا کے دم لیا لیکن رئیسہ اور فلاح ٹھہری ماں اور بہن جن کے اکلوتے بیٹے اور بھائی کی شادی کے ہزاروں ارمان ہوں گے تو بس یہی وجہ ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔'' سلیم صاحب نے اپنی بیگم کی تشفی کرائی۔

''پھر بھی مجھے دلہن دولہا سب کسی ڈرامے کے کرداروں کی طرح لگے جنہیں زبردستی لا کر اسٹیج پر بٹھا دیا ہو نہ کوئی نئی شادی کی خوشی اور مخصوص چمک کا تاثر بس پورے فنکشن میں بھائی

صاحب کے علاوہ مجھے دلہن کی ماں اور بہن خوب چہکتی نظر آئیں فلاح بھی گم صم سی آ کر لی اور حیرت تو مجھے اس وقت ہوئی جب حرم کا بھی اس نے نہیں پوچھا سرسری طور پر ہی۔"

"اوہ بھئی، ہر وقت رابطہ ہوتا ہے دونوں کا آپس میں فون پر حرم نے بتا دیا ہوگا کہ وہ نہیں آ رہی، تم ایسا کرو حرم کو جا کر دیکھو اس کی طبیعت کیسی ہے اب۔" سلیم صاحب نے بات کو ختم ہی کر دیا۔

☆☆☆

"ایک بات میری کان کھول کر سن لو تم، میں بہت کم دنوں کے لئے گھر آتا ہوں ایسے میں مجھے نظر نہ ہی آیا کرو تو زیادہ بہتر ہے اور اس گھٹیا گیٹ اپ میں تو ہرگز نہ دیکھوں تمہیں۔" اس نے اس بجے کے دلہن بنے ہوشربا سراپے کی طرف انگلی اٹھا کر نفرت سے کہا، عائزہ نے کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا اس کے لئے یہی بہت تھا کہ نفرت سے ہی سہی وہ اس سے مخاطب تو تھا ناں۔

"میں نے اس کمرے میں کسی اور کو اس حیثیت سے رہتے اور بستے بستے دیکھا ہے تمہیں دیکھ کر میرا دل کرتا ہے کہ میں تم سمیت سب کو آگ لگ دوں جو جو میری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنا لیکن میری ماں کا چہرہ میرے تصور میں آ کر مجھے کسی بھی انتہائی قدم سے باز رکھتا ہے، میرا ضبط زیادہ نہ ہی آزماؤ تو زیادہ بہتر ہے۔" کہتے ساتھ وہ اپنے بستر پر کمبل سر تک تان کر لیٹ گیا۔

"ابھی عشق کے ہیں امتحان بہت۔" اس نے اپنی مرضی کا ایک کھیل شروع کیا تھا اب شروعات میں ہی تھک گئی یہ جانے اور سوچے بغیر نہ کوئی بھی کھیل دوسرے فریق کے بغیر نامکمل ہوتا ہے اور تکمیل کو بھی پہنچتا ہے جب دونوں فریقین پوری آمادگی سے کھیلیں، وہ خاموشی سے کپڑے تبدیل کر کے آئی صوفے پر کمبل اور تکیہ ڈال کر آئندہ زندگی کا لائحہ عمل سوچتی کب نیند کی وادی میں اتر گئی پتہ ہی نہ چلا۔

اگلے روز صبح اٹھنے پر اور باہر آنے پر چچی نے سرسری سا بتایا کہ علی علی الصبح ہی چلا گیا ہے، چچی کا انداز نہ تو چچا کی طرح والہانہ تھا نہ ہی ناگوار بس بہت خاموش سی لگیں وہ اسے زندگی میں پہلی بار وہ ان کی مدد کے لئے ناشتہ بنانے کے لئے ہاتھ بٹانے لگی۔

"ہٹو تم رہنے دو شادی کے شروع دن ہی تو ہوتے ہیں آرام کرنے کے پھر تو چاہیں بھی تو یہ گھر کے کام کاج کے بکھیڑے جان ہی نہیں چھوڑتے۔" انہوں نے نرمی سے اسے منع کر دیا چچا بھی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگے، پتہ نہیں کیوں عائزہ کو چچی سے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی شاید یہی سوچ کر کہ فلاح نے ان کو بھی اس کے جھوٹ کے بارے میں بتا دیا ہوگا، چوری سے ایک بار پھر ان کے چہرے پر نگاہ کی پر ہر بار جیسا پرسکون اور سنجیدہ تاثر ہی ملا۔

"جاؤ بیٹا اپنی امی سے مل آؤ جب تم سوئی ہوئی تھی تو آئمہ آئی تھی تمہیں بلانے۔" ناشتے کے بعد کام والی آ گئی تو چچی اس کے ساتھ لگتے ہوئے عائزہ سے بولیں تو عائزہ کو اپنی اماں کا رویہ یاد آیا جو ہر بار جب فلاح چچی کے گھر آنے لگتی اسے کسی نہ کسی کام کے بہانے روک لیا کرتی تھیں، اپنے پورشن میں آنے پر پہلا سامنا ہی کچن سمیٹتی فلاح سے ہوا اس کے سلام کا جواب سرد مہری سے دیتی وہ قصداً رخ موڑ گئی۔

"ارے عائزہ آؤ...... آؤ اماں کے کمرے میں چلتے ہیں۔" آئمہ اسے دیکھ کر جوش سے پکڑ کر اماں کے کمرے میں لے گئی جہاں تائی جیلہ

اسے دیکھ کر خوش ہوگئیں اصل میں نکاح کے بعد سے ان ماں بیٹیوں کی تفصیلی گفتگو ہی نہ ہو پائی تھی اور وہ اس سے علی کے متعلق پوچھنے پر بضد تھیں۔

''وہ بہت ناراض ہیں اماں بہت ناراض، میری غلطی بھی تو بہت بڑی ہے ناں۔''

''پھر بھی......''

''پھر بھی ان کا اتنا احسان بہت ہے کہ مجھے اپنے گھر میں رہنے دیا۔'' وہ بھرائی آواز میں بولی اور تائی جمیلہ کے علی کے رویے کے متعلق پوچھنے پر وہ بھرائی آواز میں بولی۔

''ارے اس کی یہ جرأت، گھر بیٹھے اتنی خوبصورت لڑکی مل گئی ہے اس لئے اکڑ رہا ہے، آنے دو ذرا بھائی صاحب کو اس کی طبیعت صاف کرواتی ہوں۔'' تائی جمیلہ حسب عادت چمک کر بولیں تو عائزہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''اماں......اماں خدا کے لئے کسی سے کچھ مت کہنا، میری غلطی بہت بڑی ہے میں...... میں اسے منا لوں گی مجھے یقین ہے ویسے بھی چچی چچا بہت اچھے ہیں میرے ساتھ ہیں، وہ بہت دن ناراض نہیں رہیں گے۔'' وہ جلدی سے اماں کی تسلی کراتے ہوئے بولی کیونکہ پتہ تھا اماں نے ابھی کے ابھی چچا کو یا تو بلوا کے الٹی سیدھی لگا دینی ہے یا پھر فون ہی کھڑکا دینا ہے۔

''اوہ اس کی نیا پار لگ گئی ہے اب میرا کچھ سوچیں اماں، مجھے فکر ہو رہی ہے جب سے میں آئی ہوں اسد کا کوئی رابطہ نہیں مجھ سے نہ کال کر رہا ہے نہ جواب دے رہا ہے، نمبر بند ہے اس کا، چچا نے ولیمہ پر بھی بلایا سب کو وہاں سے کوئی نہیں آیا کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔'' آئمہ کی تشویش پر تائی جمیلہ بھی پریشان ہوگئیں۔

''اے اس کے گھر کا نمبر ملا کے کچھ اتا پتہ لے اس کا کون سی ایسی ناجائز فرمائش کر دی تم نے جو یوں اینٹھ کر بیٹھ گیا ہے، یہ لو اس فلاح میسنی کے کام، بیاہی نند پہلی بار گھر آئی ہے اور کھانا پینا تو ایک طرف ملنے کو ہی نہیں آئی کم بخت۔'' تائی جمیلہ کی توپوں کا رخ اب فلاح کی طرف مڑ گیا۔

''اماں وہ کچن میں تھیں، مل لی تھی میں ان سے وہاں اور انہوں نے ناشتہ چائے کا پوچھا تھا مجھے، میں ابھی ناشتہ کر کے آئی تھی تو خود ہی منع کر دیا۔'' عائزہ کے تیزی سے کہنے پر تائی نے ہنکارا بھرا اور نہ ابھی کے ابھی فلاح کی کلاس لگنی لازمی تھی، فلاح کی کچھ دنوں سے طبیعت بھی مضمحل سی تھی پھر عائزہ کی تو اب اس کو شکل دیکھنے کو بھی دل نہیں کرتا تھا سو کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں پڑی رہی علی کا پژمردہ چہرہ، حرم کی روتی ہوئی آواز اسے چین نہ لینے دیتی تھی، عائزہ دوپہر کا کھانا کھا کے گئی تھی، وہ شام کو کچن میں چائے بنا رہی تھی جب ایک زوردار چکر پر اس نے گھبرا کر کچن کی سلیب کو تھاما عمر جو اسی وقت کسی کام سے کچن میں آیا تھا، اس کا زرد پڑتا چہرہ دیکھ کر گھبرا گیا اور اسے لے کر سیدھا ڈاکٹر کے پاس چلا آیا جہاں خوشخبری سنتے ہی اس کا موڈ کچھ خوشگوار ہوا اور نہ عائزہ والے واقعہ کے بعد اس کا محبت بھرا رویہ بیزاری اور نفرت میں بدل گیا تھا، اس نے فلاح کو دیکھنا اسے بلانا تک چھوڑ دیا تھا، تائی جمیلہ کے ماتھے کی تیوریاں بھی کم ہوئی تھیں یہ خبر سن کر، اسی شام اسد چلا آیا تھا اور اس نے کسی کو بتائے بغیر پہلی ملاقات احمد حسن سے کی تھی اور انہیں آئمہ کی ناجائز خواہش کا بڑی بے بسی سے بتایا تھا۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور آئمہ سے بہت محبت اس نے میری محبت کو میری کمزوری سمجھ لیا ہے، میں نے پورے خاندان

سے ٹکر لے کر اپنے بے حد قریبی رشتہ داروں کو ناراض کر کے آئمہ کو اپنایا ہے میری بہن اسی تنازے کی وجہ سے اپنی ازدواجی زندگی کو خطرے میں ڈال بیٹھی ہے اور ابھی تک میکے کی دہلیز پر بیٹھی ہے ابھی یہ مسائل حل نہیں ہو پائے کہ آئمہ کی طرف سے شہر میں الگ گھر کا مطالبہ...... میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ گاؤں میں اتنی بڑی حویلی سے میرے بوڑھے ماں باپ اور مظلوم بہن آخر اسے کیا کہتے ہیں، شادی کے بعد عورت اپنا گھر اور گھر والوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے لئے کتنی قربانیاں دیتی ہے اور یہاں اس نے ان چار پانچ ماہ میں میری والدہ اور بہن سے کبھی سیدھے منہ بات ہی نہیں کی اب یقین کریں اس کے بے جا مطالبے اور میکے میں روٹھ کر بیٹھ جانے سے مجھ پر میرے گھر والوں کا دباؤ بڑھ رہا ہے کہ ہم نے تمہاری بات مانی تھی اور اب تمہاری بیوی کا گھر بسانے کا ارادہ نہیں لگتا تو مجھے ان کی خواہش مان کر اپنی سابقہ منگیتر سے شادی کر کے آئمہ کو چھوڑ دینا چاہیے، یقین کیجئے انکل اگر آئمہ سے میری محبت شدید نہ ہوتی تو شاید جتنا دباؤ میرے اوپر ہے میں اب تک اپنے گھر والوں کی مان گیا ہوتا، میں اب آخری امید کے طور پر آپ کے پاس آیا ہوں، آپ ہی اس مشکل کا حل نکالیں آئمہ کو میرے ساتھ گھر واپس چلنے پر راضی کریں نہیں تو میں بہت دنوں تک اپنے گھر والوں کو روک نہیں پاؤں گا وہ بھی اس صورت میں جب میری بہن کی شادی شدہ زندگی کو خوشیاں بھی اسی قدم کے ساتھ جڑی ہوں۔'' وہ تو اپنی داستان امیر حمزہ سنا کر بیٹھ گیا، احمد حسن الگ گم صم ہو بیٹھے۔

آئمہ بہت دن سے ان کو گھر میں نظر آئی تھی پھر ان کے ذہن میں بھی نہیں آیا تھا کہ اس کے پیچھے اتنی نامعقول وجہ ہو سکتی تھی، نہ ہی بھابھی بیگم نے بتانا گوارا کیا تھا، وہ رئیسہ بیگم کو داماد کی خاطر مدارت پر لگا کر خود تائی جمیلہ کے پورشن میں آگئے تھے۔

''آئمہ اٹھو بیٹا اپنا سامان تیار کرو تمہارا شوہر تمہیں لینے آیا ہوا ہے اور تم اس کے ساتھ جا رہی ہو اپنے گھر۔'' انہوں نے خاصے مصروف سے انداز میں اندر لیٹی ہوئی آئمہ کو حکم دیا جو خاصی ناسمجھی سے ان کو دیکھنے لگی جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

''کیا ہو گیا ہے احمد حسن! چھری تلے دم تو لو، کہاں سے آگیا اس کا شوہر میں بات کرتی ہوں اس سے۔'' تائی اپنا بھاری بھرکم جثہ سنبھالتے اٹھنے لگیں۔

''آپ ابھی رہنے دیں بھابھی بیگم میں ابھی آکر آپ سے بات کرتا ہوں، آئمہ تم ابھی تک کھڑی ہو، بلکہ ایسا کرو ایسے ہی آجاؤ میں فلاح سے کہوں گی تمہارا سامان پیک کر دیں گی اسد آتا جاتا رہتا ہے شہر کسی وقت لے جائے گا۔'' انہوں نے دونوں کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر آئمہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پورشن کی طرف لے گئے۔

''اچھی بیٹیوں کا یہ وطیرہ نہیں ہوتا جیسا تمہارا ہے مگر شاید تمہارا قصور نہیں ہے تمہاری تربیت ہی ایسی ہوئی ہو گی ورنہ اپنی ماں کی پوری زندگی پر نظر ڈالو تو پتہ چلے کہ عورت گھر ہستی کو کیسے گزارتی اور سنوارتی ہے، پھر فلاح کو دیکھو تمہاری تائی جمیلہ بیگم کے مزاج کے ساتھ گزارہ کرنا کوئی آسان بات نہیں، فلاح کی تربیت جیسی رئیسہ نے کی ہے مجھے فخر ہے اس پر، بیٹیوں کو گھر بنانے کے لئے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے، تم تو خوش قسمت ہو تمہارا شوہر تمہارا قدر دان ہے

تمہاری حیثیت مستحکم ہے اپنے گھر کو دیکھو بچے، عزت اور محبت دو چیزیں ایسی ہیں جن کو جتنا زیادہ دو گے تمہیں وہ دوگنی چوگنی ہو کر ملیں گی بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہتا کہ آئندہ جب بھی اس گھر میں آؤ اپنے خاوند اور اپنے گھر والوں کی رضا سے خوش خوش آنا، ماں باپ کا مان بن کر رہنا، ان کی تربیت پر بھی صرف نہ آنے دینا، جاؤ خوش رہو بیٹا۔'' ابا اسے لے کر سیدھا اپنے کمرے میں لائے اور یہ سب کچھ آئمہ کو کہا کچھ باتیں اس کو سمجھ میں آئیں کچھ سر سے گزر گئیں بہر حال وہ کچھ بولی نہیں تھی کیونکہ اسد کی طویل بے خبری اسے بھی وسوسوں میں مبتلا رکھے ہوئی تھی، ابا کے ساتھ جس پل وہ ڈرائنگ روم میں آئی اسد رئیسہ اور عائزہ سے بڑے خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہا تھا، اسے آتے دیکھ کر خوشی سے کھل گیا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ رخصت لے کر چلے گئے، آئمہ کی تائی جمیلہ سے اگلے دن فون پر ہی بات ہو پائی تھی۔

''خوب ماں سے محبت نبھائی تم نے، ملے بغیر ہی چل دیں اس بے مہر کے ساتھ۔''

''ارے اماں وہ تو شکر ہوا میں آگئی ہوں ورنہ یقین کریں یہاں تو اسد کی دوسری شادی کے سارے انتظامات مکمل تھے میری ضد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سب نے اسد کی شادی کا پورا پروگرام بنا رکھا تھا، اب تو چچا کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں ورنہ میں نے اپنی ضد پر اڑے رہنا تھا یہاں میری جگہ کسی اور نے لے لینی تھی ویسے بھی اماں اب سوچا ہے تو پتہ چلا ہے کہ اکڑتی تو شروع سے میں ہی آ رہی ہوں ورنہ سب تو محبت اور عزت ہی دیتے تھے مجھے۔''

''اے بس کرو بی بی خود ہی فیصلے کر کے فکر جاتی ہو میں نے کب تمہیں کہا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤ، خوش رہو ہم تو بس یہی چاہتے ہیں جہاں بھی رہو۔'' تائی جمیلہ نے اس کا خود ملاقتی کا پروگرام کاٹتے ہوئے ایکدم کہا اور بدمزہ ہو کر فون رکھ دیا وہ جو احمد حسن کو ان کے اچانک فیصلے پر بے بھاؤ سنانے کا سوچے بیٹھی تھیں آئمہ کا بیان بدلتے ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

''چچی! آپ مجھے وہ سب کچھ بنانا سکھا دیں گی ناں جو علی کو پسند ہے۔'' اس کے جھجک کر کہنے پر رئیسہ بیگم کو کرنٹ سا لگا، اب وہ ان کے ساتھ رہ رہی تھی، تو اس کی محبت سی عادات و خیالات ان پر آشکار ہو رہی تھیں، وہ فطرتاً بری نہیں تھی لیکن تربیت کی کمی نے اس کی شخصیت میں کئی جھول پیدا کر دیئے تھے، ان کو کام میں لگے دیکھ کر وہ خود بخود ان کی مدد کرنے لگتی تھی، رئیسہ بے ساختہ مسکرا دیں۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں سکھاؤں گی، یاد آیا کتنے دن سے اس نالائق نے چکر ہی نہیں لگایا آج فون ملا دینا خبر لوں گی اس کی۔'' بیٹے کے ذکر نے ان کے چہرے پر ممتا کی خوبصورت روشنی پھیلا دی تھی، اس ستمگر کے ذکر پر عائزہ کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں، شام کو اس نے رئیسہ بیگم کو فون ملا کر پکڑا دیا۔

''بہت دنوں سے نہ کال کی تم نے نہ خود آئے علی، ماں سے کوئی ناراضگی ہے بچے؟'' ان کی نرم آواز پر وہ چونکی دوسری طرف سے پتہ نہیں کیا کہا گیا۔

''بھلے ایک دن کے لئے ہی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے ضرور آ جانا بیٹا۔'' وہ اداسی سے بولیں۔

''اچھا ٹھیک ہے زیادہ لمبی بات نہیں کروں

گی تمہاری مصروفیات کا پتہ ہے مجھے، یہ لو دلہن سے بات کرو۔'' کہہ کر وہ ریسیور عائزہ کو پکڑا کر خود باہر نکل گئیں، عائزہ نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور تھام کر کانوں سے لگایا، ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں اب پتہ نہیں کیا کچھ سننے کو ملے گا؟ مگر یہ کیا دوسری جانب سے ٹوں ٹوں کی آواز کے ساتھ فون بے جان ہو چکا تھا۔

''ہو گئی بات علی سے۔'' رئیسہ بیگم کے پوچھنے پر اس نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا، اس نے پڑھائی شروع ہی اس لئے کی تھی کہ اسے پڑھی لکھی لڑکیاں پسند تھیں پھر اسے حاصل کر لینے کے بعد اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی اس نے لیکن اس دن دل میں نجانے کیا سمائی کہ اپنے کمرے سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر کتابیں برآمد کیں ان کی گرد جھاڑ کر انہیں اپنے ساتھ لے آئی، رئیسہ بیگم احمد حسن کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں جب فلاح اپنی امی کے پورشن میں میں آ گئی، امی کے متعلق جان کر پریشان ہی ہو گئی۔

''کیا ہوا زیادہ طبیعت خراب تھی تو مجھے بلوا لیتیں میں آ جاتی ان کے ساتھ چلی جاتی۔'' اس کی پریشانی دیدنی تھی۔

''نہیں تو بھابی بس دو تین دن سے سر درد کر رہا تھا، چچا کو پتہ چلا تو وہی ساتھ لے گئے زبردستی وہ تو جا بھی نہیں رہی تھیں۔'' فلاح نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، ویسے بھی اب احمد حسن کے رویے میں رئیسہ بیگم کے لئے بہت بڑی تبدیلی آئی تھی ہمیشہ کے بے پرواہ احمد حسن کا یہ کیئرنگ انداز رئیسہ بیگم کے لئے ڈھیروں سکون کا باعث بنا تھا، انہیں نہیں پتہ تھا کہ احمد حسن دیر سے ہی سہی اپنی کوتاہیاں جانتے جا رہے تھے اور تائی جمیلہ کی فطرت پہنچانتے جا رہے تھے ویسے ویسے ان کے پچھتاوے بڑھ رہے تھے اور رویہ بھی تبدیل ہوتا جا رہا تھا خصوصاً آئمہ کے گھریلو مسائل نے تائی کی اصلیت سمجھنے میں بہت مدد دی تھی انہیں، عائزہ آنکھوں میں آنسو بھرے اس کے بے حد قریب بیٹھی تھی۔

''مجھے معاف کریں، میں نے بہت برا کیا، بہت ہی غلط، اپنی غلطی کا احساس مجھے چین نہیں لینے دیتا، آپ لوگ اتنے اچھے نہ ہوتے تو شاید میرا یہ احساس بھی اتنا شدید نہ ہوتا لیکن آپ، چچی سب کچھ جان کر بھی انجان بن گئے نہ کوئی سرزنش نہ لعنت ملامت اتنی بری لڑکی جس نے آپ کے بھائی کی کردار کشی میں کوئی کسر نہ چھوڑی نہ ہی آپ کا گھر برباد نہ ہو جائے اس حوالے سے سوچا اس سب کے باوجود اٹھا کر گھر کی زینت بنا ڈالا بغیر کچھ جتائے، دن بدن میرا احساس گناہ شدید ہوتا جا رہا ہے، مجھے معاف کر دیں۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، فلاح حیرت سے اسے دیکھنے لگی، واقعی اس نے بہت برا کیا تھا، ان سب کے ساتھ لیکن وہ اتنی اچھی اور صاف دل کی تھی کہ اب عائزہ کی حالت اسے دکھ دینے لگی۔

''مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے عائزہ! اس سارے میں سب سے زیادہ نقصان میرے بھائی کا ہوا ہے اسے مناؤ، اس سے معافی مانگو، مجھے پہل پہلے تم پر شدید غصہ تھا جب تک عمر کا رویہ مجھ سے تمہاری وجہ سے خراب رہا، اس خوشخبری کے بعد عمر پہلے جیسے ہو گئے تو میرے سارے ملال بھی دھل گئے، علی میرا ایک ہی بھائی ہے اور مجھے بہت پیارا ہے جیسے بھی سہی اب تمہارا حوالہ وہ ہے، تو اس حوالے سے تم بھی پیاری ہو، اب تو ہر پل دعا کرتی ہوں کہ کچھ ایسا ہو جائے کہ میرے بھائی کے چہرے کی اداسی دور ہو جائے اور اس کی خوشیاں لوٹ آئیں، اب یہ تم پر ہے کہ تم کیسے

اس کے چہرے کی ہنسی اور آنکھوں کی چمک واپس لاتی ہو۔'' فلاح روتی ہوئی عائزہ کو سب کچھ بھلا کر گلے سے لگالیا۔

''بھابھی! یقین کریں میرا طریقہ اور عمل غلط تھا لیکن اس وقت مجھے برداشت ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ان کی زندگی میں کوئی اور لڑکی آئے، میں...... مجھے اپنی جان بھی دینی پڑے ان کو خوش رکھنے کے لئے تو وہ بھی دے دوں گی، میں ویسی بن جاؤں گی جیسی وہ چاہیں گے، میں بہت سارا پڑھوں گی۔'' وہ...... وہ سب کرنے کو تیار تھی جو علی کو خوش کرے اس کی بدگمانیاں دور کر کے اس سے معافی دلا دے۔

اگلے دن اس نے فلاح سے پھر سے پڑھنا بھی شروع کر دیا تھا، اس کے بہت دن بعد علی جب آتا اسے بری طرح نظر انداز کرتا، اپنے ہر کام کے لئے امی کو کہتا اسے بلاتا، دیکھنا گوارا نہیں تھا اسے عائزہ کا پچھتاوا شدید ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

جس دن علی آیا، اسی دن ماموں سلیم حرم کی بات طے ہونے کی مٹھائی اور اگلے ماہ شادی کی خبر لے کر چلے آئے تھے، علی بھی اس وقت امی ابا کے ساتھ وہیں موجود تھا، عائزہ جس کی نگاہیں اسے دیکھ دیکھ کر سیر نہیں ہو رہی تھیں اس خبر پر چور نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا، اس کے چہرے کا وہی ایک تاثر تھا سنجیدہ صبح ہی وہ آیا تھا ان سب کو مشترکہ سلام کرتے رئیسہ بیگم کے گلے لگ گیا تھا ابا نہیں تھے اس وقت، فلاح بھی آ گئی تھی کافی دیر بیٹھی رہی تھی، اس دوران اس نے نوٹ کیا تھا کہ علی عائزہ کو بری طرح سے نظر انداز کر رہا تھا، لیکن وہ اس معاملے میں بے بس تھی اب جو کچھ کرنا تھا عائزہ کو خود کرنا تھا، ماموں کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، عائزہ کو اس کی پچھلی بار کہی ہوئی باتیں یاد تھیں سو بہت ڈرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ نیم دراز کسی بہت گہری سوچ میں تھا وہ کچھ دیر کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی، وہ اس کی آمد محسوس کر چکا تھا لیکن ہنوز اسی طرح بیٹھا رہا پتہ نہیں کیوں کچھ دنوں سے عائزہ سے شدید نفرت کے اس کے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے اور وہ دل کی اس بے ایمانی پر حیران اور پریشان تھا اس لڑکی کو اپنی ذات سے ملنے والی ہر قسم کی خوشی سے ترسا کر رکھنے کا اس نے عہد کیا تھا پر رئیسہ بیگم نے جب اس کو پچھلی بار فون کیا تھا تو اسے گھر آنے کو کہا تھا۔

''میرا دل نہیں چاہتا امی وہاں آنے کو یہاں مجھے اس لڑکی کو دیکھ کر اپنی ذلت از سر نو محسوس ہوتی ہے۔'' اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا تھا۔

''میں جانتی ہوں بچے پر ایک چیز پر تو ہمارا ایمان ہے ناں وہ ہے تقدیر، مان لو کہ اس لڑکی کا تمہارے حوالے سے اس گھر میں آنا ازل سے طے تھا، معاف کرنا عظیم لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے بیٹا اور میں اپنے بچوں میں ہر وہ وصف دیکھنا چاہتی ہوں جو اچھے لوگوں کی میراث ہو، تصویر کا دوسرا رخ دیکھو تو اس کا تم سے شدید لگاؤ ہی تھا جس نے اسے اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کیا میں مانتی ہوں سب غلط تھا پر غلطی زندگی کی کتاب کا ایک ورق ہوتی ہے اس ایک غلطی کے لئے پوری کتاب کو ہی غلط کر دینا ٹھیک نہیں ہوتا، بس اسی ایک غلط صفحے کو موڑ کر بھول جانے کی سعی کرو، سکون پاؤ گے، یہ سوچ کر ہی ماں کی باتوں پر دھیان دینا کہ اولاد بے سکون ہو تو ماؤں کی

نیندیں اڑ جاتی ہیں میں اپنے گھر سے اداسی کی پرچھاپ ہٹا دینا چاہتی ہوں، وہ دل کی بری نہیں ہے معافی کی طلبگار ہے اور اللہ بھی تو معاف کرنے والے کو قریب رکھتا ہے۔'' اس وقت اس کے پاس امی کی باتوں کے جواب میں کہنے کے لئے بہت کچھ تھا، پھر فلاح بھی اسے بتاتی رہتی تھی کہ اس میں اچھا بننے کی لگن ہے۔

''وہ گناہ تو کر بیٹھی ہے لیکن بہت شرمندہ ہے، کتنی بار معافی مانگ چکی ہے مجھ سے امی سے، پڑھائی سے دلچسپی نہ ہونے کے باوجود دن رات کتابوں میں سر کھپاتی ہے صرف اس لئے کہ تمہیں پسند ہے، پھر پرسوں ہی تو حرم نے کتنے عرصہ بعد اس کو کال کی تھی، وہ جو اتنی اتنی دیر گھنٹوں باتیں دونوں کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہ تھا، علی ہمارے درمیان نہ رسم ورواج آئے تھے نہ رشتے زنجیر بنے تھے نہ دولت دیوار بنی تھی نہ ہی سماج، ہمارے درمیان اگر آئی تھی تو صرف قسمت، قسمت کو ہی ہمارا ساتھ منظور نہیں تھا پھر تمہارا میرا کیا دوش، اتنے دن میں نے خود کو یہی سمجھانے میں گزار دیئے، اب جب سمجھ گئی ہوں کہ تقدیر کے ہاتھوں انسان بے بس ہے تو پھر کسی پر عذر کیسا؟ میرا رشتہ طے ہو گیا ہے میرے ماموں زاد سے، بہت کچھ میں بھلا چکی ہوں، جو کچھ بھولنا مشکل لگ رہا ہے وہ نکاح کا مقدس رشتہ بھلانے میں مدد کرے گا کہ اس میں بہت گنجائش ہوتی ہے۔'' اس کو خوشیوں کی دعا دیتے ہوئے اس نے جس پل فون کاٹا تھا اس وقت علی نے اپنا آپ بہت خالی خالی محسوس کیا تھا، نہ حرم کی محبت کا احساس تھا اس میں نہ عائزہ سے نفرت کا جذبہ، اور اب وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہر دفعہ گھر آنے پر اس لڑکی کو مار دینے یا خود مر جانے کی خواہش شدید ہو جاتی تھی، وہ احساس بھی کہیں دور جا سویا تھا ماموں سلیم کے حرم کے رشتے کی مٹھائی لے آنے پر امی، فلاح اور عائزہ نے جب اس کا چہرہ دیکھا تھا اسے وہ بھی محسوس ہوا تھا۔

بہت دیر شش و پنج میں رہنے کے بعد اس میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ دوبارہ علی سے کچھ کہہ سکے حالانکہ بہت کچھ کہنے کے لئے وہ باہر سے سوچ کر آئی تھی کئی جملے ترتیب دیئے تھے پر کمرے میں داخل ہوتے ہی سب الفاظ ساتھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، صوفے پر لیٹے لیٹے اسے بہت دیر گزر گئی، کل اس نے چلے جانا تھا، اس کا مطلب تھا پھر ایک لمبا انتظار کیونکہ اب اس کا ہاؤس جاب شروع ہو چکا تھا، پھر پتہ نہیں کب آنا ہو، وہ لیٹے لیٹے اٹھ گئی، علی اب چت لیٹا ہوا تھا، وہ سو گیا تھا یا جاگ رہا تھا کچھ پتہ نہیں چلا کیونکہ اس کی آنکھیں بند تھیں، ابھی وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی ہی تھی کہ دستک کے ساتھ رئیسہ بیگم کی گھبرائی آواز سن کر وہ دروازے کی طرف بڑھی، علی بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''عمر آفس کے کام سے باہر ہے علی، فلاح کی طبیعت خراب ہے اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔'' علی سلیپر پہن کر فوراً اٹھ گیا، رئیسہ بیگم ابا کی گاڑی کی چابی لے کر آئی تھیں، ابا بھی آنکھیں ملتے آ گئے اور ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔

''آپ رکیں ابا میں ہوں ناں ساتھ، امی بھی یہاں رہیں گی میں...... میں ساتھ چلتی ہوں۔'' عائزہ نے ڈرتے ڈرتے کہا، علی نے کوئی جواب نہیں دیا وہ دونوں جلدی سے فلاح کے پاس آئے، تائی جمیلہ اس کے پاس تھیں، دونوں اسے لے کر قریبی ہسپتال چلے آئے تھے، جہاں پر تین گھنٹوں کے بعد فلاح نے ایک خوبصورت صحت مند بیٹے کو جنم دیا تھا، علی نے گھر پر کال

کر کے سب کو خوشخبری سنا دی تھی، امی اور تائی جیلہ تو فوراً آنے پر بضد تھیں تب علی نے بتایا کہ کچھ ہی دیر میں وہ خود ہی گھر پہنچ جائیں گے، نڈھال سی فلاح کے چہرے پر ممتا کا نور دیکھ کر عائزہ گنگ رہ گئی، ننھے سے بھتیجے کو دیکھ کر اس نے بے ساختہ اسے گود میں اٹھا کر پیار کر ڈالا علی کے چہرے پر بھی بہت عرصہ بعد نرم سی مسکراہٹ بے حد بھلی لگ رہی تھی، گھر واپس آتے آتے انہیں دو تو بج ہی گئے تھے، رئیسہ بیگم نے فلاح کو یہیں پر روک لیا تھا جبکہ منا اپنی دادی کی گود میں تھا، چار تو اسی گہما گہمی میں بج گئے تھے، علی چونکہ تھکا ہوا تھا سو سونے کے لئے کمرے میں چلا گیا، عائزہ کچھ دیر فلاح کے پاس رہی رئیسہ بیگم کی ہدایت کے مطابق فلاح کو چائے کے ساتھ ابلا انڈہ دیا اور جب فلاح سو گئی تو رئیسہ بیگم نے اسے کہا کہ وہ اب اپنے کمرے میں جائے جبکہ وہ اب نماز پڑھ کر ہی سوئیں گی، منا اپنی دادی کے پہلو میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔

☆☆☆

اسے ابھی سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری ہو گی کہ اپنے پاؤں پر نمی اور نرم سے لمس نے گہری نیند سے اٹھنے پر مجبور کر دیا پہلے پہل تو کچھ بھی سمجھنے سے قاصر رہا، پر جب اعصاب نیند کے غلبے سے باہر آئے تو پتہ چلا وہ عائزہ تھی جو اس کے پیروں پر اپنا چہرہ رکھے زارو قطار ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی، بے ساختہ طویل سانس بھرتا وہ اپنے پیروں کو نرمی سے کھینچتا ہوا اٹھ بیٹھا، عائزہ چونک کر سیدھی ہوئی اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اور سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ نظریں چرا گیا تاہم کچھ بولا اب بھی نہیں تھا وہ آہستہ سے اٹھ کر اس کے مقابل آ کر بیٹھ گئی۔

''میں...... میں آپ کی بہت بڑی مجرم ہوں، مجھے معافی بھلے مت دیں علی، لیکن اپنی بے رخی کی مار بھی مت دیں، میں آپ کی بے نیازی سہہ نہیں پا رہی ہوں، میرے اندر میرا ضمیر مجھے ہر پل کچوکے لگاتا ہے آپ مجھے مار لیں، برا بھلا کہہ دیں لیکن خدا کے لئے کچھ کہیں، آپ کی بے رخی کا یہ انداز میری جان لے لے گا، اپنے گناہ کا اعتراف میں گھر کے ہر فرد کے سامنے کر چکی ہوں حتی کہ عمر بھائی کو بھی سب کچھ سچ بتا دیا ہے، سب کی معافی کے باوجود مجھے سکون نہیں ملتا کیونکہ آپ نے مجھے معاف نہیں کیا، آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیں کیونکہ میں ایسی زندگی نہیں جینا چاہتی جس میں آپ کی محبت نہ ہو۔'' وہ زور زور سے روتے ہوئے بولی۔

''تم نے واقعی میں میرے ساتھ بہت برا کیا ہے عائزہ، بہت برا ایسے تو کوئی اپنے بدترین دشمن کے ساتھ بھی نہیں کرتا جیسے تم نے کیا میرے ساتھ لیکن میں جانتا ہوں کہ محبت بہت بری چیز ہوتی ہے یہ بہت خوار کرتی ہے اور کرواتی ہے انسان کو، تمہاری اس خطا کے لئے میں تمہیں کب سے معاف بھی کر چکا ہوں لیکن انسان ہوں ناں پھر مرد بھی تو اعتراف کرنے سے ڈرتا تھا، معاف تمہیں کر دیا ہے تو ایک دن محبت بھی ہو ہی جائے گی لیکن وعدہ کرو کہ میرے بچوں کی تربیت ویسے کرو گی جیسے میری امی نے ہماری کی ہے ماؤں کو بیٹیوں کا دوست تو ہونا ہی چاہیے رہنما اور رہبر بھی ہونا چاہیے ماؤں کی غفلت ہی ہوتی ہے جو بیٹیوں کو غلط راہ کی طرف لے جاتی ہے۔'' عائزہ ششدر سی اسے دیکھے چلی گئی، وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔

''میری تربیت رئیسہ بیگم نے کی تھی سو بے قصور ہوتے ہوئے بھی تمہیں اپنا لیا ہر کوئی ایسا نہیں ہوتا نہ ایسا کرتا ہے، میں اپنی بیٹی کو بہت

مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں، اس کی زندگی میں ان خرافات کے لیے کوئی جگہ نہ ہو، اس کے سارے جذبے شادی کے بعد اپنے شریک حیات کے حوالے سے ہوں۔" عائزہ کا سر شرمندگی سے جھکتا چلا گیا۔

"میں...... میں وعدہ کرتی ہوں علی اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور کے ساتھ ساتھ اعتماد اور محبت کی دولت بھی دوں گی جیسے چچی نے آپ لوگوں کو دی۔" اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ کر علی کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا، اس اعلیٰ ظرف شخص کی اس اعلیٰ ظرفی کے پیچھے یقیناً اس کی ماں کی اچھی تربیت تھی، علی نے بھی مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔

☆☆☆

رئیسہ بیگم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کتنے ہی شکر گزاری کے آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے۔

آج ابھی انہیں لگا تھا ان کی عمر بھر کی ریاضتوں کا صلہ ان کو مل گیا تھا، جب احمد حسن نے برسوں بعد محبت کا احساس بخشتے ہوئے ان کی قربانیوں اور بچوں کی اعلیٰ تربیت کا سہرہ ان کے سر باندھا تھا۔

"مجھ پر اپنے بھائی کی بیوہ کا احترام اور اس کے بچوں کی ذمہ داری کے فرائض واجب تھے لیکن ان کو نبھانے میں اپنی شریک حیات اور اپنے بچوں کے حقوق بھول گیا تھا رئیسہ، آفرین ہے تمہاری تربیت پر کہ کبھی میری اولاد کو مجھ سے بدگمان نہ ہونے دیا اور ایک بہترین ماں ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین بیوی ہونے کا بھی ثبوت دیا، عائزہ نے جب اپنے جھوٹ کی مجھ سے معافی مانگی تو مجھے اپنے آپ پر بے حد شرمندگی ہوئی جو اپنی اولاد کو ہی نہ سمجھ پایا اور اپنی شریک حیات پر فخر بھی ہوا جس نے میرے اور میری اولاد کے درمیان ایک پل کا کام دیا، بھابھی بیگم نے اپنے بچوں کی بہت غلط تربیت کی وہ تو شکر ہے ان کا بھگتان ان بچوں کو نہیں بھگتنا پڑا، آئمہ کی سوچ دیکھ کر مجھے آئمہ کو بھابھی بیگم کو سونپ دینے کے فیصلے پر بہت پچھتاوا ہوا وہ تو تمہاری دعائیں تھیں جنہوں نے سب کچھ اچھا کر دیا، میرا بیٹا میرے فیصلے کا مان نہ رکھتا تو کیا عزت رہ جاتی میری لیکن وہ رئیسہ بیگم کا بیٹا تھا کیسے انکار کرتا، مجھے معاف کر دو اپنے اوپر ہر زیادتی کے لیے۔"

"ایسا مت کریں آپ۔" رئیسہ بیگم سے ان کا شرمندہ لہجہ اور جھکا ہوا سر برداشت نہ ہوا جس آواز میں وہ ہمیشہ رعب اور انداز میں ایک تمکنت دیکھا کرتی تھیں اسے کیسے جھکا ہوا دیکھ سکتی تھیں۔

"میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا، بس اب تو اپنے بچوں کی سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعا ہے بس۔" انہوں نے کہا تو احمد حسن ایک بار پھر اس عورت کی عظمت کے قائل ہو گئے جنہوں نے کچھ بھی جتائے بغیر ان کو معاف کر دی تھا اور خود شکرانے کے نفل اپنے رب کے حضور پیش کرنے کو اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

امید صبح کی لو
سویرا فلک

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس میں آخر کیا قباحت ہے؟'' مسکان نے زچ ہو کر کہا تو سحر نے گہرا سانس لیا اور ٹیبل پر رکھی کولڈ ڈرنک سے گلے کو تر کرتے ہوئے بولی۔

''مسکان تم واقعی میری بات نہیں سمجھ رہی ہو، دیکھو غلط کو غلط ماننا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ صحیح کو صحیح ماننا، میرے یا تمہارے کہنے سے غلط عمل صحیح نہیں ہو سکتا۔''

''اُف میرے خدایا! لڑکی تم نے تو میرا دماغ ہی پکا ڈالا ہے، یار ایک بات بتاؤ کہ تمہاری نظر میں یہ غلط کیسے ہو گیا، یہ حق تو اسلام نے دیا ہے کہ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ کر پسند کر لیں۔'' مسکان نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا تو سحر چڑ گئی کیونکہ مسکان پچھلے آدھے گھنٹے سے سحر کو اپنا موقف ماننے پر مجبور کر رہی تھی۔

''مسکان تم پھر غلط بات کر رہی ہو، یار اسلام میں لڑکا لڑکی کی رضا مندی کو اولیت اور فوقیت دینے پر زور دیا گیا ہے یہ نہیں یہ کہا گیا کہ وہ ڈیٹس مارکے، کھلے عام ملاقاتیں کر کے، بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے منہ سے اپنے بڑوں کے سامنے جا کر یہ کہیں کہ ہمیں یہ پسند ہے تو وہ ناپسند۔''

''تم سے بحث میں کوئی ہیں جیت سکتا بھئی، تم ٹھہریں ڈیبٹر، مگر میں پھر بھی تمہاری دوست ہونے کے ناطے تمہیں یہی کہوں گی کہ سوچ لو، اتنا اچھا موقع ہاتھ سے گنوانا دانش مندی ہرگز نہیں، ارے دانیال عزیز جیسے مردوں کے تو لڑکیاں خواب دیکھا کرتی ہیں اور پھر تم لوگ کون سا بند کمرے میں مل رہے ہو، یہیں یونیورسٹی میں یا پھر کسی شاپنگ سینٹر کے کیفے ٹیریا میں، مان لو سحر کہ انڈراسٹینڈنگ بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور وہ صرف یہی چاہتا ہے کہ تم سے مل کر تمہارے خیالات سے آگاہی حاصل کر سکے اور تم بھی اس کی شخصیت کے پہلوؤں کی جانچ پڑتال کر کے درست فیصلہ کر سکو، اب میں چلتی ہوں، مما کی کال آئی تھی ان کے ساتھ مارکیٹ جانا ہے، کل ملاقات ہوگی، ٹیک یور ٹائم، اللہ حافظ۔'' مسکان نے سحر کا شانہ تھپتھپایا، اپنا بیگ شولڈر پر لٹکایا اور یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا سے باہر نکل گئی اور سحر کولڈ ڈرنک کی بوتل کو گھونٹ گھونٹ خالی کرتے ہوئے گہری سوچ میں غرق ہو گئی۔

☆☆☆

مسکان اور سحر کالج فرینڈز تھیں اور اب یونیورسٹی فیلو بھی، مسکان ایم اے اکنامکس کر رہی تھی جبکہ سحر انگلش لٹریچر کی طالبہ تھی، اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے باعث دونوں کی دوستی درس گاہوں سے نکل کر گھر تک بھی پہنچ چکی تھی، ایک دوسرے کے گھر آنا جانا معمولات میں شامل ہو گیا تھا، کسی کی گھر بھی کوئی اہم تقریب ہو وہ دوسرے کو ضرور مدعو کرتا تھا، ایسی ہی ایک پارٹی میں دانیال عزیز جو مسکان کا کلاس فیلو ہی تھا اور دور پرے کا رشتے دار بھی، من موہنی صورت والی سحر کو دیکھ کر اس کے سحر میں گرفتار ہو گیا، جب مسکان کے ذریعے سحر کو اس بات کا علم ہوا تو پہلے پہل تو وہ اپنی قسمت پر خوب نازاں ہوئی اور کیوں نہ ہوتی، دانیال عزیز انتہائی پرکشش شخصیت کا مالک تھا، وہ ایک مل اونر کا بیٹا تھا، ساتھ ہی ایک این جی او بھی چلا رہا تھا، وہ یونیورسٹی کا بہترین مقرر تھا اس لئے پارٹ ٹائم ایک ٹی وی پر ٹاک شو میں بھی میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا، یونیورسٹی کی لڑکیاں اس کی وجیہہ پرسنالٹی اور خوب صورت انداز تکلم کے باعث اس کی دیوانی تھیں اور وہ سحر کا اسیر ہو چکا تھا، سحر کے لئے بھی دانیال عزیز کی شخصیت کی

کشش، کشش ثقل واقع ہو رہی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنے اور دانیال عزیز کے بیچ انکار کی دیوار کھڑی کر لی، کیونکہ دانیال عزیز اسے اپنانے سے پہلے اس سے مل کر اس کی شخصیت کی پرتیں کھول کر اس کی ذات کو ٹٹولنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے نزدیک کامیاب شادی کے لئے زوجین کے مابین ذہنی ہم آہنگی کا ہونا اولین اصول تھا۔

''اس کی توجیہہ غلط تو نہیں ہے سحر، کیا تم نہیں جانتیں کہ محض ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث کتنے ہی گھر اجڑ جاتے ہیں۔'' مسکان نے ایک بار پھر دانیال عزیز کا بھرپور دفاع کرنا چاہا۔

''افسوس صد افسوس مائی ڈیئر، تمہارا اور تمہارے کزن کا تجزیہ اس معاملے میں بالکل صفر ہے، گھروں میں ناچاقی اور گھروں کے اجڑ جانے کی وجہ محض ذہنی ہم آہنگی کا نہ ہونا نہیں بلکہ ایک دوسرے کے احساس اور عزت کا نہ ہونا ہے، ایک دوسرے کو قبول نہ کرنا ہے، میرے ابا اور اماں کے نظریات اس حد تک جدا ہیں کہ ایک دن کہتا ہے تو دوسرا رات، مگر میں نے دیکھا ہے اور پچھلے بائیس برس سے دیکھ رہی ہوں کہ انہوں نے کبھی ہمارے یعنی اپنے بچوں کے سامنے، اپنے درمیان موجود اس نمایاں لکیر کو واضح نہیں کیا، انہوں نے بحث و تکرار سے ایک دوسرے کی بات نہیں منوائی بلکہ نرم خوئی سے ایک دوسرے کی مانی ہے، ان کی جب شادی ہوئی تو وہ ملے تو نہیں ہے مگر انہوں نے اللہ کے بنائے اس رشتے کو دل سے قبول کیا، تم لوگ جسے سمجھوتہ کہتے ہو دراصل وہی کامیاب ازدواجی زندگی کی ضمانت ہے، دو انسان جب تک ساتھ زندگی گزارنا شروع نہیں کرتے وہ کبھی ایک دوسرے کو نہیں جان پاتے کیونکہ برتنے سے ہی انسان کی اصل شخصیت کا پتہ چلتا ہے وگرنہ ہم سب گھر کے اندر کچھ ہیں اور گھر سے نکلنے کے بعد کچھ اور، اس لئے میں ایک غلط راستے پر چل کر، اپنے اوپر اچھائیوں کا خول چڑھا کر خود کو اور دائیاں دانیال عزیز کو دھوکہ نہیں دینا چاہتی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اب ہماری دوستی کی پائیداری کے لئے یہ اور بھی ضروری ہے کہ ہم اس موضوع پر دوبارہ بات نہ کریں، کیونکہ جب کوئی تیسرا بیچ میں آجائے تو دو کے درمیان فاصلہ خود بخود بڑھ جاتا ہے۔'' وہ قطعی لہجے میں کہتے ہوئے مسکرا دی اور مسکان لاجواب ہو کر اس مضبوط کردار والی لڑکی کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''سحر بیٹا! کتنی دیر ہے، باقی سب چیزیں تو تیار ہیں نا، وہ لوگ دو بار پوچھ چکے ہیں تمہارا، بس اب جلدی سے چائے لے کر آجاؤ۔'' امی نے کچن میں آکر ٹرالی میں برتن جماتی سحر کو کہا اور خود ٹرالی میں رکھے لوازمات پر نظر ڈالتے ہوئے سحر کے سراپے کو بغور جانچا۔

''جی امی بس چائے دم پر ہے، میں نکال کر لا رہی ہوں، آپ جا کر مہمانوں کے پاس بیٹھیں۔'' سحر نے خود پر جمی ماں کی نگاہوں سے آنکھیں چراتے ہوئے کہا تو اس نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم ڈالا۔

''رشتہ بہت اچھا ہے، میری بیٹی بھی کوئی کم نہیں، انشاء اللہ بات ضرور بن جائے گی، چلو میں ڈرائنگ روم میں بیٹھتی ہوں تم جلدی سے آؤ۔'' امی ایک بار ہدایت دیتے ہوئے کچن سے باہر نکل گئیں، سحر نے جلدی سے چائے دانی میں چائے ڈال کر ٹرالی میں رکھی اور ٹرالی گھسیٹتی ہوئی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی اور خوامی کے اشارے پر دھیمے لہجے میں سلام کر کے مہمانوں میں آئی ایک نسبتاً زیادہ عمر کی خاتون کے ساتھ

بیٹھ گئی۔

''ماشاء اللہ جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔'' خاتون نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تو وہ مسکرا دی۔

''بیٹا! مہمانوں کو کباب وغیرہ دو۔'' امی نے کہا تو وہ اٹھ کر پلیٹیں سرو کرنے لگی، پلیٹیں سرو کرتے ہوئے اس نے باری باری تمام مہمان خواتین کی جانب مسکرا کر دیکھا، مہمانوں میں خاتون کے علاوہ دو لڑکیاں بھی تھیں جو غالباً ان کی بیٹیاں تھیں کیونکہ ایک لڑکی تو خاتون سے مل بھی رہی تھی، دوسری لڑکی البتہ نقاب میں تھی، سحر کو کچھ تعجب بھی ہوا کہ کمرے میں صرف خواتین ہی موجود ہیں، پھر جانے کیوں اس لڑکی نے نقاب نہیں ہٹایا تھا، مگر کچھ کہنے سے قاصر تھی، اس لئے چپ رہی، مہمانوں نے ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان ناشتہ کیا، چائے پی اور پھر خاتون نے رخصت کی اجازت چاہی۔

''چلیں اب ہمیں اجازت دیں، امید ہے سحر ہمارے گھر میں اور میرے بیٹے کی زندگی میں بھی روشن سحر بن کر طلوع ہوگی، ہماری طرف سے یہ رشتہ پکا ہے آپ اور بھائی صاحب تو میرے بیٹے سے مل ہی چکے ہیں، بس اب نکاح کی تیاری کیجئے، نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے، ہم آپ کی بیٹی کو جلد اپنی بیٹی بنانا چاہتے ہیں۔'' خاتون نے سحر کے رخسار پر پیار کیا تو سحر کو لگا کہ گویا وہ ہتھیلی پر سرسوں جما رہی ہوں مگر اس کا جواب سن کر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

''ضرور، ہم بھی سمجھے تیار ہی ہیں، جلد آپ کو فون کر کے تاریخ فائنل کر دیں گے۔'' امی نے کہا اور خاتون سے مصافحہ کیا، پھر دونوں لڑکیوں نے باری باری اسے گلے لگایا اور بغیر نقاب والی لڑکی بولی۔

''چلیں بھابھی اب آپ سے باجے گاجے کے ساتھ ملاقات ہوگی۔'' اور سحر کو لگا کہ اس کے علاوہ سب ہی ہر طرح سے تیار ہیں اور پھر ان کے جانے کے بعد اس نے گویا تصدیق ہی کر دی۔

''بیٹا لڑکا بہت اچھا ہے، اسمارٹ خوش شکل اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بہت اچھی ملازمت کرتا ہے اور خاندان بھی انتہائی تہذیب یافتہ اور شریف ہے، مجھے اور تمہارے ابو کو مکمل یقین ہے کہ ہماری بیٹی بہت خوش رہے گی۔''

''چلو تم بھی لسٹ بنا لو کس کس کو بلانا ہے میں ذرا تمہارے ابو سے تیاری کے معاملات پر بات کر لوں، اللہ تمہیں خوش اور آباد رکھے۔'' امی اسے دعا دے کر کمرے سے چلی گئیں اور وہ برتن سمیٹتے ہوئے یہ سوچ گئی کہ ایسا کون سا شہزادہ اتر آیا کہ امی ابو اسے دیکھتے ہی اس کے ایسے عاشق ہو گئے کہ بیٹی سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا اور ہاں کر دی، مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے لاحول پڑھا اور دل کو تسلی دی کہ اس کے ماں باپ اس کے لئے کبھی بھی برا نہیں سوچ سکتے، وہ ایک تابعدار بیٹی تھی، اکلوتی تھی مگر بگڑی ہوئی نہ تھی، شاید اسی کو تربیت کہتے ہیں، وہ اچھے برے کا فرق جانتی تھی، جانتی تھی کہ والدین کی خوشی میں اللہ کی خوشی ہے اور اللہ کو تو اپنے بندوں کی اطاعت ہی پسند ہے۔

☆☆☆

آج اس کا نکاح تھا، اکتیس دسمبر کی یادگار تاریخ کا انتخاب دولہا کے پرزور اصرار پر کیا گیا تھا، وہ برائیڈل روم میں اپنی چند کزنز کے ساتھ بیٹھی تھی کہ ابو اور خاندان کے دیگر بڑے قاضی کے ہمراہ چلے آئے، اس پر بڑی سی لال چادر ڈال دی گئی تھی تا کہ مردوں سے پردہ رہے، نکاح

شروع ہوا، قاضی نے پوچھا۔
''سحر بنت ریاض آپ کو دانیال بن عزیز کے ساتھ بعوض پچھتر ہزار روپے سکہ رائج الوقت نکاح قبول ہے۔''
سحر کو لگا کہ اس کے کانوں میں بم پھوڑ دیا گیا ہے، اس کا وجود واضح طور پر لرز گیا، اس نے برابر میں بیٹھی امی کا ہاتھ تھام لیا۔
''ہاں بولو بیٹا۔''
''اف کیسی مشکل تھی، اسے لگا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان فضا میں معلق ہوگئی ہے، اس کا حلق جیسے خشک ہو کر پھٹنے لگا تھا وہ چاہ کر بھی پوچھ نہ پا رہی تھی کہ یہ کیسا مذاق ہے، مگر پھر اس کے کانوں میں قاضی کی آواز دوبارہ اسی سوال کی صورت میں گونجی تو اسے خود ہی بار آور ہو گیا کہ یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔''
یہ ایک ایسا ڈرامہ تھا جس میں اس کے سوائے سب اپنے کردار سے واقف تھے، مگر موجودہ چویشن اسے ایک اور ڈرامہ کری ایٹ کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے لہٰذا اس نے دل وزبان کو سختی کے ساتھ احتجاج سے باز رکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا اور مبارکباد کا شور اٹھ گیا، سب لوگ اسے سوچوں کے ہمراہ چھوڑ کر اسٹیج پر بیٹھے دولہا کے پاس چلے گئے، وہ تنہا بیٹھی اس عجیب وغریب معرکے پر کڑھ رہی تھی کہ وہی نقاب والی لڑکی چلی آئی۔
''مبارک ہو بھابھی۔'' اس کی آواز پر سحر بری طرح چونک گئی قریب تھا کہ وہ نقاب نوچ ڈالتی اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے نقاب ہٹا دیا۔
''مسکان کی بچی، تو یہ سارا کھیل تم نے رچایا تھا۔'' سحر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مسکان کا گلا دبا ڈالے۔
''نہیں میری جان میں تو صرف اپنا کردار ادا کر رہی تھی، ڈرامے کے رائٹر اور ایڈیٹر تو تمہارے ہزبینڈ مسٹر دانیال عزیز ہیں۔''
''مسٹر دانیال عزیز۔'' سحر نے زیرلب دہراتے ہوئے لب بھینچے تو مسکان کو اس کی حالت پر ہنسی آ گئی اور سحر محض گھورنے پر ہی اکتفا کر سکی اتنے میں سحر کی کم عمر ماموں زاد کزن اندر آ گئی۔
''مسکان آپی خالہ جان کہہ رہی ہیں آپ سحر باجی کو لے کر آئیں، دولہا والے رخصتی کا کہہ رہے ہیں، ہال گیارہ بجے بند ہو جاتا ہے نا، کھانا بھی کھا لیں۔'' وہ یہ کہہ کر باہر چلی گئی اور سحر کو لگا کہ وہ بے ہوش ہو جائے گی اسے رونا آ گیا۔
''یا اللہ یہ کس قسم کا بھونڈا مذاق کیا ہے سب نے میرے ساتھ، میرے اپنے گھر والوں نے مجھے کسی قابل نہیں سمجھا۔'' اس کی بھرائی ہوئی آواز سن کر مسکان تڑپ اٹھی اور اس کو شانوں سے تھام لیا۔
''پلیز سحر تم کسی قسم کی بدگمانی میں مبتلا نہیں ہو، دراصل یہ ریکویسٹ دانیال نے آنٹی انکل سے کی تھی، وہ تم کو سرپرائز کی شکل میں ایک بڑی خوشی دینا چاہتا ہے اور اس کی خواہش تھی کہ وہ نیا سال کا آغاز تمہاری سنگت میں کرے، بہت محبت کرتا ہے وہ تم سے، تمہیں پتہ ہے اس نے کسی قسم کا جہیز لینے سے بھی منع کر دیا، اسی لئے تو آنٹی انکل بھی رخصتی کے لئے راضی ہو گئے، میں تمہیں ایک اچھی پرخلوص دوست ہونے کے ناطے یہی مشورہ دوں گی کہ تم اس نئے سفر کا آغاز دل صاف کر کے کرنا۔'' سحر خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اس کے دل و دماغ میں جنگ سی چھڑی ہوئی تھی، بہت سی سوچیں دماغ میں گردش کر رہی تھیں، پے در پے اچانک پیش آنے والی صورتحال اور واقعات نے اسے ذہنی طور پر

ڈسٹرب کر دیا تھا، مسکان اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اس کی دلی کیفیت بخوبی سمجھ رہی تھی اس نے مزید کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ دیگر کزنز بھی سحر کو اسٹیج پر لے جانے کے لئے اندر آ گئیں اور باہر آ کر جب اسے دانیال عزیز کے ہمراہ بٹھایا گیا تو وہ جیسے پتھرا گئی، لیکن شاید سب ہی اس کی دلی کیفیت سے واقف تھے کیونکہ سب کچھ اچانک ہونے جا رہا تھا، اس لئے سب خاموش رہے البتہ آف وائٹ شیروانی میں ملبوس دانیال عزیز کے قہقہے سحر کے اردگرد گونج رہے تھے۔

☆☆☆

رخصتی کے بعد ہلکی پھلکی رسموں کے بعد اسے حجلہ عروسی میں لا کر بٹھا دیا گیا، اب وہ کمرے میں تنہا تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے رونا چاہیے یا خوش ہونا چاہیے، مستقل سوچوں نے اس کے دماغ کو تھکا ڈالا تھا، اسے اپنا سر بوجھل محسوس ہونے لگا تو اس نے بیڈ کے سرہانے تکیہ پر آہستگی سے سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں، پھر دانیال عزیز کے کسی بھی لمحے آمد کا خیال آتے ہی واپس اٹھ بیٹھی، اب اسے جھنجھلاہٹ محسوس کر رہی تھی، اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ کمرے میں ڈالی تو کمرے کی بے انتہا خوبصورت ڈیکوریشن نے اسے چونکا دیا اور کمرے کا بغور مشاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا، کمرے کی دیواروں پر لیمن ییلو پینٹ کیا گیا تھا، دروازے لائٹ براؤن تھے، کمرے کا فرش کیمل کلر کے ٹائلز سے مزین تھا، کھڑکیوں کو زسٹ اور آف وائٹ کمبی نیشن کے نفیس اور قیمتی پردوں سے ڈھانپا گیا تھا، جہازی سائز کا بیڈ جس پر وہ براجمان تھی لائٹ براؤن لکڑی کی تھی اور اسی میچنگ کی الماری بھی تھی، سامنے کیمل کلر کے دو کاؤچ پڑے تھے، انتہائی منفرد قسم کی کلر کمبی نیشن اور قیمتی فرنیچر کے ساتھ چھت پر لٹکتا انتہائی خوبصورت فانوس دانیال عزیز کے ذوق کی گواہی دے رہا تھا، وہ دل ہی دل میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکی، اسی اثناء میں دروازہ پر دستک ہوئی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئی اس کی توقع کے عین مطابق دانیال عزیز کمرے میں داخل ہو چکا تھا، وہ دروازہ بند کر کے آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ تک آیا اور عین اس کے مقابل آ کر بیٹھ گیا، سحر کو لگا کہ یکدم اس کے دل کی دھڑکن کی رفتار تیز ہو گئی ہے، جانے کیوں اسے یکدم خیال آیا کہ کہیں دانیال عزیز نے اس کے انکار کے باعث اس سے بدلہ لینے کی خاطر تو یہ ڈھونگ نہیں رچایا، کئی کہانیاں میں پڑھے ہوئے اور فلموں میں دیکھے ہوئے سین اس کے دل دماغ میں ہلچل مچانے لگے، اس کی پیشانی اور ہتھیلیاں سردی کے باوجود نم آلود ہو گئیں تب ہی دانیال عزیز نے اس کی نازک مرمریں کلائی تھامی تو آتشی چوڑیاں بج اٹھیں۔

''سحر مجھے معاف کر دینا۔''

''کیا دانیال عزیز کے دماغ میں خلل واقع ہو گیا ہے۔'' سحر نے چونک کر جھکا ہوا سر اٹھایا پھر خود پر اس کی وارفتگی لٹاتی نگاہیں پا کر واپس سر جھکا لیا، آتشی شرارے میں اس کی میچ رنگت ہیک اپ اور جیولری سے دو آتشہ ہو رہی تھی۔

''مسکان بتا رہی تھی کہ تم ناراض ہو، مگر میں مجبور تھا، مجھے ڈر تھا کہ تم میرے پرپوزل کو بھی ریجیکٹ ہی نہ کر دو، مگر میرا مقصد تمہیں دھوکہ دینا اور ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔

''دھوکہ تو بہرحال مجھے دیا گیا ہے، شاک تو لگنا ہی تھا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

''اس لئے تو معافی مانگ رہا ہوں، محبت

اور جنگ میں سب جائز ہے نا یار، پلیز اب مان بھی جاؤ، نہیں تو میں مفت میں مارا جاؤں گا۔"
دانیال عزیز کا لہجہ ذو معنی ہوا تو وہ بلش کر گئی اور دانیال عزیز نے جیب سے رونمائی کی خوبصورت ڈائمنڈ بریسلیٹ اس کی حنائی کلائی میں سجا دی تو سحر کی شرمیلی مسکراہٹ نے گویا دانیال عزیز کو گرین سگنل دے دیا۔

☆☆☆

دوسرے دن یکم جنوری تھی، دانیال عزیز کو لائیو شو کرنا تھا، مختلف گیسٹ بھی انوائیٹڈ تھے، وہ ایک بارننگ شو کا ہوسٹ تھا، سحر کافی اور سینڈوچز لئے ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی، دانیال کی مصروفیت کے باعث سحر کے گھر والوں نے دوسرے دن کے بجائے تیسرے دن کا مکلاوہ رکھا لیا، سو وہ سکون سے بیٹھی تھی، شو شروع ہو چکا تھا، دانیال عزیز نے چھا جانے والی شخصیت اور لب و لہجے کے ساتھ پروگرام کا آغاز کیا۔
"ناظرین یوں تو ہر نیا دن اور ہر روز ابھرتا سورج ہمیں امید اور آس دیتا ہے، تبدیلی کی مگر نیا سال ہمارے جوش اور ولولے کو بڑھا دیتا ہے مگر ہم میں سے بہت سے لوگ ہیں جو ہماری نئی نسل سے خفا ہیں، نا امید ہیں، لیکن پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اس لئے چند لوگوں کی وجہ سے پوری نسل پر فرد جرم عائد کرنا نا انصافی ہے، میں نئی نسل کا نمائندہ ہونے کے ناطے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری نئی نسل میں بھی چند ایسے درخشاں ستارے ہیں جو روایتوں کے امین ہیں، جو صحیح غلط کا فرق پہچانتے ہیں، جو اندھا دھند رنگ بدلتی دنیا کے پیچھے نہیں بھاگتے، اس لئے امید واثق رکھیے کہ یہی نسل دراصل ہمیں بھٹکنے سے بچائے گی اور ہماری روایتوں کے دلوں کو سدا روشن رکھے گی، میں ایسے تمام نوجوانوں کو سلام پیش کرتا ہوں جو اپنا نفع نقصان نہیں دیکھتے بلکہ اپنی تہذیب و تمدن اور اپنے نظریات و روایات کی پاسداری کو اولین فریضہ جانتے ہیں یقیناً ان ہی کے دم سے امید صبح نو کا دیا روشن ہے اور سدا روشن رہے گا۔" دانیال عزیز خاموش ہوا اور اسٹوڈیو میں بیٹھی آڈین کی تالیوں سے گونج اٹھا اور سحر تفاخر کے احساس کے ساتھ نم آنکھیں لئے دانیال عزیز کی جانب سے دیئے گئے خراج کو وصول کر کے خاموشی سے مسکراتی چلی گئی، یقیناً نیک عمل کبھی ضائع نہیں ہوتا اور صحیح راستہ ہی منزل پر پہنچاتا ہے۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

بارہویں قسط کا خلاصہ

اسامہ ہیام کو بتاتا ہے کہ جیسے ہی میں واپس گیا، اماں نشرہ کی شامت لے آئیں گی اور وہ ہر صورت نشرہ کی منگنی ختم کروادیں گی۔

ہسپتال میں امام سے ملنے شاہوار بٹو آتا ہے، کچھ ہی دیر کی گفتگو کے بعد دونوں میں گاڑھی چھننے لگتی ہے، امام اسے کہتا ہے کہ وہ ہسپتال سے اس کو ڈسچارج کروادے۔

نیل بر کو پتا چلتا ہے کہ امام فریدے واپس آگیا ہے وہ حمت کو ساتھ لے کر سرکاری بنگلے چلی آتی ہے جہاں امام نیل بر کو دیکھ اسے سخت سست سناتا ہے کہ اس دوران اس کی نظر حمت پر پڑتی ہے، وہ پہچان جاتا ہے کہ وہ شناسا چہرہ ہسپتال میں نظر آیا تھا وہ یہی ہے، وہ اچانک دونوں کو اندر چل کر کافی پینے کی آفر کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

تیرویں قسط

آج صبح ہی صبح نیچے ”میدان جنگ“ کا سماں تھا۔
پہلے تو اسے کچھ سمجھ نہ آیا، نیچے ہو کیا رہا تھا؟ پھر اچانک حواس بیدار ہوئے تو سمجھ آیا، نیچے پھر کسی کی ”کٹ“ لگ رہی تھی، آخر کس کی؟
ہیام نے سارے حواس بیدار کرتے ہوئے غور کیا تھا، شاید نشرہ کی ذات ”تختہ مشق“ بنی تھی، آخر اس کے علاوہ یہاں مظلوم کردار کون تھا؟
اب بے چاری نے نجانے کیا کر دیا تھا؟ جو اس کی ”واٹ“ لگ رہی تھی۔
ہیام نے مندی آنکھیں کھول کر کلاک پہ نظر ڈالی، ابھی تو صبح کے چار بج رہے تھے، یعنی اتنی سویرے کون ”فارم“ میں آیا ہوا تھا؟
”لاحول۔“ اس گھر کے عجیب رواج پہ ہیام نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے، صبح سویرے لوگ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور یہاں پہ دیکھو۔
اس نے لمبی سی جمائی لی اور وضو کی نیت سے کھڑا ہو گیا، بستر تہہ کرنے کے بعد اس نے غیر ارادتاً کھڑکی کی طرف رجوع کیا تھا، یہ کھڑکی نیچے والے لاؤنج میں کھلتی تھی، جس کی رنگیلی گلاس وال سے نیچے کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔
گو کہ تھی تو نازیبا سی حرکت، مگر دیکھ کر تسلی کر لینے میں کیا حرج تھا۔
ویسے بھی اسامہ رات کی کوچ میں بیٹھنے کی بجائے صبح صبح روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا تو ہیام اسی نیت سے کھڑکی کے کچھ اور قریب ہوا تا کہ دیکھ سکے کہ اسامہ دیامر کے لئے نکلا ہے یا نہیں۔
جیسے ہی اس نے کھڑکی کی چٹخنی نیچے گرائی ساری آوازیں بڑی صفائی کے ساتھ ہیام کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی تھیں۔
”یہ عمر بھر کچھ نہیں کرے گا، آوارہ گردی کے علاوہ، کوئی کام اچھا نہیں اس کا اور تم مان لو عاقبت نا اندیش عورت، سب تمہاری چشم پوشی کا نتیجہ ہے، نومی کی طرف سے تم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔“ اسامہ کے والد بزرگوار غصے میں گرج رہے تھے، خلاف توقع والدہ ماجدہ کا بھونپو خاموش تھا اور وہ خاصی ”ٹھنڈی“ بیٹھی تھیں، یوں لگ رہا تھا جیسے نومی نے کوئی نیا کارنامہ سرانجام دیا ہے، دونوں میاں بیوی مشتعل بھی تھے اور پریشان بھی۔
ہیام نے شکر ادا کیا کہ نشرہ کم از کم اس وقت موضوع گفتگو نہیں تھی۔
اچھا سا شکر ادا کرنے کے بعد ہیام کو اپنے ہی خیالات پہ حیرت ہوئی تھی، آخر وہ کیوں مطمئن ہوا تھا نشرہ کو ان کے عتاب سے محفوظ دیکھ کر۔
اس نے اپنے دل سے جیسے سوال کیا تھا اور اندر سے آتی آوازوں اور شور کو سن کر ہیام بے طرح سے گھبرا گیا، اسے وہ اوائل نظر کی نرم گرم شعاعوں جیسی پر حدت نگاہوں کا احساس پرانے مکان کی اس کھڑکی تک کھینچ کر لے گیا تھا جب اس نے نشرہ کو چھت پہ کپڑے پھیلاتے دیکھا تھا، وہ پہلی نگاہ کا کمال تھا جو ابھی تک اس کے دل کو ان دیکھی کشش کے حصار میں جکڑے ہوئے تھا۔
یہ جانتے ہوئے بھی کہ نشرہ اس کی نہیں ہو سکتی، وہ کسی اور کی امانت تھی اور ہیام کی ادھ کھلی

محبت پروان چڑھنے سے پہلے ہی زوال پذیر ہو چکی تھی، اس کے باوجود بھلا ''احساس'' اور ''خیال'' پہ کیسے پہرہ داری کی جا سکتی ہے؟ محبت جیسے پرزور جذبے پہ کیسے بندھ باندھا جاتا؟ چڑھتے سونامی کو کس طرح سے روکا جاتا؟ اور ابھی ہیام انہی خیالوں میں گم تھا جب نیچے سے آتی آوازوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''اب میں کیا کروں؟ نومی کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔'' تائی نے جز بز ہو کر کہا تھا۔

''پہلے دن اسے رعب میں رکھتی تم تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، شکر کرو، ابھی یہ پولیس کے ہتھے چڑھنے سے بچ جاتا ہے۔'' وہ غصے میں پھنکارے تھے۔

''اس ناہنجار کو کسی کھونٹے سے باندھو۔''

''ہیں؟ بھلا کس کے؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''اسے کسی کام دھندے سے لگاؤ۔'' وہ غضب ناک ہوئے، لگتا تھا عمر بھر کا سارا غصہ آج ہی باہر نکلنے کا ارادہ تھا۔

''میں کس کام لگاؤں، ابھی پڑھنے کی عمر ہے اس کی۔'' تائی نے رونا شروع کر دیا۔

''تو پڑھ لے، پڑھتا بھی تو نہیں۔''

''آپ ہی سختی کرتے اس پر، اب مجھ پہ سارا الزام دھر رہے ہیں۔'' تائی نے اپنا دامن بچانا چاہا تھا۔

''جیسے میری سختی تو اس پہ بہت کارگر ثابت ہوتی نا۔'' تایا کا انداز طنزیہ تھا۔

''تو پھر اس بیکار بحث کا مقصد کیا ہے؟'' تائی بری طرح سے تلملائی تھیں اور گاہے بگاہے ذرا فاصلے پہ موجود بیٹھے اسامہ کو بھی دیکھ رہی تھیں جو چائے میں ڈبو ڈبو کر کیک کھا رہا تھا، اس کے انداز میں عجلت تھی اور وہ بس نکلنا ہی چاہتا تھا۔

''میں اس گھر میں تمہارے لخت جگر کو اب برداشت نہیں کر سکتا، اس کا کوئی ٹھکانہ سوچ لو۔'' تایا نے آخر میں تابوت کا آخری کیل ٹھونکا تو تائی جیسے ہکا بکا رہ گئی تھیں اور تائی کے ساتھ ساتھ اسامہ تک داد دیے بغیر نہیں رہ سکا اور حیران تو نشرہ بھی تھی، اپنے تایا کی ہمت پہ۔

''جیو میرے ابو! ایسی جی داری وہ بھی امی حضور کے سامنے۔'' اسامہ جیسے سر دھن کر رہ گیا تھا، بس ابو کو ایک تھپکی دینے کی کسر باقی تھی۔

''کیا مطلب؟'' تائی بھونچکی ہوئیں۔

''میرا بچہ کہاں جائے؟'' ان کی جیسے جان پہ بن آئی تھی۔

''جہاں مرضی جائے، کم از کم اپنی تخریب کارانہ حرکتوں کے ساتھ وہ میرے گھر نہیں رہ سکتا۔'' تایا کا انداز فیصلہ کن تھا، جس میں کسی ترمیم کی گنجائش نظر نہیں آتی تھی، صحیح معنوں میں پہلی مرتبہ تائی کے ہاتھوں سے سارے کبوتر، طوطے اڑتے چلے گئے، وہ حواس باختہ ہو چکی تھیں، لگتا تھا نومی کے ستارے گردش میں تھے۔

اسامہ نے آخری کیک حلق سے نیچے اتارا اور چائے کی لمبی چسکی بھر کے بیگ کندھے پر ڈال لیا، وہ جانے کے لئے اب بالکل تیار کھڑا تھا۔

''اور تمہارے پاس آج محض ایک دن کا وقت ہے، اگر تم نے نومی کو کسی ''ٹھکانے'' سے نہیں لگایا تو میں پولیس بلوا کر اسے تھانے بھجوا دوں گا اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے، مجھ سے اور ذلت برداشت نہیں ہوتی۔'' تایا کے آخری فیصلے پہ نشرہ کے ساتھ ساتھ پورے کا پورا اسامہ بھی گھوم گیا تھا۔

''یعنی کہ......؟'' اسامہ کی آنکھیں پھیلتی چلی گئی تھیں، ابو سے ایسے فیصلہ کن بے لچک انداز کی امید اسے ہرگز نہیں تھی، وہ بھی اپنے جگر کے لئے، نومی جگر، اسامہ کا اپنا، جانا مانا لاڈلا، امی سے لاکھ اختلاف کے باوجود وہ نومی اور قینی کے لئے ہمیشہ اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا اور نومی کے لئے تو خاص طور پر، ان دونوں کی آپس میں لاجواب دوستی اور ذہنی ہم آہنگی تھی، نومی ہزار بری صحبت کا شکار آدھا بگڑا آدھا سدھرا تھا، تاہم اسامہ سے اس کی محبت مثالی تھی اور اسی نومی کو ابو تھانے بھجوانے کے ارادے ظاہر کر رہے تھے، اسامہ کو کھڑے کھڑے ہول پڑنے لگے، اس کا لاڈلا نومی، بھلا تھانے کی ہوا کھانے پہ مجبور کر دیا جاتا، ہرگز نہیں، یہ اسامہ کو گوارا نہیں تھا۔

اس نے اپنے سفری بیگ کو کندھے سے لٹکائے لٹکائے گھوم کر دیکھا، امی اونچی آواز میں رو رہی تھیں، ابو اکھڑے اکھڑے کھڑے تھے، عینی یقیناً اپنے روم میں نیند سے لطف اندوز ہو رہی تھی، وہ ایسی ہی تھی، بے حس یا بے نیاز۔

نومی تخت پہ، نیند میں ڈوبتا ہوا، منہ تک کمبل تانے اور وہ بالکل سویا نہیں تھا، ایک ایک بات پہ اس کے کان کھڑے تھے، تاہم کمبل کے نیچے اس کا وجود ساکت تھا، وہ کسی پہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے یا سو رہا ہے۔

نشرہ منہ کھولے کھڑی تھی، انگشت بدنداں، آج اسے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی بجائے تقدیر نے تائی کے لاڈلے کو کھڑا کر دیا تھا اور تایا کی توپوں کے سارے رخ نومی معصوم کی ذات کا نشانہ لے رہے تھے، نومی جو برا تھا، لیکن اتنا بھی نہیں، کم از کم تائی اور عینی جیسا نہیں تھا، ان کی طرح منافق نہیں تھا، اپنی بات میں کھرا اور سچا تھا اور کسی کی بھی حمایت کیے بغیر ہمیشہ سچ بات کہتا تھا، بالکل منہ پہ، بغیر کسی سے ڈرے، چاہے تائی کو برا لگتا یا عینی کو، نومی کو پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

اور اب اسی نومی کی بچکانہ یا قابل اعتراض سرگرمیوں کی وجہ سے تایا اسے جیل بھجوانے کا ارادہ رکھتے تھے، نشرہ کے بھی دل کو اسامہ کی طرح ہی کچھ ہوا تھا۔

وہ آس بھری نظروں سے اسامہ کو دیکھنے لگی، جیسے التجا کر رہی تھی کہ نومی کو بچا لو، اسامہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہا تھا۔

تبھی اس نے گہرا سانس کھینچا اور آگے بڑھ آیا، ایک دو تین چار قدم پھر وہ نومی کے تخت کی پائنتی کے نزدیک آ گیا تھا، کچھ دیر وہیں کھڑا سوچتا رہا، جیسے ایک فیصلے پہ پہنچنا چاہتا ہو، دوسرے ہی پل اس نے کمبل کھینچ کر نومی کے منہ سے ہٹایا تو وہ صاف کسمسانے کی اداکاری کرنے لگا۔

''اٹھ جا جگر! ابو تجھے تیری سسرال بھجوانے کی تیاریوں میں کھڑے ہیں۔'' اس نے بازو سے پکڑ کر نومی کو اٹھایا تو وہ لمبی لمبی جمائیاں لینے لگا۔

''نہ بھائی! میرے ساتھ ایسا بھیانک مذاق نہ کر، سسرال کے چھتر اور دال دونوں سے میرا

جی بڑا گھبراتا ہے۔'' نومی کے چہرے پہ سنجیدگی جبکہ انداز میں صاف شرارت تھی۔
''تو پھر سسرالیوں کو مہمان نوازی کا موقع ہی نہ دیا کرو۔'' اسامہ نے اسے آڑھے ہاتھوں لیا۔
''وہ خود مجھ جیسے مہمان کے انتظار میں رہتے ہیں، کیا کروں؟ ان خبیثوں کو بھی میرے وجود کی عادت سی ہوگئی ہے۔'' اس نے ایک آنکھ میچ کر کہا تو ابو بری طرح سے تلملا گئے تھے، ابھی تو ابو جانتے نہیں تھے، نومی کافی دفعہ تھانے کی ہوا بھی کھا چکا ہے، یہ تو اسامہ کا بھلا ہو، اپنا رسوخ استعمال کر کے اسے نکلوا لاتا تھا اور گھر والوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔
''لیکن اب مجھے تیرا پکا بندوبست کرنا پڑے گا جگر۔'' اسامہ نے کچھ سوچ کر اپنا ارادہ ظاہر کیا، ابو امی اور نشرہ نے چونک کر اسامہ کی طرف دیکھا، ابو بمشکل ہی اپنا غصہ پی رہے تھے۔
''کیا میری شادی کا ارادہ ہے؟'' نومی نے بڑے اشتیاق سے دریافت کیا، اسامہ نے اسے ایک سخت قسم کی گھوری سے نوازا تھا۔
''تو اپنا جگر نہ ہوتا تو اس وقت میرے ہاتھوں میں تیری گردن ہوتی، ایسی گری ہوئی حرکتیں کرتے تجھے ذرا شرم نہیں آتی، ساری نیک نامی اور شرافت کا بھرکس نکال دیتے ہو، یہ اسٹریٹ کرمنلز، یہ ہاتھا پائی، لڑائی جھگڑے؟ تجھے کس چیز کی کمی ہے؟ کیوں امی ابو کو ستاتا ہے تو، دیکھ نومی میری برداشت کی حد بس ہوا ہی چاہتی ہے۔'' اس نے نرم نرم انداز میں نومی کو گھر کا تو خاصا شرمندہ سا ہو کر نومی قدرے سر جھکا گیا۔
''یہ تو بس ایڈونچرز......'' نومی منمنا کر بولا۔
''یہ کیسے ایڈونچرز ہیں؟ شریف لوگوں کو تنگ کرنا، انہیں لوٹنا، مارنا، یہ کہاں کا تھرل ہے؟ بتا مجھے؟'' اسامہ نے اگلے پندرہ منٹ مزید اس کو باتوں کے جوتے بھگو بھگو کر مارے تو نومی شرم سے کمبل میں پھر غروب ہوگیا۔
''ایک آخری موقع دے کر تو نے مجھے ڈھونڈنے نکل جانا، جب آؤ گے تو بدلا ہوا نعمان پاؤ گے۔'' کمبل کے اندر سے آواز آئی تھی، اسامہ کافی دیر کھڑا رہا، سوچتا رہا، غور کرتا رہا، پھر اچانک جیسے فیصلہ ہوگیا تھا، تایا تائی دونوں کی تکرار کے درمیان بالکل خاموش تھے، نشرہ البتہ قدرے مطمئن تھی، اسے لگ رہا تھا اسامہ کچھ ٹھیک کر کے ہی جائے گا۔
''نکل باہر۔'' اسامہ نے کچھ دیر بعد نومی کا کمبل کھینچ کر اتارا۔
''مگر کیوں؟'' نومی منمنایا تھا، کمبل اڑتا ہوا نشرہ کے پیروں میں گرا، جسے اٹھا کر اس نے تہہ لگا دی تھی، اب وہ اسامہ کے اگلے حکم نامے کی منتظر تھی، جو اگلے تین سیکنڈ میں جاری ہوا۔
''نشرہ! صاحب بہادر کے کپڑے ٹھونس کر ایک بیگ میں لے آؤ، یہ میرے ساتھ اسلام آباد جا رہا ہے۔'' اسامہ کی بات سن کر جہاں تایا نے اطمینان کی سانس خارج کی تھی وہیں تائی پہلے تو حیران ہوئیں پھر جز بزسی اور پھر قدرے شرمسار، کیونکہ اسامہ اپنا ارادہ ظاہر کر رہا تھا۔
''میں اس کا ایک پرائیویٹ کالج میں داخلہ کروا کے ہاسٹل کا بندوبست کرنے کے بعد دیا مر جاؤں گا، اب آپ اس کی فکر مت کریے گا، کیونکہ میں جو کہوں گا جگر وہی کرے گا، کیونکہ......؟''

اسامہ نے بولتے بولتے بات ادھوری چھوڑ دی تھی، نوی پہلے تو حواس باختہ ہوا، پھر گھبرا گیا اور پھر اس نے گہرا سانس لے کر چہرے پہ مسکراہٹ سجالی تھی۔

''کیونکہ میں تمہارا جگر جو ہوں۔'' وہ مسکراتا جا رہا تھا، تایا کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ آ گئی تھی اور تائی کے تاثرات نا قابل فہم تھے، شرمندہ، مغلوب اور مرعوب، بے بس اور مشکور بھی۔

☆☆☆

''جان! ابو کے عتاب سے بچانے کے لئے مجھ پر کتابوں کا بوجھ لادنا ضروری تھا؟'' نوی نے تیسری مرتبہ کراہ کر اس کے کان میں سرگوشی کی تھی، کوچ اس وقت مسافروں سے بھری تھی اور وہ لوگ پنڈی کے لئے روانہ ہو چکے تھے، نوی کچھ بے چین تھا، ایک دم سے پچھلی روش کو ترک کر کے ایک نئی روش کو اپنانا خاصا کٹھن کام تھا، اوپر سے اس نے اسامہ کے ساتھ عہد بھی باندھ لئے تھے اور اب وہ اپنے ہی لفظوں کے شکنجے میں پھڑ پھڑا رہا تھا، پڑھنا اس دنیا کا مشکل ترین کام تھا اور یہ کام اسے اب ہر صورت کرنا تھا کیونکہ اسامہ نے کہا تھا اور اسامہ کا کہا نوی سے ٹالنا نا ممکن تھا بالکل نا ممکن، پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کی پڑھائی سے جان چھوٹی رہے۔

''جگر! شکر کر، ایک رنگین دنیا کی چار دیواری کے حصار میں رہے گا، کم از کم سسرالیوں کی چھتروں سے تو بچ گیا نا؟ ورنہ جو تمہارا تازہ کارنامہ ہے نا، اس دفعہ بچنا محال تھا تیرا۔'' اسامہ نے اسے احساس دلایا تو وہ سچ مچ سمجھ گیا، پھر اس نے جھرجھری لی تھی کیونکہ وسیم چچا کی دھمکیاں توبہ توبہ۔

''ویسے تجھے ابو کے دوست کی بائیک اڑاتے شرم نہیں آئی تھی؟'' اسامہ کو اخبار پڑھتے اچانک خیال آیا تو اس نے پوچھ لیا، نوی نے لمبا سا سانس باہر نکالا۔

''آئی تھی، بہت آئی تھی، جب پتا چلا کہ یہ بائیک وسیم چچا کی ہے، تبھی تو چوراہے میں پھینک کر بھاگ آئے تھے۔'' نوی نے منہ لٹکا کر اقرار کر لیا تھا، اس کی ایک یہی تو خوبی تھی، سچ بولتا تھا اور اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا تھا۔

''اب آگے میں کیا سمجھوں؟'' اسامہ پچھلے حوالے چھوڑ کر نئی بات اور نئی سوچ کی طرف آیا، جو ہو گیا تھا، وہ لوٹ نہیں سکتا تھا، اسامہ آئندہ کے بارے میں نوی کے آدرش جاننا چاہتا تھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' نوی تھوڑا برا مان گیا۔

''کیا تم جانتے نہیں بھائی! جب نوی تم سے وعدہ کرتا ہے تو بس اسی وعدے کو پورا کرتا ہے۔'' وہ روٹھا روٹھا سا بولا۔

''تو کیا میں امید رکھوں کہ تم دل لگا کر پڑھو گے؟'' اسامہ نے ایک اور سوال اٹھایا، نوی کچھ دیر کے لئے سوچتا رہا، پھر گہرا سانس کھینچ کر بولا تھا۔

''میں نے سوچا نہیں تھا، تم اچانک مجھے تخت سے اٹھا کر پنڈی لے آؤ گے اور پھر کتابوں کی گانٹھ بھی لاد دو گے، اگر ساتھ آیا ہوں تو کچھ کروں گا بھی، ورنہ ابھی تو امی شرمندہ بھی ہیں اور تمہاری احسان مند بھی، کہ تم نے ابو کے عتاب سے مجھے بچا لیا ہے، لیکن جیسے ہی امی کو میری بری رپورٹ ملی تو سارا نزلہ وہ تم پہ گرائیں گی، کیونکہ تم مجھے ساتھ لے کر آئے ہو، امی کی فطرت ایسی

ہے، میں جانتا ہوں، وہ ہمیشہ دوسروں کو موردالزام ٹھہراتی ہیں، تو پھر تم سمجھ جاؤ نا، کہ تم پہ کوئی الزام آئے، یہ مجھے گوارا نہیں۔" نومی نے اتنے مدلل انداز میں بات کی کہ اسامہ سراہے بغیر نہیں رہ سکا تھا، نومی کی سوچ میں گہرائی تھی۔

وہ اتنا بھی برا یا غیر ذمہ دار نہیں تھا، اسے خراب کرنے میں بس امی کا ہاتھ تھا، وہ اس کے معاملے میں ہمیشہ چشم پوشی اختیار رکھتی تھیں، ان کے بے جا لاڈ پیار نے نومی کو اس نوبت پہ پہنچایا تھا، ورنہ وہ ایسا برا بھی نہیں تھا۔

"اب میں تمہارا شکریہ کیسے بولوں؟ اگر تم میری عزت کا پاس رکھ کر ایک شریف بچے میں ڈھل جاؤ تو امی مجھے آسکر سے تو نواز ہی دیں گی۔" اسامہ نے اپنا بازو نومی کے کندھے پہ پھیلا کر کہا تو نومی نے لاڈ سے اس کے کندھے پہ اپنا سر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"آسکر کی توقع مت رکھو، امی حضور ایک مسکراہٹ سے نواز دیں تو یہی غنیمت ہے۔" نومی نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"یہاں دل لگا لینا، بھاگ کر لاہور جانا بند۔" اسامہ نے مزید حکم دیا تھا۔

"کچھ اور جناب؟ ویسے دل لگا لوں گا؟ اس کی اجازت ہے؟ بعد میں پھر غصہ مت کرنا۔" نومی کے انداز میں شرارت تھی، اسامہ اس کی شرارت خوب سمجھ رہا تھا۔

"وائے ناٹ، لگاؤ دل، تمہیں اجازت ہے مگر دل لگانا ہے کتابوں میں۔" اس کی آخری بات پہ نومی بدمزہ سا ہو گیا۔

پھر پورا سفر مزے میں کٹا، اسامہ کے ہمراہ نومی اس کے ایک دوست کے پاس آیا، قاسم کو اپنا کارڈ، داخلے کے لئے رقم اور نومی کا خرچہ تھما اسامہ کو آگے دیامر کے لئے نکلنا تھا، کیونکہ نومی کے ایڈمیشن کی فکر کے ساتھ ساتھ اسے ہیام کی امانت پہنچانے کی بھی پریشانی تھی اور وہ خاصا لیٹ بھی ہو رہا تھا، اس لئے قاسم کو سمجھا کر وہ دوبارہ سے سفر کے لئے روانہ ہو گیا، نومی کے پاس موبائل تھا اور کریڈٹ بھی، لیکن اسامہ نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ فالتو فون کرنے سے پرہیز کرے گا اور رات نو بجے کے بعد اس کا فون بھی بند رہے گا، نومی نے اسامہ کی ہر بات پہ اثبات میں سر ہلایا، وہ اسامہ سے اختلاف نہیں رکھ سکتا تھا، یا دوسرے معنوں میں اس کی کوئی بات ٹال نہیں سکتا تھا۔

اسامہ کو امید تھی، قاسم پوری ذمہ داری کے ساتھ نومی کا ایڈمیشن کروا دے گا، اسی اطمینان کے ساتھ وہ دیامر کے لئے رواں دواں تھا۔

تبھی پہلی مرتبہ اسامہ کے نمبر پہ امی کی کال آ گئی تھی، وہ اتنا حیران ہوا کہ کال پک نہیں کر سکا تھا، گھر سے کس نے کال کی تھی؟ فون سننے سے پہلے اسے یقین نہیں تھا کہ دوسری طرف کون ہے؟ لیکن جس وقت اس نے ہیلو کہا دوسری طرف امی کی آواز سنائی دی تھی، پہلے سے بدلی ہوئی آواز، شرمندہ شرمندہ سی، یہ بھی ایک معجزہ ہی تھا، امی حضور اسے کال کر رہی تھیں، اپنے بیٹے کے لئے ہی سہی، دومنٹ کی سرسری گفتگو کے بعد وہ فوراً مطلب کی بات پہ آ گئی تھیں۔

"نومی ٹھیک تو ہے؟"

"اسے کیا ہونا ہے، ایک دم فٹ ہے۔" اسامہ نے جواب دیا۔

''آئے گا کب؟ جب تم آؤ گے؟ اور تم تو مہینوں نہیں آتے۔'' امی نے دھیمے لہجے میں کہا، یعنی وہ نومی سے اداس بھی ہو چکی تھیں، اسامہ کی تو انہیں پرواہ نہیں ہوتی تھی، لیکن نومی کے لئے ان کی فیلنگز الگ تھیں۔

''میں جلدی چکر لگاؤں گا اور نومی کو ساتھ لے کر آؤں گا، اس کی آوارہ گردیاں بند ہیں اب۔'' اسامہ کے جواب پر انہوں نے کوئی بحث نہیں کی تھی اور یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا، اسامہ ایک اور معجزے پر حیران پریشان ہی تو رہ گیا تھا، پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ اُمڈ آئی تھی۔

☆☆☆

عشیہ نے جہیز کی لمبی فہرست بنا کر ایک تنقیدی نگاہ دوبارہ ڈالی اور گہرا سانس کھینچتی تخت پہ بیٹھی مورے کو دیکھنے لگی تھی، مورے خلاف معمول بہت خاموش تھیں، عشیہ پہ طنز کے تیر اچھالنے سے بھی گریز کر رہی تھیں۔

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آرہے تھے مورے کی زبان پہ اور وجود پہ خاموشی کا راج پاٹ چل رہا تھا، ان دنوں وہ خواہ مخواہ عشیہ سے بھی الجھ نہیں رہی تھیں۔

شاید لاڈلی بیٹی کے جانے کا دکھ تھا یا پھر شادی کے سلسلے میں کی جانے والی تیاریوں کی فکر، جو بھی تھا، مورے چپ چپ سی ذرا بھی اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

عشیہ کو ایویں ہی کھد بد ہونے لگی، اس کا دل چاہ رہا تھا، مورے کچھ تو کہیں، چاہے غصے میں ہی، بولیں تو سہی، اتنی چپ چپ تو وہ ذرا بھی اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

کچھ سوچ کر عشیہ نے گلا کھنکھارا اور مورے کے قریب آ گئی، مورے نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر دوبارہ اپنی سوچوں میں گم ہو گئی تھیں، عشیہ کو انہیں مخاطب کرنا ہی پڑا۔

''مورے؟ کیا سوچ رہی ہیں؟'' عشیہ کا انداز سرسری قسم کا تھا، مورے اچھا خاصا ٹھٹک گئیں، دونوں کے درمیان اتنے اچھے تعلقات تو کبھی تھے نہیں کہ وہ اپنی سوچیں ان سے شیئر کر لیتیں، سو ان کا چونکنا فطری تھا۔

''مجھ سے کچھ کہا؟'' خلاف توقع انہوں نے خاصی حلاوت سے پوچھ لیا تھا، اب کے عشیہ کی ٹھٹکنے اور ٹھٹک کر غش کھانے کی باری تھی، مورے اور اتنا نرم انداز؟ عشیہ کو اپنے کانوں پہ یقین ہی نہ آیا۔

''آپ پریشان لگ رہی ہیں۔'' عشیہ کو سنبھل کر کہنا ہی پڑا تھا، مورے نے حیرت سے اسے دیکھا، آج سے پہلے عشیہ نے کبھی ان سے ان کی پریشانیوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا، پھر آج کوئی نئی بات ہوئی تھی کیا؟ ان کا حیران ہونا بھی فطری تھا۔

''پریشان نہ ہوں، جن کے قرض دینے ہیں، وہ صبح کے آٹھ مرتبہ پیغام بھجوا چکے، آرے پہ لکڑیوں کا بل، دودھ کا بل، راشن کا بل، کوئلوں کا بل اور سر پہ چڑھتی آ رہی ہے شادی، دن تنگ ہیں اور تیاری کے نام پہ ہر طرف چھائی خاموشی، ہمام نے اس دفعہ تنخواہ بھی نہیں بھیجی۔'' مورے کے الفاظ سابقہ ہی تھے، لیکن انداز یکسر بدلا ہوا، نرم کھویا کھویا، وہ پریشان تھیں تاہم پہلے کی طرح پریشانی کو سر پہ سوار کر کے ہسٹریائی نہیں ہو رہی تھیں، یہ مقام حیرت ہی تھا، عشیہ کو ایک مرتبہ پھر

حیرت کا دورہ پڑ گیا، تاہم وہ جلدی ہی سنبھل گئی تھی، پھر اس نے مورے کی پریشانی کے خیال سے قدرے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔
"ویسے مورے! یہ اپنا ہیام تنخواہ بھیجنے میں ڈنڈی نہیں مار رہا، ہر مہینے دو چار دن لیٹ تنخواہ، خیر تو ہے؟ کہیں کسی لاہورن کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا۔" اس کے لب و لہجے میں صاف شرارت تھی، جسے مورے سمجھے بغیر فوراً دہل گئی تھیں۔
"خدا نہ کرے۔" انہوں نے بے ساختہ اپنے سینے پہ ہاتھ رکھا تھا۔
"اللہ تجھ کو سمجھے عشیہ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ان کے انداز میں واضح سراسیمگی تھی، عشیہ کے ہونٹ کچھ اور پھیل گئے تھے، اس کی آواز عمکیہ کے کانوں سے بھی ٹکرائی تھی، وہ بھی اندر سے باہر نکل آئی۔
"سوچ ہو تو سمجھ کر بولے نا، جو بھی منہ میں آتا ہے نکال باہر کرتی ہے، ہمارا بھائی ایسا نہیں۔" عمکیہ نے جیسے بڑے پرزور انداز میں انہیں جھٹلایا تھا، عشیہ کو عمکیہ کی مداخلت بھائی نہیں، اس نے ناک سکیڑ کر چڑھالی تھی۔
"کیوں آپ کا بھائی گنگا سے دھل کر آیا ہے، کیا دل اور آنکھیں نہیں رکھتا؟"
"اس کی آنکھیں اور دل آوارہ نہیں سمجھیں؟ اور ہیام ایسا ہرگز نہیں، ایک ایک ہمارا بھائی ہے، خدا نہ کرے، ادھر ادھر دل اٹھاتا پھرے، ہم اپنی پسند سے اس کی دلہن لائیں گے انشاء اللہ۔" عمکیہ نے خالصتاً بہنوں والے دلی جذبات سے مغلوب ہو کر کہا تھا، مورے نے ایسے گردن ہلائی تھی جیسے اس کی تائید کر رہی تھیں۔
"اچھا، فرض کرو، وہ اپنی پسند سے دلہن سجا کر لے آئے تو۔" عشیہ کو انہیں تنگ کر کے مزہ آنے لگا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی، یہ لوگ ایسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں، کجا کہ فرض کرتیں، کبھی نہیں، یہ ممکن ہی نہیں تھا، ہیام کے بارے میں یہ سب بہت شدت پسند تھیں۔
"تمہارے منہ میں خاک۔" عروفہ سسکتی ہوئی سیڑھیاں اتر آئی، اس نے بھی عشیہ کی بکواس سن لی تھی، سو اپنا حصہ ڈالنا بھی ضروری سمجھا۔
"توبہ، کتنی تنگ دل ہو تم لوگ۔" عشیہ نے تاسف سے کہا۔
"ہیام کے معاملے میں تنگ دل ہیں اور واقعی ہی ہیں۔" عمکیہ نے کچھ دھیمے انداز میں آخر تسلیم کر ہی لیا تھا اور اس میں واقعی سچائی تھی، مورے سے لے کر ہیام کی بہنوں تک سب ہی اس کے لئے انتہائی حساس اور شدت پسند تھیں، بلکہ ہر ایک ہیام کو اپنی الگ سے پراپرٹی سمجھتی تھیں، اکلوتا ہونا بھی کیا گناہ تھا، بے چارہ ہیام، کبھی کبھی عشیہ کو اس پہ بڑا ہی ترس آتا تھا۔
"دلوں کو اتنا تنگ نہیں رکھنا چاہیے، خاص طور پر بھائیوں کے معاملے میں۔" عشیہ کی زبان پہ پھر سے کھجلی ہوئی۔
"کیونکہ بھائیوں کو شادی شدہ بھی ہونا ہوتا ہے۔" ایک کہ اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا تھا، عمکیہ نے اسے گھور کر دیکھا، مورے کسی اور ہی دھیان میں تھیں، انہوں نے عیشہ کی بات سنی نہیں تھی، یا پھر سن کر نظر انداز کر دیا تھا، ان کے چہرے پہ تفکر کا عجیب سا جال بنا تھا، وہ شاید عمکیہ کے

چلے جانے کے خیال سے افسردہ تھیں۔
"بکو نہیں۔" عمکیہ نے اسے دھیمے سے انداز میں ڈپٹا۔
"ہیں؟ تو کیا ہیام کی شادی نہیں کرنی؟" اس نے حیران ہونے کی پوری اداکاری کرتے ہوئے کہا، تب مورے نے چونک کر عشیہ کی طرف دیکھا تھا، جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں، پھر انہوں نے گہرا سانس کھینچ لیا تھا، جیسے اپنے اعصاب کو پرسکون رکھنا چاہا تھا۔
"کیوں نہیں شادی کرنی؟ اکلوتا بیٹا ہے میرا، لیکن تم سب کو ٹھکانے لگا کر کروں گی۔" مورے نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔
"آہ، پھر تو ہیام ترستا رہ جائے گا، آپ کو کیا پتا؟ وہ شادی کے لئے کتنا بے قرار ہے، کس قدر شادی کے لئے تڑپ رہا ہے۔" عشیہ کو اس کی ہر کال پہ دہائیاں یاد آرہی تھیں۔
"شرم کرو۔" عمکیہ کو ہی حیاء آئی تھی، عشیہ تو خیر سے، کیا ہی کہنے تھے اس کے، ذرا جو شرم کرتی ہو۔
"شادی ہیام کی اور شرم میں کروں؟" اس نے منہ بنالیا۔
مورے اس کی بے سروپا باتوں سے برہم ہو رہی تھیں، تبھی اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تھی۔
"ہیام کو فون کیا تم نے، پیسوں کا کیا کہا اس نے؟" عشیہ، عمکیہ کے کانوں میں گھستی سیدھی ہوئی تھی، پھر اس نے گہرا سانس کھینچ لیا۔
"ایک ہزار مرتبہ تو بتایا ہے۔"
"کیا؟" مورے نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔
"یہی کہ....." عشیہ کچھ بولتے بولتے رک گئی تھی، فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، وہ پاؤں گھسیٹتی فون تک پہنچی تو دوسری طرف سے آتی ہیام کی آواز سن کر چہرے پہ رونق آگئی تھی، اس کا لب ولہجہ بدل گیا تھا۔
"آ گئی ہماری یاد۔" اس نے مصنوعی طنزیہ انداز اپنایا تھا، عمکیہ اور مورے سمجھ گئی تھیں کہ دوسری طرف کون ہے، ان کے چہرے پہ بھی رونق بکھر گئی۔
"بھولنے والوں کو یاد کیا جاتا ہے، جو پتھر کی سل کی طرح سینے پہ دھرے ہوں، ان کو بھلا کیا یاد کرنا؟" وہ بھی تو ہیام تھا، اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والا۔
"ابھی سے تنگ پڑ گئے ہو؟ پتھر اور سلیں کہنے لگے۔" عشیہ تلملا اٹھی تھی اور ادھر مورے بھی۔
"کبھی یہ لڑکی کام کی بات نہیں کرے گی۔" انہوں نے کسل کر سوچا تھا مگر کہا کچھ نہیں، کیونکہ ان کے کہنے سننے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، عیشہ نے کرنی اپنی ہی مرضی ہوتی تھی۔
"منہ دھو رکھو، ابھی تمہارے سہرے کا ایک بھی پھول کھلنے کے آثار نہیں ہیں۔" عشیہ نے اس کی کسی بات کے جواب میں تڑخ کر کہا تھا، عمکیہ نے سر تھام لیا۔
"یہ عیشہ بھی نا۔"
"یہاں چار چار چڑیلیں ہیں۔" عشیہ نے اسے ڈرایا تھا۔

''دو چلی بھی گئیں تو دو تو موجود ہیں اور کان کھول کر سن لو، دو جا چکی چڑیلیں بھی تمہاری بیوی کے سر پہ سوار رہیں گی۔'' اب وہ زردوشور سے اسے دھمکا رہی تھی۔

''ہاں ہاں دیکھ لوں گی، تم ابھی سے آنکھیں مت دکھاؤ، بڑے بے شرم ہو۔'' عشیہ چلائی تو مورے کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔

''کبھی تو ڈھنگ کی بات کرلیا کرو۔'' انہوں نے جلبلا کر کہا تھا۔

''اتنی دور سے وہ تمہاری بکواس سننے کے لئے فون نہیں کرتا۔''

''اس نے ڈھنگ کی بات کر لی ہے۔'' عیشہ کو ائیر پیس پہ ہاتھ رکھ کر بتانا پڑا تھا، پھر ہیام سے دو چار باتیں کرنے کے بعد فون بند کر کے تخت کی طرف آ گئی تھی۔

''کیا کہا اس نے؟'' مورے اس کی ساری بکواس پی کر ضبط سے بولی تھیں۔

''ابھی دو گھنٹے تک پہنچ رہے ہیں۔'' عشیہ نے جواب دیا۔

''اڑ کر پہنچیں گے؟'' عمکیہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

''یہ عشیہ کتنی بے تکی ہے۔'' وہ اس کے سیدھی طرح بات نہ بتانے پر زچ ہو رہی تھی۔

''ہیام کا دوست آ رہا ہے لاہور سے۔'' اب کہ اس نے ان سب کا تجسس تمام کیا تو مورے کی جیسے جان میں جان آ گئی تھی، یوں لگا سر پہ جیسے لٹکتی تلوار خود بخود ہٹ گئی ہے، ان کی آنکھوں میں اطمینان رچ گیا تھا، اب انہیں لاہور سے آنے والے مہمان کا انتظار تھا۔

☆☆☆

خلاف معمول اسے جلدی ناشتہ مل گیا تھا اور اس معمول کے پیچھے کون سی مہربانی کار فرما تھی ہیام کچھ سمجھ نہیں پایا تھا، تاہم اسامہ کے چلے جانے کے بعد پہلی مرتبہ نیچے سے فائر کیے بغیر اسے ناشتہ پہنچا دیا گیا تھا، ہیام جتنا بھی حیران ہوتا کم تھا۔

ناشتہ اسے نشرہ ہی پہنچانے آئی تھی، کیونکہ عینی ایسی ڈیوٹی دینا اپنی توہین سمجھتی تھی، ہیام سے نشرہ تھوڑی بہت گفتگو کر لیتی تھی سو اسی لئے ہیام نے بغیر جھجکے صاف انداز میں پوچھنے کی جسارت کر لی۔

''نیچے حالات سازگار ہیں خیریت؟'' اس کے سوال پہ ٹرے ٹیبل پہ رکھتی نشرہ گہرا سانس کھینچتی اس کی طرف مڑی تھی۔

''اسامہ بھائی جو چلا گیا اور نوی بھی۔''

''کیا مطلب؟ نوی بھی؟'' اس نے چونکتے ہوئے کہا تھا۔

''نوی بھی دیا مر گیا ہے؟''

''نہیں تو، وہ پنڈی پڑھے گا، کیا پتا سدھر جائے۔'' نشرہ نے سنجیدگی سے بتایا تھا۔

''اسامہ لے کر گیا ہے، کچھ سدھر کر ہی آئے گا۔'' ہیام نے نیک خواہشات کے ساتھ کہا۔

''اگر تائی نے اسے سدھرنے دیا تو۔'' نشرہ کچھ بولتے بولتے رک سی گئی تھی، اسے ہیام سے اتنا بے تکلف ہو کر گھر کی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں، لیکن اس احتیاط کا کوئی فائدہ نہیں تھا، ابھی ہیام نیچے جاتا تو تائی نے اسے اندر بلا لینا تھا، اپنی بیماریوں کے نسخے لکھوانے کے ساتھ ساتھ

پوری روداد بھی سنا دی تھی، اب تو ہیام ان کے سارے خاندان سے واقف ہو چکا تھا اور جب اس نے تائی لگا کر ناشتہ بھی کھڑے کھڑے ختم کر لیا تب نشرہ کو اچانک یاد آیا تھا۔
"آپ کو تائی نیچے بلا رہی تھیں۔"
"ہیں؟" ہیام کی آنکھیں نکلیں۔
"او ئی ماں، آج تو مجھے ہسپتال جلدی پہنچنا تھا۔" وہ لب بھینچ کر سوچنے لگا، شاید یہی سوچ رہا تھا کہ تائی اتنی جلدی جان نہیں چھوڑیں گی۔
"اچھا میں آتا ہوں۔" اس نے نشرہ کو جواب دیا تو وہ برتن اٹھاتے اٹھاتے لمحہ بھر کے لئے رکی تھی۔
"ایک بات پوچھوں؟"
"آں...... ہاں، زہے نصیب کیوں نہیں۔" وہ ایک دم ہشاش بشاش انداز میں کہنے لگا، اس کی، اتنی خوش اخلاقی نشرہ کو ہضم نہیں ہوئی تھی، تاہم پوچھنا تو تھا ہی۔
"اسامہ بھائی آپ کے علاقے میں کام کرتا ہے؟"
"جی...... جی وہیں، میرے علاقے میں۔" ہیام نے خوش دلی سے بتایا تھا۔
"اور میرا علاقہ جنت کا ایک خطہ ہے سرسبز شاداب حسین مشرق کا سوئیزر لینڈ۔" کچھ دیر کے لئے وہ کھو سا گیا تھا، شاید اپنے خوبصورت علاقے کی بھول بھلیوں میں، اچانک ہی وہ اپنے گھر والوں اور اپنے گاؤں کو مس کرنے لگا تھا، اس کے چہرے پہ اداسی سی بکھر گئی تھی۔
نشرہ نے کچھ پل کے لئے دیکھا اور پھر دیکھتی رہ گئی، دیامر کا یہ ڈاکٹر خود بھی کسی خوبصورت فطری منظر کا حسین شاہکار دکھائی دیتا تھا، خوبصورت، باوقار اور نفیس، تبھی تو تائی کو پہلی نگاہ میں پسند آ گیا تھا۔
"اچھا۔" نشرہ کے چہرے پہ پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔
"کبھی آنا تم، اسامہ کے ہمراہ، مطلب تم سب لوگ۔" ہیام نے بولتے بولتے تھوڑی سی تصحیح کی تھی، نشرہ نے مروتاً سر ہلا دیا، بھلا اسے اجازت تھی کہیں، آنے جانے کی، وہ بازار تک جاتے ہوئے سو مرتبہ تائی کی خونخوار نظروں اور باتوں کو برداشت کرتی تھی، عام طور پہ باہر نکلنے کی اجازت ہی نہیں تھی، کبھی بہت ضروری ہوتا تو باہر جاتی تھی وہ، اور کہاں دیامر، وہ تو خوابوں میں بھی نہ سوچتی، البتہ اسامہ بھی کبھی بتاتا ضرور تھا کہ پاکستان کے شمالی علاقے کتنے سرسبز اور حسین تھے۔
"اور تمہیں پتا ہے میرے گھر میں سیب اور خوبانی کے درخت ہیں، بادام اور چلغوزے کے بھی اور خوبانی تو اتنی لگتی ہے کہ حد نہیں۔" ہیام نے اس کی دلچسپی محسوس کر کے مزید بتایا تو نشرہ کی آنکھوں میں اشتیاق کی چمک بھر گئی تھی، لیکن پھر لمحوں میں معدوم بھی ہو گئی۔
"تو مجھے کیا، لگتے رہیں۔" اس نے شانے اچکا دیئے تو ہیام کی مسکراہٹ کچھ اور پھیل گئی تھی۔
"ہاں، جی انگور کھٹے جو ہیں۔" ہیام کا انداز شرارتی تھا۔
"ایسی بھی بات نہیں۔" وہ جز بز ہو گئی تھی۔
"تو پھر جا کر دکھاؤ۔" اس کا انداز چیلنجنگ قسم کا تھا، آنکھوں میں شرارت، لبوں پہ مسکراہٹ،

نشرہ نے زچ ہوکر اسے دیکھا اور منہ بنالیا۔
"ہونہہ، پتا نہیں لوگ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی، لیکن ہیام قریب تھا، اس نے سن لیا۔
"بھلا کیا سمجھتے ہیں؟" ہیام نے بڑی ہی دلچسپی کے ساتھ پوچھا تھا۔
"چالاک۔" نشرہ نے اسے گھور کر دیکھنا چاہا تھا مگر اس کی کوشش ناکام سی ہوگئی تھی، کیونکہ ہیام بڑی پرشوق نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کی نگاہوں میں کچھ تو ایسا تھا جس نے نشرہ کو کنفیوز کردیا تھا، وہ ایک دم گھبرا کر مڑی تھی اور ٹرے اٹھائے بغیر جلدی سے نیچے آگئی۔
اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا، چہرہ گرم اور تپ رہا تھا اور وجود پہ عجیب سی گھبراہٹ طاری تھی، اس کی بوکھلاہٹ تب بڑھی جب تائی نے اسے آتے ہی آڑھے ہاتھوں لیا تھا۔
"اتنی دیر لگادی؟ کیا مذاکرات چل رہے تھے؟ مسئلہ فلسطین تو نہیں حل کروالیا۔" تائی اور طنز کیے بغیر بات کرلیں یہ تو ممکن ہی نہیں تھا، نشرہ کا پہلے سے گھبرایا دل کچھ اور گھبرا گیا۔
"وہ...... دراصل شرٹ...... شرٹ پریس کروائی آپ کے ڈاکٹر نے مجھ سے، مروتاً انکار نہیں کرسکی، آپ کی اتنی دوائیوں کا مفت ڈھیر اٹھا کر لاتا ہے اور بغیر فیس کے مفت چیک اپ بھی کرتا ہے، تایا جی نے بھی کہا تھا، اگر ڈاکٹر صاحب کچھ کام کہیں تو کردیا کرنا۔" نشرہ کو ایک ہی سانس میں اتنی لمبی وضاحت دینا محال لگ رہا تھا۔
"اچھا...... اچھا ٹھیک ہے، مجھے بھلا کیا اعتراض، شریف بچہ ہے، پھر مفت کا ہاتھ آیا ڈاکٹر، اتنے تو کام کردیتا ہے، اندر باہر کے۔" تائی نے لہجے کو فوراً ہی سرسری بنالیا تھا، اپنے مطلب کی تو وہ پوری ہی تھیں، نشرہ نے اطمینان کا سانس لیا۔
"وہ تو فرح کی کال آئی تھی، تم سے بات کرنا چاہتی تھی، میں نے کہا کرائے دار کو اوپر ناشتہ دینے گئی ہے۔" تائی نے اتنے عام سے لہجے میں بتایا کہ نشرہ کی سکون سے آتی جاتی سانسوں میں طلاطم آگیا، وہ ہکابکا رہ گئی تھی۔
"آپ نے پھپھو کو بتادیا؟ کیوں؟ آپ کچھ اور کہہ دیتیں۔" نشرہ کی آواز بھرا گئی تھی، کیا یہ کہنا ضروری تھا؟ اس کا دل بھر بھر آیا، فرح پھپھو بھلا کیا سوچیں گی اور ولید؟ اس کا دل مٹھی میں آگیا تھا۔
"تو کیا جھوٹ بولتی؟ حد ہے بھئی اور پھر گناہ کی کیا بات ہوئی؟ آخر ہمارے گھر میں پہلے بھی تو کرائے دار آتے رہتے ہیں اور ان سے تعلقات بھی گھریلو بن جاتے ہیں۔" تائی نے معصوم بن کر کہا تھا، نشرہ کی آنکھوں کے سامنے جالے آنے لگے، دل گھبرا رہا تھا، فرح پھپھو کیا سوچتی ہوں گی اور ولید؟ اسے چکر آنے لگے، تائی کو تو پرواہ نہیں تھی اور نشرہ کو نئی رشتہ داریوں میں نزاکت کی لکیر کا صاف پتا چل رہا تھا، ولید نہ سہی پھپھو ضرور برا مناسکتی تھیں۔
"اب کیا مراقبہ کررہی ہو؟" تائی نے اسے گم صم دیکھ کر طنز جھاڑا تھا، نشرہ چونک کر گہرا سانس خارج کرنے لگی، بھلا پھپھو نے کتنے دن بعد کال کی تھی؟ شاید مہینے بعد اور اب نجانے کب کریں گی؟ وہ سوچتی جارہی تھی اور الجھتی جارہی تھی، پھپھو کا رویہ وہاں جاکر کچھ اور سرد ہوگیا تھا اور ولید تو

تھا ہی سدا کا مصروف، پھر بھی وہ نشرہ سے بات کر ہی لیتا تھا، اس نے سوچا وہ ولید کو وضاحت کر دے گی، سو دل کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔

"اے نشرہ! ہیام کو آواز تو دے، کہیں باہر سے نہ نکل جائے، مجھے اپنا ایکسرے کروانا تھا، وہ کہہ تو رہا تھا۔" تائی نے اسے گم صم دیکھ کر پھر سے اپنی طرف متوجہ کیا تو نشرہ چونک گئی تھی۔

"وہ آپ کا گھر میں تو ایکسرے نہیں کرے گا نا۔"

"ساتھ لے کر جائے گا، اس نے مجھے خود کہا تھا۔" تائی ابھی بول رہی تھیں جب اندرونی سیڑھیاں اترتا ہیام دکھائی دیا تھا، اس طرح وہ کم ہی آتا تھا، جب تائی بلاتی تھیں تب ہی آتا تھا اور اس وقت بھی تائی کے بلاوے پہ آتا دکھائی دے رہا تھا، نشرہ گہرا سانس کھینچتی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

باہر سے دیر تک ہیام کی آواز آتی رہی، پھر تائی کو ہیام اپنے ساتھ لے گیا تھا، کیونکہ لاؤنج سے آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں، نشرہ برتن دھوتی عجیب یاسیت کا شکار تھی، ٹونٹی کھلی تھی اور پانی کی دھار بہہ رہی تھی، اسی طرح نشرہ کی آنکھوں سے بھی پانی کی دھار بہہ رہی تھی، بلاوجہ ہی اور شاید یہ دھار بلاوجہ نہیں تھی۔

☆☆☆

بیال میں آج بادلوں کی راج دھانی تھی۔

نانگا پربت کی برف پوش چوٹی پہ سفید گولوں کا راج پاٹ تھا، چہار سو دودھیا روئی کے گولے اڑ رہے تھے، سورج کی سنہری کرنیں غلاف میں پوشیدہ تھیں، گلاس وال پہ بھی دبیز پردے گرے تھے اور وہ منہ سر لپیٹے لحاف میں گم تھی۔

بی جاناں نے جب دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو نیم اندھیرے میں انہیں پہلے تو کچھ دکھائی نہیں دیا تھا پھر آنکھیں کچھ اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر پردے سمیٹے۔

کمرے میں مدھم سا اجالا پھیل گیا تھا، کھٹکے کی آواز سن کر کمبل قدرے کھسکا کر سباخانہ نے اندر آنے والی شخصیت کو دیکھا اور پھر چونک گئی تھی، اس نے سمجھا تھا پری گل ہے، تبھی وہ کچھ الٹا بولتے بولتے رک گئی تھی، بی جاناں کو دیکھ کر وہ لمحوں میں سیدھی ہوئی تھی۔

"آپ کیوں آئی ہیں اوپر، مجھے بلوالیا ہوتا۔" اس نے زکام زدہ آواز میں کہا تھا، بی جاناں لاڈ سے اسے دیکھتی رہیں، اس کا سرخ خوبصورت چہرہ، بیمار بیمار سا لگ رہا تھا، سنہری آنکھیں، سنہرے بال اور دلنشین سا چہرہ، نواسی کے حسن پہ اور بھی پیار آنے لگا تھا۔

"میری بیٹی کی طبیعت خراب ہے؟ ناشتے کے لئے بھی نہیں نیچے آئی؟" انہوں نے بیڈ پہ بیٹھ کر اس کے بکھرے بالوں کو ہاتھوں میں سمیٹا تو سباخانہ نے نم نم آنکھوں کو مسلتے ہوئے بتایا۔

"بخار لگتا ہے۔"

"بتایا کیوں نہیں، میں صندیر کو فون کرتی یا جہاندار کو، تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتے۔" انہوں نے متفکرانہ انداز میں سباخانہ کو دیکھا تھا، لاڈلی نواسی کی ذرا سی تکلیف بھی گراں گزر رہی تھی۔

"اور یہ جہاندار نجانے کہاں ہے؟ آج آیا ہی نہیں۔" اب ان کی توپوں کا رخ جہاندار کی

طرف تھا۔
"میں دیکھتی ہوں اسے، کسی ڈاکٹر کو لے آئے۔"
"رہنے دیں جہاندار کو، میں ٹھیک ہوں بی جاناں! وہ پھر سنائے گا، میں نیل برکا باڈی گارڈ ہوں ہونہہ۔" اس نے سلگ کر کہا، بی جاناں چونک گئی تھیں۔
"کیا جہاندار نے تمہیں کہا۔" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے سباخانہ کو دیکھا تھا، چہرے پہ دبا دبا غصہ اُمڈ آیا۔
"نہیں، بس آپ رہنے دیں، ابھی قہوہ پیوں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔" اس نے جان بوجھ کر بات بدل دی تھی، مبادا بی جاناں جہاندار پہ غصہ نہ کریں۔
"دیکھو تو، بخار بگڑ نہ جائے، میں بلاتی ہوں کسی کو۔" ان کا تفکر کم نہیں پڑ رہا تھا۔
"بس سر میں درد ہے، زکام کی وجہ سے، آپ نہ بلائیں کسی کو۔" سباخانہ نے انہیں منع کرنا چاہا۔
"پری گل تو باپ کے پاس گئی ہے، میں حمت کو بلاتی ہوں، تمہارا سر دبائے۔" وہ حکم سناتی اٹھ گئی تھیں، سباخانہ بے بس سی ہو گئی، وہ بی جاناں کی محبت سے واقف تھی، جانتی تھی کہ جب تک اسے ہشاش بشاش نہ دیکھ لیں گی، اسی طرح ہولتی رہیں گی، ان کے جاتے ہی حمت آ گئی، مگر اس سے پہلے بی جاناں کا ٹکراؤ جہاندار سے ہو گیا تھا، وہ راہداری میں سے گزر رہا تھا جب بی جاناں نے اسے دھر لیا، وہ صبح صبح کلاس کی وجہ نہیں سمجھ سکا تھا اور بی جاناں اپنے ازلی تنفر اور رعونت سے گرج رہی تھیں، جبکہ جہاندار خاموشی سے سننے پر مجبور تھا۔
"تم کہاں تھے؟ ذرا جو ادھر ادھر کی خبر ہو۔" ان کا انداز گفتگو بھی ان کی طرح عجیب تھا، روکھا اور الجھا ہوا، جہاندار سمجھ نہ سکا تھا، پھر بھی اس نے جواب دیا۔
"ادھر ادھر کی خبریں ہی اکٹھی کرتا ہوں ایک ہی دفع سناؤں گا سب۔" اس کا انداز بے نیازانہ سا تھا اور بی جاناں کو اسی انداز سے سخت چڑ تھی۔
"مطلب؟" انہوں نے ابرو اچکا کر سختی سے پوچھا۔
"وقت پہ مطلب بھی بتاؤں گا۔" وہی لٹھ مار رعونت بھرا انداز، بی جاناں اسے سرد آنکھوں سے گھورنے لگی تھیں۔
"مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی، جانے سردار کو تم میں کیا نظر آتا ہے۔" وہ چڑ کر بولی تھیں۔
"سردار کو جو مجھ میں نظر آتا ہے، وہ کسی اور کو نہیں آ سکتا۔" اس نے بڑے ہی اطمینان سے بتایا تھا۔
"اچھا...... اچھا۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"کبھی ادھر کی خبر بھی لے لیا کرو۔"
"جی فرمائیں کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔" اس نے فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا تھا، بی جاناں نے اسے گھورنے کا شغل ترک کر کے لاڈلی نواسی کی ناسازیٔ طبع کا بتایا تو جہاندار نے گہرا سانس کھینچ لیا۔

"مجھے الہام نہیں ہوتے، کوئی بتاتا تو تب نا۔" وہ جز بز سا ہوا۔

"باقیوں کے لیے تو الہام بھی ہو جاتے ہیں تمہیں۔" ان کا انداز طنزیہ تھا، جہاندار نے سمجھ کر لمبی سانس خارج کی تھی، وہ ان کے طنز بڑی اچھی طرح سمجھ لیتا تھا۔

"باقیوں سے مراد؟" وہ صاف سمجھتے ہوئے بھی انجان بنا تھا، ظاہر ہے بی جاناں کے طنز سے مراد نیل بر کی ذات ہی ہو سکتی تھی اور نیل بر ایسی خاتون تھی جس سے سب کو لاکھ اختلاف سہی ہزار مرتبہ خار کھانے کے باوجود کسی کی براہ راست اس سے پنگا لینے کی جرأت نہیں تھی۔

"کچھ نہیں۔" انہوں نے تلملا کر جواب دیا۔

"اب ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہو؟" انہوں نے تپ کر غصے میں پوچھا تھا۔

"میں ڈاکٹر کو یہاں لے آتا ہوں۔" اس نے بڑے مودب انداز میں کہا تھا۔

پھر وہ رکا نہیں تھا، تیزی سے نکل گیا، سبا خانہ کو ساتھ لے جانے سے بہتر تھا، وہ ڈاکٹر کو یہیں لے آتا، جیسے ہی وہ ڈرائیوے سے ہوتا ہوا جیپ تک آیا اسے بوڑھا خان آتا دکھائی دیا تھا، گرم شال میں بوڑھا خان اونی کپڑوں کی وجہ سے کچھ گرم دکھائی دے رہا تھا، جہاندار کو لامحالہ رکنا پڑا، پری گل کا نانا تو بیمار تھا، پھر یہاں آنے کی وجہ؟ شاید پیسوں کی ضرورت ہو، ایسے چھوٹے بڑے تمام حاجت مندوں کو جہاندار ہی ڈیل کرتا تھا، اس بڑے محل کے مغرور سردار چھوٹے موٹے لوگوں سے ملنا کہاں گوارا کرتے تھے۔

جہاندار کو دیکھ کر بوڑھا خان بھی رک گیا تھا، پھر وہ تیزی سے اس کے قریب آیا، خان کچھ گھبرایا ہوا تھا، شاید سردی کی شدت سے کپکپا رہا تھا یا پھر بڑھاپے کے رعشہ کی وجہ سے، جہاندار گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا، بوڑھا خان بے مقصد یہاں نظر نہیں آ رہا تھا، جہاندار نے اپنی آستین کن چادر تلے ایک ہاتھ سے چھوئی اور بے نیازی سے خان کو دیکھنے لگا۔

"خیریت خان بابا! بہت عرصے بعد دکھائی دیے، تم تو بیمار تھے نا؟"

"ام اب بھی بیمار ہے خاناں۔" بوڑھے خان کی آواز کمزور تھی۔

"تو پھر کیا ضرورت بیماری میں یہاں کھینچ لائی؟ پیغام بھیج دیا ہوتا۔" وہ نرمی سے بولا تھا، گو کہ یہ نرمی اس کی خاصیت نہیں تھی، نہ اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

"ضروری بات کرنا تھی، بلکہ ام نے کچھ بتانا تھا تم کو، خاناں، امارا منہ چھوٹا، بہت بڑا بات، سمجھ نہیں آتا کروں تو کیا کروں۔" خان نے کھسیاتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا تو جہاندار پوری طرح چونک گیا تھا۔

"تم بولو خان! تم جو کہو گے، میرے تک محدود رہے گا۔" اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ خان بابا کے وہم کو اور خوف کو ختم کیا تھا، اس کا انداز بلا کا سنجیدہ تھا، وہ آس پاس کے ماحول کو گھورتا ہوا خاصا چوکنا لگتا تھا۔

"خاناں! نیل بر کو نگاہ میں رکھو۔" بالآخر خان بابا نے اپنی بوڑھی کپکپاتی آواز میں جہاندار کو اور بھی چونکا دیا تھا۔

"سرداروں کی بیٹی کا سرکار کے ملازموں سے کیا تعلق بنتا ہے؟ میں نیچ ذات، منہ چھوٹا اور

بات بڑا، کبیر سردار بنو کا بیٹی بچ جائے گا، امار اپری گل مارا جائے گا، صندیر خان کو خبر ہوئی تو خون کے نالے بہنے میں وقت نہیں لگے گا۔'' بوڑھے خان کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے تھے، وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے گھگیایا تھا اور جہاندار نے جبڑے سختی سے بھینچ لئے تھے، اس کی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا اور مٹھیاں گرم انگاروں سے بھر گئیں، اسٹین گن پہ اس کے ہاتھ کی گرفت کچھ اور سخت ہوگئی تھی۔

''خان بابا! میں سمجھ گیا، تم نہ بھی بتاتے تب بھی میں سمجھ گیا تھا اور جہاندار کی ساری آنکھیں کھلی ہیں، دیکھ رہا ہوں اور میں واقعی دیکھ رہا ہوں، ظاہر آنکھوں سے بھی باطن آنکھ سے بھی اور میں تو چاہتا ہی یہی ہوں، خون کی ندیاں بہہ اٹھیں، قتل کی آندھی چڑھ چڑھ آئے، لہو کی برسات ہو، گولیوں کی بوچھاڑ ہو اور نیل بر کبیر بنو انہی اندھے رستوں پہ چلتی چلتی کسی گمنام کھائی میں جا گرے، میں چاہتا ہی یہی ہوں، خون و آگ کے طوفان اٹھیں، غبار کے بگولے بڑھیں اور ایسی تند ہوا چلے جو سردار بنو کی عزت کے ایک ایک تنکے کو بکھیر ڈالے، اس بنو محل کی شان اور عزت کی دھجیاں اڑیں، سردار بنو کا غرور تہہ خاک ہو، سردار بنو سر سے پاؤں تک برباد ہو۔'' اس کے بھینچے جبڑوں میں انگارے سلگ رہے تھے اور وہ زہر بھری نگاہوں سے بنو محل کی عالیشان اور جلال سے کھڑی عمارت کو دیکھ رہا تھا، اس نگاہ میں نفرت تھی، حقارت تھی، ہر چیز کو تہہ بالا کر دینے کی آگ سلگ رہی تھی، زہر تھا اور واقعی زہر تھا، ایسا زہر جو نیل نیل کر دیتا، ایسا زہر جو بے توقیر کر دیتا۔

سباخانہ نے کھڑکی کے پٹ کھول کر چکراتے سر کے ساتھ جیسے ہی باہر کی سمت نگاہ اچھالی اس کا دل خوف اور ہراس کے شکنجے میں لپٹ گیا تھا۔

اس کی آنکھیں جہاندار پہ جمی تھیں اور جہاندار کی بھوکے شیر جیسی آنکھیں بنو محل پہ جمی تھیں، نہ سباخانہ وہ سباخانہ تھی اور نہ جہاندار وہ پہلے والا جہاندار تھا، اس کے سامنے جنگل کا شیر کھڑا تھا، بپھرا ہوا، غراتا ہوا، دھاڑتا ہوا اور چیلنج بھری نگاہ سے بنو محل کی شان اور آن کو دیکھتا ہوا۔

پہلی مرتبہ سباخانہ کے دل سے جہاندار کے لئے نرمی اور پسندیدگی پھسل کر کہیں دور بنو محل کی گہرائیوں میں جا گری تھی، اب تو وہاں دل کی سنسان نگری میں صرف خوف تھا، ڈر تھا، ہراس تھا اور اس کا دل چلا چلا کر ایک ہی بات کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔

''جہاندار خونی ہے، خون بہانے آیا ہے۔''

(باقی اگلے ماہ)

''اظہار افسوس''

ہماری مصنفہ ''مدیحہ تبسم'' کے والد محترم گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

والد کی دائمی جدائی مدیحہ تبسم کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے، ادارہ حنا غم کی اس گھڑی میں مدیحہ تبسم کے ساتھ ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

خواب خواہش اور آرزو

فرح طاہر

تیسری اور آخری قسط

''مگر میں یہ سب کیوں سوچ رہی ہوں؟''

اس نے سر جھٹک کر تمام سوچوں کو پرے جھٹکا اور دوبارہ ابراہیم کی طرف دیکھا جو ابھی بھی مسکرا رہا تھا، اس کی نظروں کے اس مسلسل ارتکاز پر ابراہیم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر اس نے اپنی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی تھی جس پر کھسیا کر اس نے اس پر سے نظر ہٹا کر دوبارہ سٹیج کی طرف نگاہ کی تھی جہاں اب الوینہ اور ادمان کا فوٹو سیشن چل رہا تھا، خوبصورت پوز میں تصویریں بنواتے وہ اس وقت بہت خوش دیکھائی دے رہے تھے۔

اور کسی کے بھی چہرے پر سجی خوشی اسے ہمیشہ ہی دہشت زدہ کر دیا کرتی تھی اس کے اندر پھر سے وحشت سر اٹھانے لگی تو وہ روہانسی ہوتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی، کیونکہ اب یہاں ٹھہرنا اس کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔

''اسی لئے میں یہاں آنا نہیں چاہتی تھی۔''

''ہونا تو یہی کچھ تھا۔''

ناولٹ

اپنی ذات کے خالی پن کا احساس مزید گہرا ہوا تو وہ کسی کو بھی بتائے بنا وہاں سے اٹھ کر واپسی کے لئے نکل آئی۔

☆☆☆

جب سے وہ مہندی سے واپس آئی تھی اس کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے افسردگی کا شدید غلبہ تھا جو اس پر طاری تھا، عجیب و غریب سوچوں کے ساتھ وہ شدید بے چینی کا شکار ہو رہی تھی۔

انہی دردناک سوچوں سے چھٹکارا پانے کے لئے اس نے گھر کال کرنے کی کوشش کی تھی مگر دوسری طرف سے جواب نہ پا کر اس نے باری باری آسیہ، عقیلہ کو کال کی مگر اس وقت جب اسے کسی کے ساتھ کی اشد ضرورت تھی تو کوئی بھی اسے میسر نہیں آ رہا تھا وہ مزید جھنجھلا گئی۔

کئی بار ٹرائی کرنے کے باوجود بھی جب اس کی کال پک نہ کی گئی تو جھنجھلاہٹ آہستہ آہستہ غصے میں بدلنے لگی۔

"سب ضرورت کے یار ہیں، جب میری ضرورت ہوتی ہے تو نہ وقت دیکھتی ہیں نہ کچھ اور فوراً مجھے پکار لیتی ہیں اور اب جب مجھے ان کے ساتھ کی ان کی ضرورت ہے تو انہیں پرواہی نہیں ہے میں کب سے پاگلوں کی طرح فون کیے جا رہی ہوں مجال ہے جو کوئی فون اٹھا لے۔"

بڑبڑاتی ہوئی وہ صوفے پر پاؤں چڑھا کر بیٹھ گئی، پتا نہیں کیوں الوینہ کو دیکھ کر اس کے گھر کی رونقیں اور ہر مسکراتا بشاش چہرے کا سوچ سوچ کر اسے غصہ کیوں آرہا تھا۔

اور اب اپنے دوستوں کی بے رخی اسے بری طرح کھل رہی تھی۔

آج اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا اوپر سے خون جلاتی سوچوں نے مل کر سر میں شدید درد کر دیا تھا جس کی وجہ سے بخار نے اسے اپنے لپیٹے میں لے لیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بخار کی شدت بڑھتی جارہی تھی، اب جب وہ بری طرح تھک گئی تو سر پکڑ کر صوفے کی پشت سے سر ٹیکا دیا، کمرے میں مکمل خاموشی کا راج تھا جو اس کے اس طرح خاموش بیٹھ جانے پر کچھ اور زیادہ محسوس ہونے لگا تھا، کمرے کی خوفناک خاموشی جب اس کے حواسوں پر چھانے لگی تو اس نے گھبرا کر ایکدم آنکھیں کھول دی۔

اس کی نظروں کے سامنے کمرے کی چھت تھی، کچھ دیر وہ اسی طرح ساکت بیٹھی چھت کو گھورتی رہی پھر سر اٹھا کر اس نے نظر گھمائی اور کمرے میں چاروں اطراف دیکھنا شروع کر دیا۔

ٹی وی کی تاریک سکرین، خالی بیڈ، اس پر اور کمرے کی آسیب زدہ خاموشی، اس کی وحشت میں مزید اضافہ ہونے لگا تھا، اب یہ اکیلا پن اسے ڈراتا نہیں تھا، بس اس قدر خاموشی اور اپنا اکیلا پن دیکھتی تو ایکدم ہی اس کا دل چاہتا ہر طرف اس قدر شور وگل مچ جائے کہ ہر وقت قائم رہنے والی یہ خاموشی منہ چھپا کر بھاگ جانے پر مجبور ہو جائے، مگر وہ کبھی ایسا کچھ نہیں کر پائی تھی، حالت نے اس کے اندر وحشت بھر دی تھی وہی وحشت جو اس کی سوچوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا کرتی تھی وہی وحشت جس نے اسے ایک ایسا نفسیاتی مریض بنا دیا تھا جس سے کسی کی خوشی برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا، وہ جلنے لگی تھی ہر اس شخص سے جسے زندگی میں مسکراہٹیں نوازی گئی تھیں۔

کسی کے ساتھ کی طلب نے اور شدت پکڑ لی تھی، مگر اس وقت کوئی اس کے پاس نہیں تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ پر پڑا سیل فون اٹھایا، موبائل سامنے کیے کچھ دیر اسے گھورنے کے بعد اس نے بنا کچھ سوچے سمجھے ابراہیم کا نمبر ڈائل کر دیا۔

یہ شاید اس کی خوش قسمتی تھی ابراہیم نے اس کی پہلی بیل پر ہی اس کی کال پک کر لی تھی۔

"ہیلو۔" اپنے قریب کسی دوسرے کی آواز سن کر اس کی ڈھارس بندھی تھی۔

"ہیلو" اس کا جواب نا پا کر ابراہیم نے دوبارہ اپنی موجودگی کا احساس کرایا تھا، اس نے اسے فون تو کر دیا تھا مگر اب سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"آیا وہ اسے کچھ بتائے یا نہیں؟"

"اور اگر اس نے بھی میرا مذاق بنایا لیا تو؟" وہ شش و پنج میں مبتلا ہوگئی تھی جب ابراہیم کی پریشان سی آواز اسے دوبارہ سنائی دی تھی۔

"عائزہ یہ تم ہو ناں؟ تم بول کیوں نہیں رہی ہو؟ تم ٹھیک تو ہو ناں؟" اس کی خاموشی اسے پریشان کر رہی تھی، اسی لئے اس نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

ابراہیم کے اس کا حال دریافت کرنے پر وہ ایکدم رو پڑی، وہ اس کے اس طرح رو دینے سے ایکدم بوکھلا گیا تھا۔

"عائزہ کیا ہوا ہے؟ کچھ تو بتاؤ یار اس طرح کیوں رو رہی ہو؟ الوینہ کی مہندی پر سے بھی تم بنا بتائے واپس آ گئی میں کتنی دیر تمہیں وہاں تلاشتا رہا ہوں۔" وہ اس کے لئے حقیقتاً پریشان محسوس ہو رہا تھا، اس کے رونے میں مزید اضافہ ہوا تھا، شاید بخار کی شدت اور اپنے اکیلے پن کے احساس کے ساتھ دماغ میں اودھم مچاتی الٹی سیدھی سوچوں نے اسے رقیق القلب بنا دیا تھا وہ بس روئے جا رہی تھی۔

"فور گاڈ سیک عائزہ تم رونا تو بند کرو، مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے، رات بھی اتنی بڑھ گئی ہے ورنہ میں ابھی تمہاری طرف آ جاتا، پلیز تم رونا تو بند کرو۔" وہ بہت نرمی سے اسے خاموش کرانے کی کوشش کر رہا تھا اسے کچھ سکون نصیب ہوا۔

بہتے آنسوؤں کی روانی میں کمی آئی تھی، اس کے چپ ہونے پر ابراہیم نے سکون کا سانس لیتے ہوئے اپنا سوال دوہرایا۔

"تم اس قدر کیوں روئی عائزہ؟"

"میں اکیلی ہوں ابراہیم۔" وہ سسکی تھی ابراہیم اس کی بات سن کر چپ سا رہ گیا، وہ مزید بولی تھی۔

"مجھے بہت تیز بخار ہے میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا مجھے بھوک نہیں لگ رہی مجھے بس ڈر لگ رہا ہے ابراہیم۔" اس کی آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی۔

''میں نے سب سے بات کرنے کی کوشش کی مگر کسی نے بھی میری کال پک نہیں کی۔'' سسکیوں کے درمیان بولتی وہ قابل رحم محسوس ہو رہی تھی، ابراہیم اس کی ذہنی حالت کا سوچ کر دکھی ہونے لگا تھا مگر پھر بھی اس کی ڈھارس بندھانے کو بولا تھا۔

''تم خود کو تنہا محسوس کیوں کرتی ہو عائزہ، میں بھی تو ہوں تم سے اور کوئی بات نہیں کرتا تو تم مجھ سے بات کر لیا کرو، دیکھنا پھر تمہیں یہ اکیلا پن یہ اداسی ذرا سی بھی محسوس نہیں ہوگی۔'' اس کے انداز میں توجہ کے سبھی رنگ تھے، ایک یقین تھا جو اگر وہ محسوس کر لیتی تو واقعی سب بھلا دیتی۔

''تم مجھے اپنا وقت دو گے، تم کرو گے مجھ سے بات؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

''کیوں نہیں، تمہیں جتنا وقت چاہیے میں دوں گا، تم مجھ سے اپنی ہر پریشانی ہر دکھ کہہ لیا کرو، تم کیوں خود کو اکیلا جلاتی رہتی ہو۔'' وہ خاموش رہی تو اس نے مزید کہا۔

''اور کچھ بعد میں کہنا ابھی تم اٹھو فوراً کچھ کھاؤ۔'' اس کے کہنے پر اس نے باتوں کے دوران دودھ کے ساتھ تھوڑی سی ڈبل روٹی کھائی تھی، بخار کی وجہ سے نقاہت بڑھتی جا رہی تھی اس نے ابراہیم کے کہنے پر بخار کی ٹیبلٹ بھی لی۔

''یہ ایک دم سے بخار کیسے ہو گیا تمہیں؟'' ابراہیم نے پوچھا۔

''مجھے میگرین ہے ابراہیم۔'' عام سے انداز میں جیسے اس نے دھماکہ کیا تھا۔

''کیا میگرین؟''

''آدھے سر کا درد؟ تمہیں اندازہ بھی ہے جس بات کو تم اتنے عام سے انداز میں بتا رہی ہو وہ کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔'' ابراہیم کو خاصا شاک پہنچا تھا، وہ اس کے لئے کچھ اور زیادہ پریشان ہو اٹھا تھا۔

''بیچاری عائزہ اپنوں سے اتنی دور رہتی ہے کوئی اس کا خیال نہیں رکھتا اوپر سے یہ خطرناک بیماری۔'' اسے اس کی کچھ اور فکر ہونے لگی تھی۔

''تم نے ڈاکٹر کو چیک کرایا؟''

''نہیں تو۔'' اس نے اسی عام سے انداز میں اطلاع پہنچائی تھی۔

''اوہ خدا کی پناہ عائزہ تم اپنا ذرا سا بھی خیال نہیں رکھتی ہو، اگر کوئی دوسرا خیال رکھنے والا نہیں تو کم از کم خود اپنے لئے تو اپنا خیال رکھ سکتی ہو نا۔'' وہ اسے اسی کے لئے ڈانٹ رہا تھا، اس کو بہت زیادہ سکون محسوس ہونے لگا۔

''کوئی تو ہے جو اس کی فکر کر رہا تھا اس کے لئے پریشان ہو رہا تھا۔'' اسی گھڑی اس کے دل نے چپکے سے ایک عجیب سی خواہش کی تھی۔

''اگر احسان کی جگہ یہ ہوتا تو؟'' اپنی خواہش پر وہ شدید حیران ہوئی تھی۔

''یہ میں کیا سوچ رہی ہوں؟ مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''خود اپنے لئے کون اپنا خیال رکھتا ہے ابراہیم؟'' وہ ہنس دی تھی۔

''پھر میں اپنا خیال رکھوں بھی تو کس کے لئے؟ زندگی ویسے ہی بوجھ محسوس ہوتی ہے خیال رکھ کے میں اس بوجھ کو مزید بڑھانا نہیں چاہتی۔'' اس نے بڑی اداسی سے کہا تھا۔

''تم میرے لئے اپنا خیال رکھ سکتی ہو۔'' ابراہیم نے بڑا بے ساختہ کہا تھا عائزہ حد درجہ حیران ہوئی۔

''تمہارے لئے؟ کیوں تم میرے کیا لگتے ہو؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

''نہ سمجھو تو کچھ بھی نہیں اور اگر سمجھ لو تو سبھی کچھ۔'' اس نے بڑی ذومعنی بات کہی تھی مگر عائزہ

کمال کہاں اتنی گہری بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی تھی جب ہی اس کی بات کا مفہوم سمجھ ہی نہ سکی۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''تم مجھے اپنا دوست سمجھ سکتی ہو، دعویٰ تو نہیں کرتا مگر کوشش کروں گا تمہارا بہترین دوست ثابت ہوسکوں۔'' اس نے بات کو بدل دیا تھا۔

''دوست!''

''بہترین دوست؟'' اس نے اسی کے کہے لفظوں کو دہرایا تھا پھر مزید بولی۔

''زندگی میں موجود بہت سے رشتوں کے ساتھ دوستی کے رشتے کو بھی آزما چکی ہوں میں ابراہیم۔''

''دوستی میں آزمائش نہیں ہوتی عائزہ کمال۔'' ابراہیم نے اس کی تصیح کرنا چاہی تھی۔

''دوستی میں آزمائش ہی ہوتی ہے ابراہیم، کتنی ہی دوستیں ہیں میری، مگر ایک سے بڑھ کر ایک مطلبی، کس کس کا بتاؤں تمہیں، وہ آسیہ جسے بس مجھ سے پیسہ چاہیے ہوتا ہے اور اگر میں نا دوں تو وہ مجھ سے ناراض ہوکر رابطہ ہی ختم کر جاتی ہے، جانتے ہو اسے میں اپنی بہترین دوست سمجھا کرتی تھی، میری بچپن کی سہیلی، مگر وقت پڑنے پر اس کو بھی پرکھ کر دیکھ لیا اور اب اسے جان جانے کے باوجود بھی اسے کھونا نہیں چاہتی میں، جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ میں کھونے سے ڈرتی ہوں۔''

وہ اپنے متعلق آج وہ بتا رہی تھی جو وہ پہلے سے جانتا تھا، وہ مزید کہہ رہی تھی۔

''میں اسے کھو نہیں سکتی وہ جیسی بھی سہی مگر دو گھڑی مجھے سن لیتی ہے، بس اسی لالچ میں میں اس کی ہر ڈیمانڈ پوری کرتی ہوں، ابھی بھی اسی کی فرمائش تھی کہ میں اپنے گھر والوں کی طرح اسے بھی ہر مہینے پیسے بھیجا کروں تاکہ وہ بھی اپنی خواہشات پوری کر سکے اور پھر جب اس کی خواہشات پوری ہوں گی تو کچھ مجھے بھی خواہش پوری کرنے کا موقع مل جائے گا، اس سے کچھ وقت مل جائے گا، صرف اسی کی خاطر یہ میں پارٹ ٹائم نوکری کر رہی ہوں۔'' مسلسل بولتی بولتی وہ کچھ دیر چپ ہوئی تھی مگر دوبارہ گویا ہوگئی۔

''اور وہ عقیلہ اور اس کی بہن ہر ہفتے ہزاروں روپوں کا تقاضا ہیں، ان سے دوستی کرنے کے معاوضے میں مجھے ان دونوں کو مہنگے مہنگے دو موبائل بھیجنا پڑے اگر میں ناں دیتی تو وہ کہاں مجھ سے دوستی کرتیں؟'' آخر میں وہ جیسے خود پر ہنسی تھی۔

وہ جو کچھ بھی دوسروں کی توجہ پانے کے لئے کر رہی تھی آج خود ابراہیم کے سامنے اس کا اعتراف کر رہی تھی جسے سن کر اس کا دماغ تو جیسے گھوم ہی گیا تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟ دوستی کو کاروبار سمجھا ہے جو کچھ دے کر کچھ لینا چاہتی ہو عائزہ کمال، دوستی تو ایک بے غرض رشتہ ہے جسے تم نے جان بوجھ کر غرض سے باندھ دیا ہے، تم انہیں لالچ نہ دیتی تو وہ تم سے اس طرح کچھ نہ لے رہی ہوتیں، تم دوستوں کے لئے اسی طرح سوچتی ہو، عظمیٰ بھی تو تمہاری دوست ہے ناں۔'' اس نے جیسے اسے کچھ جتلانا چاہا تھا۔

''ویسے بھی تم ان لوگوں کے لئے تو نہیں کماتی ہو خبردار جو آئندہ کسی کو اس طرح کچھ دیا تو۔'' آخر میں اس کا لہجہ سخت ہوگیا تھا۔

''میں نے انہیں منع کیا تو وہ لوگ مجھ سے ناراض ہوجائیں گی مجھے چھوڑ جائیں گی۔'' اس کا انداز بڑا بے چارگی لئے ہوئے تھا۔

''ہو جانے دو ناراض، وہ دوست ہی کیا جو غرض کی وجہ سے دوستی رکھے، تمہیں ان مطلبی

دو، اپنے اس ڈر کو اپنے اندر سے نکال دو تمہیں ان کی ضرورت ہے اور اس بات کا احساس تم نے خود ان کو کرایا ہے، اسی لئے وہ اس بات کا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لئے انہیں تم سے جو بھی چاہیے ہوا پنا حق سمجھ کر وصول کرتے ہیں، مگر اب ان میں سے کوئی تمہیں چھوڑے تو اپنی جگہ ڈٹ جاؤ، ان کے پیچھے مت بھاگو انہیں بھی تمہاری ضرورت ہے تم دیکھنا وہ خود تمہاری طرف پلٹ کر آئیں گے اور اگر وہ واپس نہیں بھی آئیں تو کیا ہوا، تم خود اپنے لئے کافی نہیں ہو کیا؟ پھر میں بھی تو ہوں تمہارا دوست۔'' اس کے لبوں پر ایک دم مسکراہٹ بکھر گئی تھی، اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑتی وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر اسی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھے رہنے کے بعد اچانک کچھ یاد آنے پر وہ اٹھی اور ٹیبل پر فائلز کے ساتھ رکھے تصویروں کا بڑا سا البم اٹھا کر واپس بیڈ پر بیٹھ گئی، آفس میں مصروفیت کی وجہ سے وہ الوینہ کی شادی کی تصویریں نہیں دیکھ پائی تو الوینہ نے واپسی پر تصویروں کا البم اسے تھما دیا تھا تا کہ وہ گھر پر سکون سے تصویریں دیکھ سکیں، وہ پاؤں اوپر کرتی تجسس سی ہو کر البم اوپن کرنے لگی، جیسے ہی اس نے البم اوپن کیا ساکت رہ گئی، پہلی ہی تصویر میں الوینہ دلہن بنی چھائی ہوئی تھی، وہ بنا پلک جھپکے یک ٹک تصویر کو گھورے جا رہی تھی، الوینہ خوبصورت تو پہلے ہی تھی مگر دلہناپے کے روپ میں تو جیسے اسے کوئی اپسرا بنا دیا تھا اس قدر ٹوٹ کے روپ اترا تھا اس پر، وہ کوئی آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی۔

جھکی گھنی پلکیں، لپ اسٹک سے رنگے لال پنکھڑیوں کی مانند ہونٹ ابھرے ہوئے گلابی رخسار، گول بھرا بھرا کتابی چہرہ، اس کی نظر جم سی گئی تھی، الوینہ کی ناک میں پہنی باریک نتھ کے موتی لٹک کر اس کے لبوں کو چوم رہے تھے، کتنی ہی دیر اس کی نظر ان موتیوں سے الجھتی رہی تھی، وہاں سے نظر ہٹائی تو اس کے چہرے پر بجی شرم وحیا کی خوبصورت سی مسکان میں اٹک گئی۔

وہ کوئی لڑکا تو نہیں تھی جو اس طرح اسے دیکھ کر اس پر فدا ہو جاتی مگر اس کے اس روپ کو دیکھ کر اس کے سوئے ہوئے جلاپے کے جذبات ایک دم سر اٹھانے لگے تھے، ابھی تو وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں پہلی سیڑھی پر بھی پوری طرح کھڑی نہیں ہو پائی تھی مگر وہ کوشش ضرور کر رہی تھی، مگر اب یہ سب اس طرح جو ہو رہا تھا۔

''تو کیا اب پھر قسمت اسے واپس اسی مقام پر دھکیل دینا چاہتی تھی۔'' اس نے تیزی سے اس تصویر کو بند کر کے اگلی تصویر پلٹی۔

یہاں الوینہ رومان کے ساتھ کھڑی تھی جبکہ رومان کا ہاتھ اس کے کندھے پر دراز تھا، وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے بڑے خوش دکھائی دے رہے تھے، اس کی سانسیں اٹکنے لگی۔

اس نے تیزی سے تیسری تصویر پلٹی، یہ الوینہ کے چہرے کا کلوز اپ تھا وہ کسی بات پر مسکرا رہی تھی، ہر تصویر مکمل تھی کہیں کوئی کمی نہیں تھی، اس کے چہرے پر تاریکی پھیلنے لگی۔

''میری ہر دوست خوبصورت ہے اسی لئے ان کی زندگی خوبصورت ہے، وہ چاہی جاتی ہیں چاہے جانے کے لائق سمجھی جاتی ہیں، مگر میں۔'' کتنا مشکل تھا اس سے سانسوں کو بحال کرنا؟ البم بند کر کے ایک طرف ڈالتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھ میں کچھ کیوں نہیں ہے، میں ایسی کیوں نہیں ہوں۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے چہرے پر اس طرح پھیرے تھے جیسے

اپنے چہرے کی تمام بدصورتی اتار پھینک دینا چاہتی ہو، اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سامنے پھیلا لیے، خالی ہتھیلیاں، سونی کلائیاں، اس کی نظر اپنے ہاتھوں کی ٹیڑھی لکیروں پر پھیلنے لگی۔

"آخر میرے ہاتھوں میں کچھ کیوں نہیں ہے، جو میں چاہتی ہوں وہ مجھ سے دور کیوں بھاگنے لگتا ہے؟" وہ پاگل سی ہو رہی تھی، خود بدلنے کی سبھی تدبیریں آج بے کار گئی تھیں وہ پھر سے اسی پہلے سے مقام پر کھڑی تھی، اس نے نظر اٹھا کر سامنے شیشے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی شیشے کے قریب چلی آئی، بہت قریب پہنچ کر وہ آگے کو جھکی، بہت زیادہ نزدیک سے اپنے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیکھنے لگی، اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنی ناک کی دائیں طرف انگلی پھیری، خالی ناک، ذرا سا چہرہ موڑ کر کانوں کو دیکھا، خالی کان، سونی خالی گردن، کوئی ہار سنگھار نہیں تھا، وہ بھی تو بیاہتا تھی، اسے تو کسی نے دلہن نہیں بنایا تھا، اس کے اندر کا حسد ابھرنے لگا تو ماتھے پر رگیں تک پھڑکنے لگیں۔

خود پر ایک عجیب سی نظر ڈال کر وہ مڑی اور سائیڈ ٹیبل سے بیگ اٹھاتی تیزی سے گھر سے باہر نکل آئی، اس کا رخ شاپنگ مال کی طرف تھا، ایک جیولری شاپ میں آ کر اس نے ہر وہ چیز خریدی جو اس کو سجا سکتی تھی اس کو سنوار سکتی تھی۔

کبھی اسے چوڑیاں بہت پسند ہوا کرتی تھیں، آج اس نے دل کھول کر چوڑیاں خریدی اور تو اور اس نے مہندی تک خرید ڈالی، اپنی شاپنگ سے جب وہ مطمئن ہوگئی تو واپس گھر آ گئی، بیڈ پر ہر چیز اپنے سامنے پھیلائے وہ ایک ایک چیز کو چھو رہی تھی، اس نے مہندی کی کون اٹھا کر اپنے ہاتھوں کو بے ڈھنگے طریقے سے مہندی سے رنگ لیا اور اب مہندی سے بھرے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بڑی عجیب طریقے سے مسکرائے جا رہی تھی۔

کتنی ہی دیر اس نے مہندی کے سوکھنے کا انتظار کیا اور جب انتظار کوفت میں بدلنے لگا تو جا کر ہاتھ دھو آئی، ایسر جنسی مہندی نے اپنا رنگ فوراً اس کے ہاتھوں پر چھوڑا تھا، اس کی دونوں ہتھیلیاں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

"دیکھو تو مہندی کا کتنا تیز رنگ آیا ہے۔"

پھر سے وہی عجیب سمجھ میں نہ آنے والی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آن بجی تھی اس نے اپنی دونوں کلائیوں کو چوڑیوں سے بھر لیا، تمام زیورات اٹھائے وہ شیشے کے سامنے آ گئی، آہستہ آہستہ اس نے تمام زیورات اپنے اوپر لادنا شروع کر دیے، سب کچھ خود پر لاد لینے کے بعد اس نے شیشے میں خود کو دیکھا، وہ دلہن لگ ہی نہیں رہی تھی، دلہن الو بینہ کی طرح کی؟ بلکہ کسی کی طرح کی بھی نہیں، وہ بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

عجیب بے ڈھنگی سی کوئی سنگھار کر کے خوبصورت دکھائی دیتا ہے مگر وہ اور زیادہ بد صورت دکھائی دینے لگی تھی۔

"میں دلہن کیوں نہیں لگ رہی؟" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور الماری سے سرخ سوٹ کا دوپٹہ اٹھا کر اپنے سر پر ڈال لیا۔

"دلہن تو سرخ رنگ میں ہی اچھی لگتی ہے۔" ایک بار پھر وہ شیشے کے مقابل ہوئی تھی، مگر شیشہ تو ابھی بھی خاموش اس کا منہ چڑا رہا تھا، وہ کتنی ہی دیر خود کو دیکھتی رہی، آہستہ آہستہ اس کے اندر وحشت بھرنے لگی وہ ایکدم چیخ کر چیخ پڑی۔

"تم جلتے ہو مجھ سے جبھی تو اتنا بدصورت دکھاتے ہو۔" اس نے کریم سے بھری بوتل

اٹھائی اور کھینچ کر شیشے پر دے ماری ایک سیکنڈ میں شیشے کے ہزاروں ٹکڑے ہوئے تھے، لب بھینچے وہ پیچھے ہٹی اور وہیں زمین پر بیٹھ کر چیخ چیخ کر رونے لگی، غصے میں خود پر لادے تمام زیورات نوچ نوچ کر اتار کر دور پھینکنے لگی جب سب کچھ اتار چکی تو گھٹنوں میں منہ دیئے وہ سسکنے لگی۔

''مولا سب میں اتنی اتنی خوبصورتی بانٹی اس میں سے ذرا سا چھینٹا میری طرف بھی مار دیتا تو تیری شان میں کیا کمی آ جاتی۔'' غصے میں نجانے وہ کیا کیا اول فول بکنے لگی تھی، کتنی ہی دیر وہ اپنی قسمت پر شکوہ کناں ہوتی رہی، جب غم حد سے سوا ہونے لگا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بس اب مجھے یہاں اکیلے نہیں رہنا۔'' اس نے سیل فون کی تلاش میں نظر دوڑائی جو اسے صوفے پر پڑا نظر آیا وہ لپک کر اس کے نزدیک آئی اور جھک کر سیل فون اٹھا لیا، اس نے سعدیہ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

اس نے مسلسل دو بار کال کی مگر اس کی کال پک نہیں کی گئی تھی، وہ غصے اور غم میں اس قدر پاگل ہو رہی تھی کہ اسے احساس ہی نہیں رہا تھا، پاکستان میں اس وقت آدھی رات ہو رہی ہوگی، سعدیہ سو رہی ہوگی، اس نے ایک بار پھر کال کی، تیسری بیل پر سعدیہ نے فون پک کر لیا تھا۔

''آپی اس وقت کال سب خیر تو ہے؟'' نیند میں ڈوبی اس کی پریشان سی آواز سنائی دی تھی، عائزہ نے اس کی بات کا جواب دیئے بنا کہا۔

''میری اماں سے بات کراؤ۔''

''مگر آپی امی اس وقت سو رہی ہیں۔'' وہ آنکھیں مسلتی اٹھ بیٹھی تھی۔

''میں نے کہا ابھی اور اسی وقت میری اماں سے بات کرواؤ تمہیں سنائی نہیں دیا کیا۔'' زندگی میں پہلی بار وہ اس پر بری طرح چلائی تھی، سعدیہ بری طرح گھبرا کر بستر سے اتر آئی۔

''جی آپی میں بات کرواتی ہوں۔'' وہ خاموش رہی، چند سیکنڈ بعد اس کی سماعتوں سے فوزیہ کی آواز ٹکرائی تھی اس کے رکے آنسو پھر سے بہنا شروع ہو گئے، مسلسل رونے کی وجہ سے اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

''اماں میں پاکستان واپس آ رہی ہوں۔''

''تمہارے پاس، اپنوں کے پاس۔'' آنسوؤں کی روانی میں اضافہ ہوا تھا۔

''ایں رات کے اس پہر تیرا دماغ تو خراب ہوا ہے کیا؟'' فوزیہ نے تیز لہجے میں پوچھا تھا۔

''دماغ خراب نہیں ہوا ہے اماں مگر مزید یہاں رہی تو ضرور خراب ہو جائے گا، بس میں اسی ہفتے واپس آ رہی ہوں۔'' اس کا انداز ہٹیلا تھا۔

''تو پاگل ہو گئی ہے جو واپس آئے گی، احسان کہاں ہے اس سے بات کرواؤ میری، لگتا ہے اس کے ساتھ جھگڑا ہوا ہے تمہارا۔'' اس بار فوزیہ کی آواز سے پریشانی جھلکی تھی، عائزہ سسک اٹھی۔

''وہ نہیں ہے اماں۔''

''نہیں ہے سے کیا مراد ہے تمہاری۔'' اس کی بات اس کے پلے ہی نہیں پڑی تھی۔

''مطلب یہ ہے اماں وہ میرے ساتھ تو نہیں رہتے، پہلے دن یہاں لا کر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔''

''چھوڑ دیا؟ مگر کیوں اور یہ بات تم آج مجھے بتا رہی ہو؟'' وہ حد درجہ حیران و پریشان ہو رہی تھی۔

تب عائزہ نے شروع دن سے لے کر احسان کے چھوڑ دینے تک کے تمام حالات اس کے گوش گزار کر دیئے، جسے سن کر فوزیہ کتنی ہی دیر

بولنے کے قابل ہی نہیں رہی تب عائزہ مزید بولی تھی۔

''اماں جب تک میں برداشت کر سکتی تھی میں نے کیا، مگر اماں اب اکیلے رہا نہیں جاتا یہ اکیلا پن، اپنوں سے دوری مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے، یہاں میرا کوئی نہیں ہے اماں میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی، تب فوزیہ کی ٹھہری ہوئی پریشان آواز سنائی دی تھی۔

''مگر عائزہ تم اس طرح کیسے واپس آ سکتی ہو۔'' وہ ایکدم دنگ رہ گئی، بہتے آنسو رک گئے، اس کے ساتھ گزرے سانحے پر اس کی سگی ماں نے کوئی اظہار افسوس کوئی ہمدردی بھرا جملہ بول کر اس کی تسلی نہیں کرائی تھی، اسے کوئی دلاسہ نہیں دیا تھا۔

''میں واپس کیوں نہیں آ سکتی اماں۔'' وہ وہیں صوفے کے پاس زمین پر بیٹھتی استفہامیہ بولی تھی۔

''احسان نے تمہیں طلاق نہیں دی ہے عائزہ، تم ایسے یہاں آ سکتی ہو، تم اس کی بیوی ہو اگر ایسے میں تم یہاں آ بھی جاتی ہو تو آنے کا کیا فائدہ۔''

''وہ مجھے طلاق دینے کو تیار ہے اماں میں طلاق لے کر واپس آ جاتی ہوں۔'' ڈوبتا دل تھوڑا سنبھلا تھا۔

''ہرگز نہیں طلاق کا دھبہ ہمارے خاندان میں مت لگانا، ہمارے ہاں لڑکیاں شوہروں کے ساتھ ہی رہتیں ہیں پھر وہ چاہے انہیں کسی بھی حال میں رکھے۔'' اس کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

''مگر اماں وہ مجھے ساتھ رکھے تب ناں، اس نے تو پہلے ہی دن مجھے خود سے الگ کر دیا تھا۔'' اس کی آواز میں بے چارگی گھلی تھی۔

''میں یہ سب نہیں جانتی اور ویسے بھی گو کہ تمہارے ابا اب پہلے سے کافی بہتر ہے مگر تمہارے ابا پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے ہیں تمہاری خواہش کے مطابق ان کا علاج مہنگے ہسپتال سے ہو رہا ہے، تم جس مقصد کے لئے یہاں آئی تھی تمہارا وہ مقصد ابھی تو پورا نہیں ہوا ہے عائزہ، سعدیہ کا داخلہ میڈیکل کالج میں پچھلے ہی مہینے کروایا ہے اور سعد بھی انجیئرنگ یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے، تمہیں معلوم ہے ناں وہاں کے کتنے خرچے ہوتے ہیں، اتنی مہنگی مہنگی فیس ہر مہینے جمع کروانی پڑتی ہیں اور پھر صدف اور ثمن اور ابھی تو گر میں بھی کچھ جمع نہیں کر پائی کہ تم یہاں آ جاؤ تو ہمیں پیسوں کی فکر نہ ہو اور ہم آرام سے زندگی گزار سکیں اور.....'' وہ مزید بھی کچھ بول رہی تھی مگر عائزہ ان کی بات کاٹتی دکھ سے بولی۔

''اماں مجھ سے زیادہ تمہارے لئے پیسہ اہم ہے، پیسے تو میں تمہیں وہاں بھی کما کر دیتی تھی، اتنی بڑی بڑی امیدیں جو تم لگائے بیٹھی ہو اگر میں مر گئی تو کیا ہو گا ان سب کا؟''

''میں نے امیدیں نہیں لگائیں عائزہ، میں تو وہ سب تمہیں یاد کرا رہی ہوں جس کی خواہش تم نے ہمیں کرنا سکھائی، تم جذباتی ہو رہی ہو اور کچھ نہیں ہے۔''

''جو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں اسے سمجھو، یہاں تو وہی کچھ ہو رہا ہے جس کی خواہش تم نے کی تھی، ہم یہاں تمہارے خوابوں کو پورا کر رہے ہیں، وہی خواب جو تم نے اپنے بہن بھائیوں کے لئے دیکھے، اگر تم اس طرح واپس آ جاؤ گی تو تمہارے خواب ٹوٹ جائیں گے اور ٹوٹے ہوئے ادھورے خواب کبھی مکمل نہیں ہوئے عائزہ۔''

''خواب تو ہوتے ہی ٹوٹنے کے لئے ہیں

اماں۔" اس نے افسردگی سے کہا تھا۔
"تو تم چاہتی ہو خواب ٹوٹ جائیں؟"
اس نے پوچھا مگر اس بار وہ کچھ نہیں بول پائی تھی، جب فوزیہ مزید گویا ہوئی تھی۔
"تمہارا اس طرح یہاں آ جانا مسئلے کا حل نہیں ہے عائزہ، میں کلثوم سے بات کرتی ہوں، وہ احسان سے بات کرے گی، وہ تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھے تاکہ تم اکیلی نہ رہو، ہمارے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اب کیا کیا جا سکتا ہے، تم وہاں دوست بناؤ اتنا بڑا ملک ہے اپنا اکیلا پن تم خود بھی تو دوا کر سکتی ہو۔" اس کی بات پر وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔
"یہ مشینی ملک یہاں کسی کو کس کی فکر اماں اور رہے دوست، جب تم سگے پیسے کو اس قدر اہمیت دے رہے ہو تو سوچو غیروں کا کیا حال ہو سکتا ہے دوست بھی بنا کے دیکھ چکی ہوں مگر وہ بھی بس پیسے کے یار نکلے۔" اس کی سوچ کا اپنا ہی دائرہ تھا اور اپنی سوچ میں اس قدر پختہ ہو چکی تھی کہ اپنی سوچ سے ہٹ کر کچھ اچھا سوچنا بھی چاہتی تو نہ سوچ پاتی تھی۔
"میں جذباتی ہوں ناں اماں۔" ماں کے رویے ملے وہ مزید دکھی ہو گئی تھی، وہ اس کے متعلق غلط سوچ رہی تھی، فوزیہ نے اس کی تصحیح کرنا چاہی تھی۔
"دیکھو عائزہ۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر عائزہ نے روک دیا۔
"چھوڑو اماں، اپنا خیال رکھنا خدا حافظ۔"
اس نے مزید کچھ سنے رابطہ منقطع کر دیا۔
"کیا فائدہ بحث کا جب کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔" وہ رات اس نے روتے بلکتے گزاری تھی، اس کے پاس اب اس کا کوئی ہمدرد موجود نہیں تھا۔

"تم اپنی ہر پریشانی میں مجھے اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گی۔" اس وقت اسے پہلا خیال ابراہیم ہی کا آیا تھا، مگر اس وقت وہ اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی، رات کافی ہو چکی تھی۔
مگر ہر تاریک رات کی ایک صبح ہوتی ہے وہ رات خواہ جتنی بھی تاریک ہو لیکن ضرور ہوتی ہے مگر رات گزر ہی جاتی ہے کہ اسے گزر ہی جانا ہوتا ہے، جیسے بھی صبح جس بھی حالات میں اس نے بھی وہ رات گزار دی تھی۔
دن کا اجالا پھوٹتے ہی اس نے بیگ اٹھایا اور گھر لاک کرتی ابراہیم کے فلیٹ پر آ گئی، جہاں وہ اتنی صبح اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔
"عائزہ تم یہاں، اس وقت؟" وہ شاید ابھی نیند سے بیدار ہوا تھا جبھی نیند کے خمار میں ڈوبی آنکھیں اسے اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔
"میں اندر آنا چاہتی ہوں ابراہیم۔" رات بھر رونے کی وجہ سے اس کی آواز حلق میں دب کر رہ گئی تھی یہی وجہ تھی اسے بولنے کے لئے خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔
"ہاں ہاں آؤ اندر آ جاؤ۔" وہ فوراً دروازے سے ہٹا تھا، وہ اندر آ گئی تو ابراہیم دروازہ بند کرتا اس کے پیچھے چلا آیا۔
"کچھ بتاؤ گی عائزہ؟" وہ جاننے کا متمنی تھا۔
"میں کسی کھلی جگہ بیٹھنا چاہتی ہوں، یہاں ان بند کمرے میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔" اس نے بند کمرے کی طرف اشارہ کرکے جیسے اس سے درخواست کی تھی، وہ اسے اپنے ساتھ لئے ٹیرس پر آ گیا، وہ کچھ بتا کے نہیں دے رہی تھی اسے پریشانی ہوئے جا رہی تھی۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے اسے بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی تھی، بنا کچھ کہے اس نے میز پر ایک طرف اپنا بیگ اور موبائل رکھا اور اس کے پیش کی کرسی پر بیٹھ گئی، تو وہ خود بھی میز کی دوسری طرف پڑی کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تم اس طرح خاموش رہ کر مجھے مسلسل پریشان کر رہی ہو عائزہ، تم کیا چاہتی ہو تمہیں بولنے پر آمادہ کرنے کے لئے میں تمہاری منت کروں، اگر ایسا ہے تو میں تمہاری منت کرنے کے لئے بھی تیار ہوں، خدا کا واسطہ ہے تم کچھ تو بولو۔'' اس نے باقاعدہ منت کر ڈالی، وہ حقیقتاً پریشان دیکھائی دے رہا تھا۔

اس کی توجہ میں توجہ کے سبھی رنگ نمایاں تھے، وہ کچھ بولی نہیں تھی وہ بول ہی نہیں پا رہی تھی، وہ سسک اٹھی تھی ابراہیم مزید پریشان ہو گیا۔

''یار کچھ تو بولو، تم اس طرح روتی رہو گی تو مجھے کیسے کچھ پتا لگے گا، کیا آسیہ نے کچھ کہا ہے۔'' آخر میں وہ خود سے اندازے لگانے لگا تھا۔

''آسیہ کا کچھ کہنا اتنا دکھ نہ دیتا، جتنا اپنوں کے رویوں نے دکھ پہنچایا ہے۔'' اپنی سسکیوں کو دباتی بالآخر اس نے خاموشی کو توڑ ہی دیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ اب بھی سمجھ نہ سکا تھا۔

تب عائزہ نے فوزیہ سے ہوئی ساری گفتگو اس کے گوش گزار کی، جسے سن کر ابراہیم چند پل کے لئے خاموش رہ گیا تھا، عائزہ ابھی بھی رو رہی تھی اس نے بڑی غور سے اسے دیکھا تھا۔

''بدگمانیوں کی چادر میں لپٹی روتی بلکتی مضمحل سی عائزہ کمال۔''

اسے دیکھ کر اس نے اپنے ذہن میں کوئی ایک ایسا پل یاد کرنا چاہا تھا جس میں اس نے کبھی عائزہ کمال کو مسکراتے دیکھا ہو۔

مگر وہ اپنی اس کوشش میں بری طرح ناکام ہوا تھا، وہ ہمیشہ روتی اور دوسروں سے بدظن دیکھائی دیا کرتی تھی آج بھی ہمیشہ کی طرح وہ رو رہی تھی اپنی ماں سے بدظن ہو رہی تھی گہرا سانس کھینچتے ہوئے اس نے اپنی اس وقتی خاموشی کو توڑا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا عائزہ، زندگی کے اس مقام پر آ کر تم خودغرض ہو رہی ہو۔'' اس کی کہی بات ٹوٹے شیشے کی نوک کی طرح اسے چبھی تھی وہ جیسے تڑپ اٹھی۔

''خودغرض اور میں؟''

''ابراہیم یہ تم مجھے کہہ رہے ہو۔'' اس نے بڑی بے یقینی سے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ہاں تم۔'' ابراہیم نے اقرار میں سر ہلایا تھا، پھر کچھ توقف کے بعد مزید گویا ہوا۔

''تمہیں نہیں لگتا تمہارا ہر وقت اس طرح غلط سوچتے رہنا، اس طرح روتے رہنا اپنوں سے بدگمان ہونا غلط ہے۔'' اس نے استفہامیہ اسے دیکھا تھا، عائزہ رونا بھول کر حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آج وہ اسے یہ کیا کہہ رہا تھا، وہ جو اسے اچھی طرح جانتا تھا، اس کے تمام حالات سے باخبر تھا۔

''ہاں عائزہ مانتا ہوں تمہارے ساتھ جو ہوا غلط ہوا، مگر تم اسے سدھار بھی تو سکتی ہو، زندگی کو اپنے لئے دشوار تم نے خود بنایا ہے تو پھر اب روتی کیوں ہو۔'' وہ اس کی باتوں کو سمجھ ہی نہیں رہی تھی جبھی حیرت سے ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''تمہاری اماں نے جو کچھ تمہیں کہا اگر تم ٹھنڈے دماغ سے اس کو سوچو تو وہ غلط نہیں عائزہ کمال، تمہارا خاندان وہ ہے جس نے ہمیشہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے ہیں، یہاں آنے سے پہلے

جو تم نے انہیں دیا انہوں نے اسی میں جینا سیکھ لیا تھا تم نے ان کے لیئے کچھ خواب دیکھے ان کو پورا کرنے کی خواہش کی تکمیل کی آرزو تمہیں پاکستان سے یہاں لے آئی، پھر وہی کچھ ہونے لگا جو تم نے چاہا تھا، اب جب وہ لوگ ان خواہشوں کو پورا کر کے جینا سیکھنے ہی لگے ہیں کہ تم واپس جانا چاہتی ہو۔''

''ایک ایسی پوائنٹ کو لے کر تمہاری ماں نے تمہیں سمجھانا چاہا تو تم انہیں سے بدگمان ہوگئی، ایک پل کو سوچ کر دیکھو اگر تم سب چھوڑ کر واپس چلی جاتی ہو تو سب کچھ ادھورا رہ جائے گا، زندگی جہاں سے چلی تھی واپس ایسی مقام پر لوٹ جائے گی، پھر جانتی ہونا کیا ہوگا؟'' ایک پل کو خاموش ہو کے اس نے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے جاننا چاہتا ہو اس کی باتیں اس کی سمجھ میں آ بھی رہی ہے یا نہیں، مگر اس سے اس کے چہرے پر سجے جامد تاثرات کو دیکھ کر اس نے مزید بولنا شروع کیا۔

''چلو یہ سب جانے دو تم واپس جانا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے تم واپس چلی جاؤ، مگر یہ تمہاری خود غرضی ہوگی ناں، تم اپنے لیئے واپس جانا چاہتی ہو، ہمیشہ تم نے دوسروں کا خیال کیا ان کے لیئے سوچا تو اب اس مقام پر آ کر اس طرح کیوں؟ کیونکہ تم یہاں تنہا نہیں رہ سکتی اسی لیئے تم واپس اپنوں میں لوٹ جانا چاہتی ہو، تم واپس جا سکتی ہو عائزہ کمال کیونکہ تمہارے اپنے موجود ہیں، مگر ان کا کیا جن کا کوئی اپنا ہی نہ ہو۔'' وہ سرعت سے اس کے سامنے سے اٹھ کر ریلنگ کی طرف مڑ کر باہر جھانکنے لگا تھا، عائزہ کی خاموش نظروں نے وہیں تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

''دوسروں کی توجہ پانے کے لیئے تم کچھ بھی کرتی ہو، احسان نے تمہیں چھوڑ دیا تم کو برا لگتا ہے، مگر یار تنہائی بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے اگر بھی اس سے دور بھاگے گے تو یہ خود کہاں جائے گی۔''

وہ واپس اس کے سامنے آن بیٹھا تھا۔

''میں نے اپنا آپ کبھی کسی پر نہیں کھولا عائزہ، مگر آج جس طرح تم اپنی سگی ماں سے بدگمان ہو رہی ہو مجھے سخت برا لگ رہا ہے، وہ تمہاری ماں ہے عائزہ کمال، وہ ماں جس کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔'' وہ نظر جھکائے جیسے آنسو پینے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میری ماں نہیں ہے، میں نے کبھی اپنی ماں کو نہیں دیکھا۔'' وہ بہت سنجیدگی سے اپنی ذات کا کچھ خاص اسے بتانے جا رہا تھا، عائزہ خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

''بہت چھوٹا تھا میں شاید اتنا چھوٹا کے ماں تک بولنا نہیں آتا تھا تبھی ماں مجھے چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملی، بابا ماں کی جدائی برداشت نہ کر سکے اور وہ بھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، پیچھے میں رہ گیا اور مجھ سے بڑے بھیا، جیسے تیسے زندگی گزار کر بڑے ہو ہی گئے، تایا ابا نے ہماری پرورش کی بڑے بھیا کی جاب لگتے ہی انہوں نے اپنی بیٹی سے ان کی شادی کر دی اور اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے، میں ہمیشہ سے ان سب سے الگ تھلگ رہا تھا مزید اکیلا ہو کر رہ گیا، تب نصیب مجھے یہاں تک کھینچ لائے اور پھر میں یہی کا ہو کر رہ گیا۔''

''بتاؤ اس پوری زندگی میں کب کہاں کون سا ساتھی مجھے ملا؟'' اس نے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا تھا جو دم سادھے بیٹھی تھی۔

''میں نے کبھی چاہا ہی نہیں کی کوئی ساتھی مجھے ملے، میں کیوں خود کو کسی کے ساتھ کا عادی بناؤں جب میرا کوئی ہے ہی نہیں۔'' اس کے لفظوں میں دکھ بھرا تھا مگر وہ اس طرح ہم کلام تھا

جیسے اسے اس سب کی فکر ہی نہ ہو۔

"تم خود کو ہمیشہ بد نصیب کہتی ہو عائزہ، کیا مجھ سے زیادہ کوئی بد نصیب ہو سکتا ہے جس نے پوری زندگی میں اپنا کوئی رشتہ دیکھا ہی نہیں، تمہارے ماں باپ ہیں، بہن بھائی ہیں، تم ہمیشہ سے ان کے سائے میں رہی ہو، مگر میں..... تم تو خوش نصیب ہو عائزہ کہ تم اپنی فیملی کے لئے زندگی گزار دینے کے لئے جی رہی ہو، وہ اگر تم سے کوئی امید کر بھی رہے ہیں تو یہ ان کا حق ہے وہی حق جو کچھ سال پہلے تک تم خود بھی خوشی خوشی پورا کرتی تھی، مگر یہ سب تمہیں اب کیوں بوجھ لگنے لگا ہے یار۔" وہ بول بول کر جیسے تھکنے لگا تھا، مگر وہ بھی جیسے چپ کا روزہ رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کاش مجھ پر اتنی ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا، میں خوشی خوشی اپنی زندگی ان کے لئے تیاگ دیتا کہ زندگی گزارنے کا کوئی تو جواز ہوتا میرے پاس، مگر اب جب میں اتنا کماتا ہوں تو بتاؤ یہ سب کس کے لئے ہے، میرا کوئی نہیں تو کیا میرا زندگی گزارنا میرا زندہ رہنا فضول ہے، کیا میں مر جاؤں؟" اس کی آنکھوں میں نمی چھلکنے لگی تھی، مگر وہ کہہ رہا تھا۔

"میں اکیلے پن سے گھبراتا نہیں ہوں، میں خود کو اکیلا سمجھتا ہی نہیں ہوں مگر جب بھی اپنوں کے ساتھ کی ہوک دل میں اٹھتی ہے تو لاوارث بچوں کے پاس چلا جاتا ہوں، یقین جانو عائزہ اپنی کمائی میں سے ان کو ذرا سا کچھ دیتا ہوں تو ان کے چہروں پر سجی خوشی اس قدر حسین محسوس ہوتی ہے کہ دل کرتا ہے اپنی پوری زندگی انہی کے لئے تیاگ دوں۔"

"تم نے جو قربانی اپنوں کے لئے دی ہے اسے نبھانا بھی سیکھو، باقی جس چیز سے تم گھبراتی ہو، دور بھاگتی ہو جانتا ہوں اسے میں۔" بھیگی آنکھوں کے ساتھ جب اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو یک ٹک اسے اپنی طرف دیکھتے پایا۔

اس نے آگے کو جھک کر اپنے سامنے پڑا اس کا موبائل اٹھایا اور ذرا دیر دیکھنے کے بعد واپس اسی جگہ رکھ دیا۔

"زندگی نے واقعی تمہارے ساتھ تھوڑا غلط کیا ہے مگر حوصلہ رکھو اور اپنے اس یقین کو جو عرصہ ہوا تمہارا خدا پر سے اٹھ گیا اسے سلامت رکھو اور اپنے یقین کو مضبوط کر لو جو غلط ہوا ہے سب وقتی ہے جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کے لہجے میں یقین سمٹ آیا تھا۔

آج جو کچھ ابراہیم نے اسے کہا تھا اس نے اس کی بولتی بند کر کے رکھ دی تھی، کیا واقعی وہ اس قدر غلط تھی، خود غرض ہو رہی تھی، وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہی تھی جبھی بیگ اور موبائل اٹھائے اٹھی اور جیسے آئی تھی ویسے ہی واپس چلی گئی۔

اس کی ذہنی حالت اس وقت جس قدر ابتر ہو رہی تھی وہ اس سے واقف تھا، اسی لئے اسے جانے سے نہیں روکا تھا تا کہ اکیلے میں وہ خود اپنا محاسبہ کر سکے اور شاید خود اپنا محاسبہ کر کے خود کو سدھار سکے۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے اس نے دوبارہ ابراہیم سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، نجانے کیوں اس کے قدم اپنی جگہ جم سے گئے تھے ہر قسم کے احساسات برف سے محسوس ہوتے تھے، اس کی کہی ہر بات پر اس کا دل ایمان لے آیا تھا مگر وہ خود تھی کہ مان کے نہیں دے رہی تھی، یا پھر شاید ابھی وہ وقت ہی نہیں آیا تھا۔

آج آفس میں زیادہ کام نہیں تھا جبھی فراغت کے لمحات میسر آئے تو اس نے فیس بک

جانے کا سوچا اور اپنے سامنے رکھے کمپیوٹر سے فیس بک پر آن لائن ہو گئی، آج کافی دنوں بعد وہ فیس بک پر آئی تھی کافی زیادہ نوٹیفکشن اس کے پڑھے جانے کے منتظر تھے، اس نے پہلے تمام فرینڈز ریکوئسٹ کو اپنے پاس ایڈ کیا پھر ان باکس میں آئے تمام میسج کو پڑھ کر ان کا جواب دینے کے بعد اس نے تسلی سے نوٹیفکشن ریڈ کرنا شروع کیے۔

عقیلہ نے اسے کلوز فرینڈ نامی ایک گروپ میں انوائیٹ کیا ہوا تھا، آج سے پہلے اس نے کبھی کسی گروپ کو جوائن نہیں کیا تھا مگر اب کچھ سوچ کر اس نے اس گروپ پر کلک کر دیا۔

اوپن گروپ اس کے سامنے تھا اس نے وہاں کا وزٹ کرنا شروع کر دیا، جیسے جیسے وہ سب کے کومنٹس دیکھتی گئی اس کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اگر اس گروپ کا نام کلوز فرینڈ گروپ رکھا گیا تھا تو بہت چن کر رکھا گیا تھا یہاں ہر فرد ایک بیسٹ فرینڈ کی طرح آپس میں گفتگو کر رہا تھا، اس نے عقیلہ عدیلہ اور آسیہ وغیرہ کے کمنٹس بہت دیر تک پڑھے تھے وہ سبھی آپس میں اس قدر کلوز ہو کر گفتگو کر رہی تھیں کہ اس کے اندر ابال سے اٹھنے لگے۔

''بھوکی، دھوکے باز لڑکیاں ہمیشہ مجھ سے لیتی رہی آج جب میں نے دینا چھوڑ دیا تو کیسے گروپ بنا کر سر عام لگاوٹ بھری باتیں کر رہی ہیں، کہیں کسی کی باتوں میں میرا ذکر تک نہیں ہے۔'' اس کا موڈ بگڑنے لگا تھا۔

آسیہ پر اگر اسے غصہ آ رہا تھا تو عقیلہ انتہائی بری لگ رہی تھی، اسے لگا ان لوگوں نے جان بوجھ کر اسے اس گروپ میں شامل کیا ہے تاکہ وہ ان کی دوستی دیکھ دیکھ کر جلے۔

وہ جس طرح کی سوچ کی مالک تھی اس کے مطابق وہ اسی طرح کی باتیں سوچ سکتی تھی، اس کا غصہ بڑھنے لگا تو اس نے بنا سوچے سمجھے وہاں ان سب کے نام ایک پوسٹ لگانے کا فیصلہ کیا، جس میں اس نے صاف صاف لفظوں میں لکھا تھا۔

''کیسی ہیں آپ سب؟ بہت معذرت کے ساتھ ایک بات آپ سب پر واضح کر دوں میں کسی بھی گروپ میں شامل نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے کسی گروپ کا حصہ بننا ہے، مجھے یہ سب کام بالکل بھی پسند نہیں ہے یہ گروپ بندیاں آپ ہی لوگوں کے کام ہیں میرے نہیں، اس لئے آئندہ کے بعد مجھے کسی بھی گروپ میں شامل نہ کیا جائے، امید کرتی ہوں میری بات آپ لوگوں کی سمجھ میں آ گئی ہو گی، اب اجازت چاہوں گی خدا حافظ۔''

عائزہ کمال

وہ ایک بار پھر اپنی دوستوں سے بدظن ہو رہی تھی وہ ان کی اس حرکت کے متعلق اچھا بھی تو سوچ سکتی تھی ناں، مگر اس نے ایسا نہیں سوچا تھا، فیس بک لوگو آوٹ کر کے کمپیوٹر آف کر دیا۔

''اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس کر دیا۔'' پیشانی پر بل ڈالے وہ نجانے کتنی ہی دیر بڑبڑاتی رہی تھی۔

آفس سے واپسی پر اس کی گاڑی ایک جگہ رکی تھی جتنی دیر گاڑی وہاں کھڑی رہی وہ کھڑکی کے پاس بیٹھی باہر کے نظارے دیکھتی رہی گاڑی چلنے کو تیار ہوئی تو ایکدم اس کی نظر ایک یتیم خانے کے بڑے سے سائن بورڈ پر پڑی، اس کے ذہن میں ایکدم کچھ ہوا تھا۔

''جب بھی مجھے کسی رشتے کی طلب محسوس ہوتی ہے بس لاوارث بچوں کے پاس چلا آتا ہوں، یقین جانو اپنے ذرا سے عمل کے نتیجے میں

ان کے چہرے پر اتنی خوشی دیکھ کر جتنا سکون محسوس ہوتا ہے اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، کبھی فرصت ملے تو ان بچوں کے لئے سوچ کر دیکھنا جنہوں نے آنکھ ہی لاوارث خانے میں کھولی۔''

اس وقت اس نے اس کی باتوں پر زیادہ سوچا نہیں تھا مگر اس وقت اس کا دل چاہا وہ ان بچوں سے مل کر دیکھے، اس نے تیزی سے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا کہا۔

گاڑی رکی تو وہ اسی جگہ اتر گئی، ڈرائیور نے اسے کہا بھی اگر وہ جلدی واپس آ جائے تو وہ اس کا انتظار کر سکتا ہے مگر اس نے اسے منع کیا تو وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

بیگ کندھے پر ڈالتے اس نے یتیم خانے کی طرف قدم بڑھا دیئے، یتیم خانے کے ساتھ ہی ایک بیکری تھی اس نے اندر جانے سے پہلے وہاں سے بچوں کے لئے کچھ سامان خریدا اور یتیم خانے میں داخل ہو گئی، اندر داخل ہو کر اس نے ریسپشن پر کھڑی گرل سے یتیم خانے کے بچوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، تو اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''سوری میم ہم اس طرح کسی کو بھی بچوں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتے، بچوں سے ملنے کے لئے آپ کو پہلے یہاں کی انچارج سے اجازت لینا ہو گی۔''

''ان سے اجازت کیسے ملے گی؟'' اس نے استفسار کیا۔

''میں آپ کی آمد کی اطلاع انہیں دیتی ہوں پھر جیسے وہ کہے گی آپ ویسے کر لیجیے گا۔'' اس لڑکی نے مسکرا کر کہا اور انٹر کام اٹھا کر انچارج سے بات کرنے لگی اس نے جب انہیں اس کی آمد کی اطلاع دی تو شاید انہوں نے اسے اپنے آفس میں بھیجنے کو کہا تھا تبھی اس لڑکی نے بات کے اختتام پر اس کو اندر جانے کی اجازت دیتے ہوئے آگے کا راستہ سمجھایا۔

اجازت ملنے پر وہ اندر کی طرف بڑھی اور اس لڑکی کے بتائے راستے پر چلنے پر وہ اب ہیڈ آفس کے سامنے کھڑی تھی، بنا کسی جھجک کے وہ اندر داخل ہو گئی، وہاں کی انچارج ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں جو اسے دیکھ کر خوش اخلاقی سے مسکرائی تھی۔

''میں عائزہ کمال۔'' اس نے اپنا تعارف پیش کیا۔

''صبیحہ نواز۔'' جواباً انہوں نے بھی اپنا تعارف پیش کیا تھا۔

''آپ یہاں کے بچوں سے کس سلسلے میں ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔'' انہوں نے ناک پر رکھی موٹے عدسوں والی عینک کو انگلی سے اوپر کرتے ہوئے اس سے وجہ دریافت کی تھی۔

''کوئی خاص وجہ نہیں میں بس ان بچوں سے ملنا چاہتی تھی ان کے لئے کچھ سامان لائی تھی جو ان کو دینا چاہتی تھی، اگر آپ مجھے ان سے ملنے کی اجازت دیں تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔'' میز کی اس طرف پڑی کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے شاپرز اس نے میز پر رکھ دیئے۔

''میں آپ کو ضرور اجازت دوں گی۔'' انہوں نے بیل بجا کر باہر موجود ایک دوسری لڑکی کو بلایا اور جب وہ آ چکی تو انہوں نے اس لڑکی کو اسے بچوں کے پاس لے جانے کو کہا، تو وہ میز پر رکھے شاپرز اٹھا کر اس لڑکی کی معیت میں آفس سے باہر آ گئی، ان کا رخ سامنے کی طرف تھا۔

وہ ناک کی سیدھ میں اس لڑکی کے پیچھے چلتی رہی، راستے میں کچھ اور بھی کمرے موجود تھے جن کی ونڈوز سے جھانکتے بہت سے بچے

اسے اشتیاق بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
وہ لڑکی اب انہی کمروں میں سے ایک کمرے کے باہر رک گئی تھی، اس نے رک کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔
''آپ اندر چلی جائیں۔'' اسے کہہ کر وہ واپسی کے لئے پلٹ گئی، اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ کچھ دیر دروازے کے اس طرف یونہی بے مقصد کھڑی رہی تھی، پھر وہ اندر داخل ہو گئی۔
کمرے میں بچوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں مگر جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی سبھی بچے اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے، شاید کسی نئے چہرے نے انہیں خاموش ہونے پر مجبور کیا تھا، آہستہ روی سے چلتی وہ ان کے قریب چلی آئی۔
وہ سب بچے تقریباً ایک ہی عمر کے تھے، ان بچوں کی عمر سات سے آٹھ سال کے قریب قریب تھی، اس نے غور سے ان سبھی بچوں کی طرف دیکھا جن کی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑے شاپرز پر تھی۔
''آپ لوگوں کو چاہیے؟'' اس نے مسکرا کر ان سے پوچھا تھا۔
''جی ہاں۔'' سبھی بچے بیک وقت یک زبان ہو کر بولے تو وہ وہیں ان کے درمیان زمین پر بیٹھ گئی، بچے اشتیاق بھرے انداز میں اس کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے، اس نے شاپرز میں سے چیزیں نکال نکال کر انہیں دینا شروع کر دی، بچے انتہائی شوق و جذبے کے ساتھ اس سے اپنی من پسند چیزیں وصول رہے تھے۔
''آنٹی مجھے مصالحے والی سلانٹی دیں، مجھے پیسٹری، مجھے بسکٹ۔'' ملی جلی آوازوں میں فرمائشیں کی جا رہی تھیں۔
وہ پوری کوشش کر رہی تھی ان سب کی فرمائشیں پوری کر سکے، مگر آخر میں اس کے پاس بسکٹ کے بجائے پیسٹری بچ گئی، جبکہ سامنے کھڑے بچے کو بسکٹ کی طلب تھی۔
''آنٹی مجھے بسکٹ چاہیے تھا۔'' وہ منہ بسورے کھڑا تھا۔
''مگر بیٹا میرے پاس یہ پیسٹری بچی ہے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی پیسٹری اٹھا کر اس کے سامنے کر دی، اسے لگا وہ اس سے ناراض ہو گیا، روئے گا اس پر چلائے گا، مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسی بچے نے کچھ دیر خاموش کھڑا رہنے کے بعد اس سے کہا۔
''کوئی بات نہیں میں پیسٹری بھی کھا لیتا ہوں آپ مجھے یہی دے دیں۔'' اس کے دل کو جیسے دھکا سا لگا تھا۔
''کبھی ان کے لئے سوچنا جن کا دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔'' ابراہیم کی دکھ میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔
''اپنی خواہش کے پورا نہ ہونے کے باوجود بھی وہ خوش تھا، اس نے ایک ایک کر کے سب بچوں کی طرف دیکھا، سبھی کے چہروں پر خوشی سجی تھی، وہ مگن سے کھانے میں مصروف تھے۔''
''یہ ننھے معصوم فرشتے اگر انہیں احساس ہو جائے یہ لاوارث ہیں تو۔'' اس کے ذہن میں ایک سوچ ابھری تھی جس نے اس کے دماغ کی بند کھڑکی پر بڑے زور سے دستک دی تھی۔
''لاوارث؟''
''تمہیں خدا شکر ادا کرنا چاہیے عائزہ کمال جس نے تمہیں ماں باپ، بہن بھائی دیئے جن کے ساتھ تم ہمیشہ سے رہو، یہ وقتی دوری کو اپنے لئے عذاب مت بناؤ اور شکر ادا کرو کہ تم لاوارث نہیں ہو، آج نہیں تو کل تمہیں اپنوں کی طرف لوٹ ہی جانا ہے تم ان سے مل سکتی ہو، مگر ان کا سوچو جو دنیا میں پیدا ہی لاوارث ہوئے ہیں، کسی ایک

نے تمہیں ٹھکرایا تو تم واویلا کرتی ہو، ان کا کیا جن کو دنیا میں کوئی اپنانے والا ہی نہیں ہے۔''
ابراہیم کی کہی باتیں اس کے سامنے جیسے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں، خود پر توجہ کی منتظر۔
''زندگی کے اس موڑ پر کر تم خودغرض بن رہی ہو عائزہ۔'' اس کا دل ایک دم خوف سے لبالب بھر گیا تھا، اس نے خوف زدہ نظروں سے ان بچوں کی طرف دیکھا۔
''لاوارث بچے۔''
اپنے لاوارث ہونے کا تصور کر کے ہی اس کی روح تک کانپ اٹھی تھی، یہاں اپنے آپ کو تنہا سمجھ کر وہ ہمیشہ روتی تھی چیختی تھی، لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اس نے غلط طریقے اپنا لئے تھے، وہ اس حد تک گر گئی تھی کہ دوسروں کی خوشیوں سے جلنے لگی تھی ان سے حسد کرنے لگی تھی مگر آج ان بچوں کو دیکھ کر اس کی شخصیت آئینہ بن کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔
وہ رونا چاہتی تھی مگر اس کے آنسو جیسے جم سے گئے تھے، لاکھ کوشش کے باوجود بھی اس کی آنکھ ذرا سی نم بھی نہ ہو سکی، اس نے تو ہمیشہ خود کو مظلوم سمجھا تھا مگر آج اس پر انکشاف ہوا وہ تو سب سے بڑی ظالم تھی جس نے خود اپنی ذات پر ظلم کیا۔
''انسان ہمیشہ اپنے سے بہتر کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہو کر خدا سے بدگمان ہونے لگتا ہے ہزاروں شکوے شکائتیں اسے خدا سے دور ہونے پر مجبور کر دیتی ہیں، اس وقت یہ انسان اپنے سے کمتر کو دیکھ کر اس خدا کا شکر ادا کیوں نہیں کرتا کہ اس نے اسے کمتر سے برتر بنایا ہے۔''
''انسان اتنا ناشکرا کیوں ہے؟''
کتنے ہی سبق تھے جو وہ اپنے اسٹوڈنٹس کو پڑھایا کرتی تھی مگر جب خود اس وقتی آزمائش نے اسے خودغرض بن جانے پر مجبور کر دیا۔
''میں دنیا میں سب سے بڑی ناشکری ہستی ہوں۔'' وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔
''میں وہ ناشکری ہوں جس نے ہمیشہ خدا سے دعا کی وہ اسے اس قابل بنا دے کہ وہ اپنے گھر والوں کی خواہش پوری کر سکے ان کے لئے کچھ خاص کر سکے اور جب خدا نے اسے اس قابل کیا تو وہ اپنے مقصد سے ہٹ کر اپنے لئے سوچنے لگ گئی۔''
''صرف اپنے لئے۔''
اور اپنے ہی لئے انہی اپنوں سے بدگمان ہونے لگی، وہ اپنے جن کے لئے جینے کے وہ دعویٰ کیا کرتی تھی اس نے تھک کر اعتراف کر لیا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے آج ان آنسوؤں میں گلے، شکائتیں اور محرومیاں نہیں تھیں، آج یہ آنسو ندامت کے تھے، شرمندگی کے تھے۔
وہ خدا سے ہمیشہ یہ شکایت کرتی رہی اس نے اسے خوبصورت کیوں نہیں بنایا، اس سے اس نے خدا کا شکر ادا کیوں نہیں کیا کہ اس نے اسے ہاتھ پاؤں سلامت دیئے، اسے کسی کا محتاج پیدا نہیں کیا تھا، اپنی بدگمانیوں کے چادر اوڑھے وہ خدا تک کو بھول گئی تھی، جبھی تو راستہ بھٹک گئی تھی، مگر وہ خدا ہے جو قادر مطلق ہے جو جب جہاں جیسے چاہے اپنے بندوں کے دلوں میں اپنی یاد تازہ کر دیتا ہے۔
اپنی کوتاہیوں پر آنسو بہاتی وہ شرمندہ سی نظر جھکائے بیٹھی تھی جب کسی بچے کی اس پر نظر پڑی تو ہمدردی سے اس کے قریب چلا آیا۔
''آنٹی جی آپ کے پاس سب کچھ ختم ہو گیا۔'' اس نے جیسے افسوس کیا مگر فوراً ہی اپنا ہاتھ آگے کیے کہنے لگا۔

''مگر آپ روئیں نہیں یہ میرے پاس تھوڑا سا کیک بچا ہے یہ آپ کھالیں۔'' وہ اپنی معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''دوسروں کی توجہ پانے کے لئے ان کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دو دیکھنا لوگ اپنی توجہ نواز نے خود تمہارے پاس آئیں گے۔'' پاس ہی کہیں جیسے ابراہیم نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی، وہ روتے میں مسکرادی۔

''نہیں بیٹا، میرے پاس سب کچھ ختم نہیں ہوا بلکہ آج تو میں نے اپنا کھویا ہوا سب پالیا۔'' اس نے انگلی سے بچے کے گال کو ٹچ کیا تھا، وہ اس کی بات سمجھ نہیں پایا تھا جبھی خاموشی سے اس کے پاس سے دور ہٹ گیا تھا، بچے اپنے میں ہی مگن تھے وہ خاموشی سے اٹھی اور وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

زندگی میں جیسے ٹھہراؤ سا در آیا تھا وہ ادھم مچاتی سوچیں جو اب تک اسے خوار کرتی رہیں تھیں سب جیسے حالت سکون میں آ گئی تھیں، روز و شب اعتدال سے گزر رہے تھے، ایک اس کی اپنی سوچ کیا بدلی زندگی حسین لگنے لگی تھی۔

آج کافی دنوں بعد اسے فرصت میسر آئی تو سب سے پہلے اس نے عظمیٰ سے بات کرنے کو سوچا تھا کیونکہ اس دوران عظمیٰ تین چار بار اسے بات کرنے کا پیغام بھیج چکی تھی مگر آفس کی مصروفیت اسے اس سے بات کرنے سے روکے ہوئے تھی، اب اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی وہ عظمیٰ کے سامنے تھی۔

''تم مجھے بالکل بھولتی جارہی ہو لڑکی کتنی بار کہا بات کرنے کو مگر مجال ہے جو تم نے بات کی ہو۔'' عظمیٰ نے شکوہ کیا تھا جس کے جواب میں اس نے مسکرا کر وضاحت پیش کی تھی۔

''ہر بار وہ بات مت کہا کرو جو ممکن نہ ہو، رہی بات، بات نہ کرنے کی تو اس کی وجہ سے تم خود بھی واقف ہو، باس اپنے آفس کی نئی برانچ کا آغاز کررہے تھے اسی سلسلے میں کام کا برڈن بڑھ گیا تھا، جس کی وجہ سے میں تم سے کیا بلکہ گھر والوں سے بھی بات نہیں کر پارہی تھی۔'' اس نے کچھ زیادہ ہی لمبی وضاحت پیش کردی تھی جس پر عظمیٰ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''اتنی لمبی وضاحتیں مت دو، میں وہاں موجود نہیں ہوں مگر وہاں کی ہر خبر سے واقف ہوتی ہوں۔'' اس نے معنی خیزی سے اسے چھیڑا تھا۔

''ہاں جی جانتی ہوں آپ کس قدر پہنچی ہوئی ہستی ہیں۔'' عائزہ نے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا، اس کے انداز پر عظمیٰ ہنس دی تھی پھر ایکدم کہنے لگی۔

''تم آج پھر زمین پر بیٹھی ہو۔''

''ہاں تو کیا ہوا؟'' اس نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔

''ٹھنڈ بہت ہے تم بیمار پڑ جاؤ گی۔'' اس نے اسے سمجھانا چاہا تھا، پھر وہ مزید کہنے لگی۔

''اگر تم نے زمین پر ہی بیٹھنا ہے تو ادھر صوفے کے قریب بیٹھ جاؤ کم از کم وہاں خالی فرش نہیں ہے کارپٹ تو بچھا ہوا ہے۔'' عائزہ نے اپنی نشست تبدیل کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو جوڑے اس کی انگلیاں آپس میں ملائے اس پر اپنا چہرہ ٹکا کر اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے زمین پر بیٹھنا اچھا لگتا ہے عظمیٰ، صوفے کارپٹ یا بیڈ پر بیٹھ کر مجھے سکون نہیں ملتا، ادھر زمین پر بیٹھ کر میری روح تک سکون میں آ جاتی ہے، میرے اندر یہ احساس زندہ ہو جاتا ہے کہ میں خود اسی مٹی سے بنائی گئی ہوں اور مٹی سے بنے لوگوں کو اپنی اوقات بھولنی نہیں چاہیے، جیسے

میں اپنی اوقات بھولنے لگی تھی، وہ تو بھلا ہو ابراہیم کا جس نے مجھے میری پہچان یاد کرا دی، ورنہ نجانے میں اور کتنا بھٹکتی رہتی۔'' بڑی سنجیدگی سے بتاتے ہوئے آخر میں اس نے ابراہیم کو سراہا تھا، عظمیٰ جو بڑے غور سے اسے سن رہی تھی اسے ابراہیم کا نام لیتے دیکھ کر فوراً پوچھنے لگی۔

''ابراہیم بھائی اچھے ہیں ناں عائزہ؟''

''ہاں بہت اچھے، مگر اپنی ذات میں گم میں نے اس کی ذات کے متعلق کچھ جانا ہی نہیں اور اب جب جانا تو بہت دکھ ہوا وہ شخص جو ہنسے تو زندگی اس پر رشک کرتی محسوس ہوتی ہے وہ خود کس قدر تنہا ہیں۔''

''ابراہیم بھائی تنہا نہیں ہیں وہ خود کو تنہا نہیں سمجھتے ہیں۔'' عظمیٰ نے جلدی سے اس کی تصحیح کی تھی، عائزہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''تم اس بحث کو رہنے دو ابھی تو پوری طرح ابراہیم بھائی کو نہیں جانتی ہو جب سمجھ جاؤ گی تو اس طرح نہیں کہو گی، فی الحال تم مجھے یہ بتاؤ تم نے احسان سے کوئی بات کی۔'' اس کی بات کے اختتام پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

وہ اس باب کو اپنی طرف سے بند کر چکی تھی مگر اب عظمیٰ کی کہی بات نے اس کو وہ بھی یاد کرا دیا جس کو بھولنے کی وہ کوشش کر رہی تھی۔

''تم جانتی ہو میں ان سے بات نہیں کرتی ہوں۔'' اس نے سیدھا ہوتے ہوئے اسے بتایا پھر مزید بولی۔

''بلکہ سچ تو یہ ہے پہلی ملاقات کے بعد سے آج تک میں نے ان سے دوبارہ کبھی ملاقات نہیں کی ہے۔''

''مگر کیوں عائزہ؟ وہ تمہارا شوہر ہے تم اس پر حق رکھتی ہو۔'' اس کے لہجے میں تیزی در آئی تھی۔

''تم ایسی بات کیوں کرتی ہو عظمیٰ۔'' عائزہ نے بے بسی سے اس کی طرف ایسے دیکھا تھا، جسے اس بات کو ختم کر دینے کا کہنا چاہتی ہو، اس کے اس انداز پر عظمیٰ نے اس سے پوچھا تھا۔

''کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے سر جھکا دیا۔

''تو پھر جب تمہیں میری بات سے انکار نہیں ہے تو اس طرح ری ایکٹ کیوں کرتی ہو؟'' وہ خاموش رہی تو اس نے مزید پوچھا۔

''تم کیا چاہتی ہو؟'' عائزہ نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا، کچھ دیر وہ اسے اسی طرح دیکھتی رہی جیسے کہنے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی ہو، کچھ توقف کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

''میں کیا چاہتی ہوں تمہیں کیا بتاؤں۔'' چند پل کی خاموشی کے بعد وہ مزید بولی۔

''میں نے بارہا خود کو آئینے میں بہت غور سے دیکھا ہے مگر کبھی خود میں کچھ خاص دیکھائی نہیں دیا کوئی خاص احساس محسوس نہیں ہوا سوائے اس احساس کے کہ میں بہت عام سی لڑکی ہوں اور عام لڑکیوں کی طرح میری بھی بس یہی خواہش ہے میرا اپنا کوئی گھر ہو، ایسا گھر جہاں میرا چاہنے والا کوئی ساتھی ہو وہ ساتھی جو ہمیشہ میرا ساتھ دے، مجھے سراہے، جسے مجھ میں سب کچھ خاص دیکھائی دے مگر خواہشوں کا کیا ہے زندگی میں ہر خواہش تو پوری نہیں ہو سکتی ناں۔'' اس نے سر جھٹک کر جیسے اپنی خواہش کو جھٹکنا چاہا تھا۔

''تمہاری سوچ غلط تو نہیں ہے عائزہ۔'' عظمیٰ نے کہا۔

''صحیح بھی تو نہیں ہے۔'' اس نے دو بدو جواب دیا تھا۔

''تم صحیح بھی تو کر سکتی ہو۔'' اس نے کہا تو وہ استفہامیہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''احسان نے پہلے دن جو تمہیں کہا تم نے اسی کو حرف آخر سمجھ کر چپ سادھ لی، جبکہ میں شروع دن سے تمہیں کہتی رہی ہوں تم اس سے بات کرو، اگر تم اس پر زور دیتی تو آج یوں اکیلی نہ ہوتی، تم بیوی ہو اس کی اور اس حقیقت سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتا، اس مسئلے کو مزید مت لٹکاؤ اپنی زندگی کو کسی کنارے لگاؤ، اسے کہو یا تو وہ تمہیں اپنے ساتھ رکھے یا تمہیں آزاد کر دے، یوں کب تک درمیان میں لٹکتی رہو گی۔'' اپنی بات کہہ کر اس نے اس کی طرف غور سے دیکھا تاکہ اس کے چہرے کے تاثرات سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکے کہ آیا کہ وہ اس کی بات ماننے کو تیار ہے یا نہیں، مگر وہاں جامد سناٹے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، اسے مایوسی ہونے لگی۔

عائزہ خاموش تھی شاید اس نے اس کے زخموں کو کرید دیا تھا، اسے خود بھی اس کی خاموشی محسوس ہونے لگی تھی جبھی اسی احساس کو زائل کرنے کے لئے اس نے اپنے سامنے رکھا چائے کا کپ اٹھا کر اسے چائے کی آفر کی۔

''چائے پیو گی؟''

''میں نے چائے پینا چھوڑ دی ہے۔'' اس نے انکار کیا جس پر اس نے حیرانگی سے اس سے پوچھا تھا۔

''کیوں چھوڑ دی؟''

''بس ویسے ہی۔''

''کالی ہونے کے ڈر سے تو نہیں چھوڑ دی؟'' عظمیٰ مسکرائی تھی۔

''اتنی تو کالی ہوں مزید کالی ہونے کا کیا ڈر، ہاں چھوڑی اس لئے ہے کہ شاید تھوڑی سی رنگت میں بہتری آ جائے۔'' اس کے اعتراف پر عظمیٰ کا قہقہہ بڑا بے ساختہ ابھرا تھا جس پر وہ خود بھی مسکرا دی تھی، پھر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد آخر میں خدا حافظ کہنے سے پہلے عائزہ سے اس نے کہا تھا۔

''پلیز تم احسان سے ایک آخری بار بات کرنے کی کوشش ضرور کرنا اور ابراہیم بھائی کے متعلق کچھ سوچنا عائزہ۔''

عظمیٰ کی اکثر باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہوا کرتی تھی جن پر وہ خاموشی اختیار کر لیا کرتی تھی، جیسے اب وہ خاموش رہ گئی تھی۔

☆☆☆

عظمیٰ سے بات کرنے کے بعد اس نے کھانا پھر کچھ دیر یونہی کمرے میں ٹہلنے کے دوران اچانک نجانے اس کے دماغ میں کیا سمائی کہ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول کر نیچے جھانکنے لگی۔

پچھلی بار جب اس نے یہاں جھانکا تھا تو ہر طرف ویرانیوں نے ڈیرا ڈالا ہوا تھا، لیکن آج وہ ویرانیاں کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی، پودوں کی حالت دیکھ کر لگتا تھا ان کو کسی نے پانی سے نہلایا ہے اور تو اور کیاریوں میں پڑے رہنے والے سوکھے پتے بھی غائب تھے مطلب یہاں کی صفائی کی گئی تھی، اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

''لگتا ہے یہاں کوئی دوسرا کرایے دار آن بسا ہے۔'' اس نے کھڑکی بند کی اور نئے کرایے داروں سے ملنے کے لئے خود نیچے چلی آئی، اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے دستک دینے کا سوچا مگر پھر خود ہی اندر چلی آئی، سامنے کمرے کے دروازے پر کوئی شخص پیٹھ موڑے کھڑا تھا، وہ اسی طرف چلی آئی۔

''ہیلو! میں اس گھر کے اوپری پورشن میں رہتی ہوں آج نیچے تبدیلی محسوس ہوئی تو آپ لوگوں کی آمد کا سوچ کر خود ملنے چلی آئی، آپ کی وائف وغیرہ......'' اس کی بات درمیان میں ادھوری رہ گئی تھی، پیٹھ موڑے کھڑے شخص نے اس کی طرف رخ کیا تھا وہ اور کوئی نہیں ابراہیم تھا جس کے لب مسکرا رہے تھے، عائزہ کو حد درجہ حیرت نے آن گھیرا۔

''تم یہاں؟''

''کیوں میں یہاں نہیں ہو سکتا کیا؟'' الٹا اسی سے سوال کر دیا گیا تھا۔

''مگر تم نے تو بتایا ہی نہیں تم یہاں شفٹ ہو رہے ہو، تم تو وہاں اپنے فلیٹ پر رہ رہے تھے ناں تو پھر یہاں کیسے؟''

''وہ فلیٹ آفس سے بہت دور پڑتا تھا اور ویسے بھی وہاں پاکستانی فیملیز بس ایک آدھ ہی رہتی تھیں، اس دن تمہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تب پتا لگا یہ پورشن کرایے کے لئے خالی ہے، تب سے میں یہاں کے لئے ٹرائی کر رہا تھا اب جا کے یہاں شفٹ ہو پایا ہوں۔'' اس نے بولتے ہوئے کچن کی طرف قدم بڑھا دیئے تو عائزہ بھی اس کے پیچھے چلتی ہوئی بولی۔

''اچھا کیا جو یہاں آ گئے، ویسے بھی یہ اتنا سونا سونا پورشن دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا اور جب سے عظمیٰ گئی یہی فکر ستائے جاتی تھی کہ اب نجانے یہاں کس طرح کے لوگ آ کر رہائش کریں گے۔''

''اب تو خوف محسوس نہیں ہوگا۔'' اس نے پلٹ کر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔''

''اچھا بیٹھو میں تمہارے لئے چائے بناتا ہوں۔'' وہ آگے بڑھا مگر رک کر پلٹا۔

''ویسے ایک عورت کی موجودگی میں مرد چائے بناتا اچھا نہیں لگتا، چائے تم کیوں نہیں بنا لیتی۔''

اب تک کی ملاقاتوں میں ان کے درمیان اتنی بے تکلفی تو در آئی تھی کہ وہ ایک اچھے دوست کی طرح آپس میں نوک جھوک کر لیا کرتے تھے۔

''خبردار جو تم نے مشرقی مردوں کی طرح طعنہ بازی شروع کی تو، میں تمہارے گھر مہمان آئی ہوں، تم مجھے چائے بنا کر پلاؤ۔'' وہ ٹیبل کے قریب پڑی کرسی پر پھیل کر بیٹھ گئی تو ابراہیم ہنستا ہوا چائے بنانے لگا، وہ اسے عظمیٰ کے متعلق بتانے لگی کہ کیسے عظمیٰ اور وہ دونوں ایک ساتھ وقت گزارا کرتی تھیں، گزرے وقت کے جگنو اس کی آنکھوں میں سمٹ آئے تھے ابراہیم چائے کے کپ سامنے رکھے اسے غور سے سن رہا تھا، پھر اسی طرح باتوں کے دوران انہوں نے چائے ختم کی، آج کا دن اس کے لئے کافی سے بھی زیادہ اچھا رہا تھا، رات ہونے لگی تو وہ اوپر چلی آئی۔

آج سونے کے لئے اسے کسی مصنوعی سہارے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی وہ بستر پر لیٹی دن بھر کی باتیں سوچتی رہی جب نیند نے خود آگے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں لیا اور دنیا سے بے خبر کر دیا۔

☆☆☆

ابراہیم کی پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی تھی، آسیہ، عقیلہ اور باقی سب سے رابطہ ختم کرنے کے کچھ عرصے بعد ہی انہوں نے بنا کوئی ناراضگی اور غصہ دکھائے اس سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی، اسے ان کے آئی مس یو کے بہت سے ٹیکسٹ موصول ہوئے تھے، مگر اب اسے ان کی ضرورت تھی ہی نہیں تو ان کو کیا رسپانس دیتی،

جب جانتی تھی ان کی واپسی کا مقصد کیا ہو سکتا تھا، وہ اب مزید خود کو دھوکہ دینا نہیں چاہتی تھی سو ان کے نمبر ڈیلیٹ کر کے جیسے اس باب کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔
ابراہیم صحیح معنوں میں خود کو عائزہ کا سچا دوست ثابت کر رہا تھا جب ہی آج وہ پاکستان اس کی ماں کو کال کر رہا تھا، اس کی کال پک کر لی گئی تھی، دوسری طرف سے فوزیہ خود اس سے ہم کلام تھی، جو اس کے سلام کے جواب میں اس سے استفسار کر رہی تھی۔
''آپ کون بات کر رہے ہو؟''
''میں یو کے سے ابراہیم بات کر رہا ہوں آنٹی۔'' اس نے مودب انداز میں اپنا تعارف پیش کیا تھا۔
''مگر میں تو آپ کو نہیں جانتی۔'' اس نے کہا۔
''مگر میں آپ کو جانتا ہوں آپ عائزہ کی امی ہیں، میں عائزہ کے آفس میں اس کے ساتھ کام کرتا ہوں۔'' اس نے بتایا تو فوزیہ پریشان ہو گئی۔
''مگر بیٹا تم کیوں مجھے فون کر رہے ہو؟ عائزہ ٹھیک تو ہے ناں؟'' ان کی پریشانی فطری تھی، ایک اجنبی انہیں عائزہ کا حوالہ دے کر رابطہ کر رہا تھا انہیں لگا شاید عائزہ کو کچھ ہو گیا ہو، جس کی اطلاع دینے کے لئے ابراہیم نے اس سے رابطہ کیا تھا۔
''گھبرائیں مت آنٹی عائزہ ایک دم فٹ اور فائن ہے۔'' اس نے جلدی سے کہہ کر گویا ان کی پریشانی دور کرنا چاہی تھی، جس پر اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔
''شکر ہے خدا کا ورنہ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔'' پھر اس نے اس سے مزید پوچھا۔

''اچھا بیٹا اب بتاؤ تم نے مجھے فون کیوں کیا؟''
''میں آپ سے عائزہ کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا تھا بس اسی لئے آپ کو زحمت دی۔''
''کیا مطلب؟'' وہ سمجھی نہیں تھی جبھی الجھن کا شکار دکھائی دے رہی تھی۔
''آنٹی جی یہاں عائزہ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ جن حالات کا شکار رہی آپ ان سے اچھی طرح واقف ہیں، انہی حالات کی وجہ سے اس کی جو سائیکی کنڈیشن رہی آپ یقیناً اس سے بے خبر ہیں مگر میں نے اسے اس ابنارمل حالت میں دیکھا ہے یقین جانیں آنٹی اگر میں اسے وقت پر نہ سنبھالتا تو وہ پاگل ہو جاتی، وہ خود کو بھی نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کرتی۔'' اس کی باتوں نے اسے ہلا کے رکھ دیا تھا جبھی اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔
''ایسے تو مت کہو بیٹا۔''
''میں سچ کہہ رہا ہوں آنٹی جو جس کیفیت میں مبتلا رہی ہے اس میں اس سے ہر بات کی امید کی جا سکتی تھی، مگر جو ہوا وہ گزر گیا، احسان نے اس کے ساتھ غلط کیا مگر وہ تو اسے شروع دن ہی آزاد کر دینا چاہتا تھا، تب اس وقت یہ بات عائزہ کو منظور نہیں تھی اور اب جب عائزہ نے ایسا چاہا تو آپ نے اسے منع کر دیا، آپ کے منع کرنے کی جو بھی وجوہات رہی ہو مگر میں جانتا ہوں احسان عائزہ کو کبھی اپنے ساتھ نہیں رکھے گا، اس سے کوئی بھی امید رکھنا فضول ہو گا، اسی لئے میں چاہتا ہوں عائزہ اس سے طلاق لے کر اپنی زندگی کو نئے سرے سے شروع کرے، آخر کو بہتر زندگی گزارنے کا حق اسے بھی حاصل ہے۔'' وہ بڑی سمجھ داری سے فوزیہ کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مگر ایسا کیسے ممکن ہے اور اگر وہ احسان سے طلاق لے بھی لیتی ہے تو وہاں اس سے پھر شادی کون کرے گا؟ فوزیہ بہت پریشان دیکھائی دے رہی تھی۔

''میں کروں گا۔'' ابراہیم نے فوراً جواب دیا تھا۔

''تم؟''

''جی میں، آپ کی بیٹی کو اتنا جان چکا ہوں جتنا شاید وہ خود کو بھی نہیں جانتی ہوگی، مجھے یقین ہے میں اسے خوش رکھ سکوں گا۔'' اس کے انداز میں اس کا یقین بول رہا تھا، وہ پوری کوشش کر رہا تھا فوزیہ کو اپنی طرف سے مطمئن کر سکے، جبھی اپنے تعارف میں وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''میں عائزہ کا بہت خیال رکھوں گا، اگر آپ کو میری ضمانت درکار ہو تو خود عائزہ سے معلوم کر لیجئے گا، جب سے وہ اور میں ملے ہیں تب سے میں اس کے ساتھ ہوں اور اب تو جہاں وہ رہا کرتی ہے اس کی تنہائی کا سوچ کر میں وہی شفٹ کر گیا ہوں، باقی اس کے علاوہ جو بھی آپ مجھ سے پوچھنا چاہتی ہیں پوچھ لیں، اپنی تسلی کر لیں اور پھر مجھے عائزہ سے شادی کی اجازت دے دیں۔'' اس نے بڑے ادب واحترام سے اسے مان بخشا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا تمہیں کسی کی ضمانت دلوانے کی ضرورت نہیں ہے جس چاہ سے تم میری بیٹی کے لئے ذکر کر رہے ہو یہی تمہاری ضمانت کے لئے کافی ہے، مجھے یقین ہے تم اس کا بہت زیادہ خیال رکھو گے۔''

''مگر یہ سچ ہے جس طرح کے حالات کا ذکر تم نے کیا وہ سب سن کر بہت دکھ ہوا عائزہ نے مجھے ہمیشہ ہم لوگوں کا خیال رکھا ہے، ہماری خاطر ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرنے کی تگ و دو میں لگی رہتی تھی مجھے ذرا سا بھی اندازہ نہیں تھا وہ کس طرح وہاں اپنی تنہائی سے لڑتی رہی ہے اور اب جب جان گئی ہوں تو میں بھی یہی چاہوں گی وہ احسان سے طلاق لے کر تم سے شادی کر لے۔'' نم آنکھوں کے ساتھ اس نے اجازت دی تو ابراہیم جیسے کھل اٹھا۔

''بہت بہت شکریہ آنٹی، مجھے یقین تھا آپ انکار نہیں کریں گی۔''

''میری بیٹی کا بہت خیال رکھنا ابراہیم اس نے زندگی میں اب تک کوئی خوشی نہیں دیکھی ہے، خوشیوں کی تلاش میں تو وہ مزید دکھی ہو کر رہ گئی ہے، مگر تم سے بیٹی کی ماں بن کر التجا کر رہی ہوں اس کا بہت خیال رکھنا۔'' آخر میں بولتی وہ رو دی تھی۔

ابراہیم اس کے جذبات کو سمجھ سکتا تھا جبھی اسے تسلی سے نوازنا ضروری سمجھا۔

''اس بات کی آپ فکر نہ کریں آنٹی، میں خود سے زیادہ آپ کی بیٹی کا خیال رکھوں گا۔'' کچھ توقف کے بعد وہ مزید گویا ہوا۔

''یہاں جو کچھ بھی ہوا، اس میں عائزہ کا کوئی قصور نہیں تھا، احسان نے جو کیا اس کی حرکات سے آپ اس کے گھر والوں کو باخبر ضرور کر دیجئے گا تاکہ کل کو کوئی عائزہ پر انگلی نہ اٹھا سکے۔'' اس کے انداز میں عائزہ کے لئے اتنی فکر دیکھ کر اس کے دل کو سکون نصیب ہوا تو پرسکون آواز میں بولی۔

''ہاں کلثوم سے میں ضرور بات کروں گی۔''

''اس کے بیٹے نے جو عائزہ کے ساتھ کیا ہے اگر وہاں تم نہ ہوتے تو میری بیٹی تو وہاں رل کے رہ جاتی۔'' وہ اس کی ممنون دیکھائی دے رہی تھی، جب ابراہیم نے اسے روک دیا۔

''اس طرح مت کہیں آنٹی، میں نہ ہوتا تو کوئی دوسرا ضرور ہوتا، کیونکہ خدا کبھی اپنے بندوں کو اکیلا نہیں چھوڑتا ہے۔''

''ہاں مگر آپ سے درخواست ہے میرے اور آپ کے درمیان جو بھی باتیں ہوئی اس کا ذکر ابھی عائزہ سے مت کیجئے گا، میں پہلے ذرا اس سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے جیسے التجا کی تھی۔

''جیسے تمہاری خوشی بیٹا۔'' اس نے اسے بہت ساری دعاؤں سے نوازا تھا جس پر اس نے اس کا شکریہ ادا کر کے اپنا خیال رکھنے کی تلقین کر کے اجازت چاہی تھی۔

وہ یہ معرکہ سر کر چکا تھا اب آگے اس نے کیا کرنا تھا یہ اس نے ابھی سوچا نہیں تھا مگر اب جو ہونا تھا وہ تقدیر پہلے سے طے کر چکی تھی۔

☆☆☆

ابھی کچھ دیر پہلے سعدیہ نے اسے اپنے ایم بی بی ایس کے پہلے سال میں ملنے والی شاندار کامیابی کی خبر دی تھی جسے سن کر وہ خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

یہ خبر سننے کی تو وہ نجانے کب سے منتظر تھی اور اب جب یہ خبر سنی تو اس پر تو جیسے شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی، خوشی کے عالم میں اس نے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا تھا، اس کی خوشی کا یہ عالم تھا جیسے ڈاکٹر سعدیہ نہیں وہ خود بن گئی تھی۔

''ڈاکٹر سعدیہ کمال۔'' اس نے اونچی آواز میں پکارا پھر اپنی ہی آواز کی بازگشت میں یہ لفظ سن کر حد درجہ خوش ہوئی، وہ اتنی خوش تھی کہ اپنی خوشی خود اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی جبھی اپنی خوشی سیلیبریٹ کرنے وہ نیچے ابراہیم کے پاس چلی آئی، بات بے بات مسکرانی بلا تھکان بولتی وہ روز کی نسبت آج بہت مختلف دیکھائی دے رہی تھی، شاید اس کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا تھا، ابراہیم مسکراتا ہوا مسلسل اسے نوٹ کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے آج میں بہت خوش ہوں۔'' اس نے مسکرانی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بتایا۔

''شکر ہے تمہیں بھی خوشی نصیب ہوئی۔'' ابراہیم نے ہنس کر اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

''اچھا پوچھو تو صحیح میں خوش کیوں ہوں۔'' وہ بتانے کو بے چین تھی۔

''کیا یہ کافی نہیں ہے کہ تم خوش ہو، وجہ جان کر میں کیا کروں گا؟'' وہ اسے جان بوجھ کر تنگ کر رہا تھا جانتا تھا وہ اس سے کچھ چھپا نہیں سکتی۔

''اب پوچھ بھی چکو پلیز۔'' اس نے جیسے منت کی تھی، اس کے انداز پر ابراہیم کا قہقہہ بڑا بے ساختہ ابھرا تھا جسے بمشکل روک کر اس نے پوچھا تھا۔

''بتاؤ اس قدر خوش کیوں ہو؟'' اس کے پوچھنے کی دیر تھی کہ وہ شروع ہو گئی۔

''ابھی سعدیہ کی کال آئی اس کے ایم بی بی ایس کا پہلا سال بہت اچھے نمبروں سے کلیئر ہو گیا ہے، اب میری بہن ڈاکٹر بن جائے گی۔'' اس کی آنکھوں میں اس وقت خوشی کے آنسو موتی بن کر چمک رہے تھے۔

''ریئلی......؟'' ابراہیم کو بھی اس کی بات نے بہت زیادہ مسرت بخشی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے تمہیں بہت زیادہ مبارک ہو۔'' اس نے دل سے اسے مبارک باد پیش کی تھی، جسے قبول کر کے اس نے کہا۔

''کاش اس وقت سعدیہ میرے سامنے

ہوتی۔" اس کی دبی حسرت نے سر اٹھایا تھا جسے دباتے اس نے مزید بولنا شروع کیا۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے سعدیہ ڈاکٹر بن جائے گی، ایسا ہی ایک خواب کبھی میں نے اپنے لئے دیکھا تھا، یہ خواب میں نے جب دیکھا جب میں نے خواب دیکھنا سیکھا ہی تھا، میرا پہلا خواب۔"

گزرا وقت یاد کا خوبصورت جگنو بن کر اس کی آنکھوں میں جگمگا رہا تھا، حال سے ماضی میں پہنچی وہ اسے بتا رہی تھی۔

"سفید یونیفارم پہنے گلے میں اسٹیتھسکوپ ڈالے ڈاکٹر عائزہ کمال، ٹیچر کہا کرتی تھی عائزہ کمال ڈاکٹر بننے کے لئے بہت محنت کرنا پڑتی ہے تب میں نے محنت کرنے میں رات دن کا فرق مٹا دیا، تبھی شاندار کامیابی نصیب ہوئی، ایف ایس سی کے بعد اگر میں چاہتی تو میڈیکل کالج میں میرٹ پر میرا داخلہ ہو جاتا، میں ایسا ہی کرنا چاہتی تھی مگر میرا خواب ٹوٹ گیا، بابا کی بگڑتی حالت نے اس وقت میرے کندھوں پر ذمہ داریوں کا ایک بہت بھاری بوجھ لاد دیا، اب میں اس بوجھ کو اٹھاتی یا اپنا خواب پورا کرتی، اگر میں خواب پورا کرنا بھی چاہتی تو آخر کس طرح، حالات نے اسے پورا کرنا جیسے ناممکن سا کر دیا تھا، تب میں نے ذمہ داریوں کے بوجھ کو پوری طرح سنبھالتے ہوئے اپنے اس خواب کو ایک کاغذ میں لپیٹ کر گھر کے کسی کونے میں ڈال دیا اور پھر میں اسے بھول گئی، پھر ایک دن یونہی کاغذ میں لپٹا وہ ادھورا خواب اپنی تکمیل کی خواہش لئے میرے سامنے آیا تو میں نے اپنا وہ خواب سعدیہ کے حوالے کر دیا اور آج اسی خواب کو تعبیر مل گئی، ڈاکٹر عائزہ کمال کے حوالے نہ سہی، ڈاکٹر سعدیہ کمال کے حوالے سے اسے تعبیر مل گئی، خدا کا شکر ہے اس نے اس خواب کو شرمندہ تعبیر ہونے سے بچا لیا۔" اس کی خوشی اس کے لفظوں سے مہک بن کر چھلک رہی تھی، ابراہیم مسکراتا ہوا خاموشی سے اسے سن رہا تھا، تب بولتے بولتے نجانے اس کے دماغ میں اچانک کیا سمایا کہ کرسی دھکیلتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، ابراہیم نے استفہامیہ اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو۔

"کھڑی کیوں ہو گئی؟"

"میں ابھی آتی ہوں۔" اسے مختصر جواب سے نوازتی وہ دروازہ پار کر گئی، وہ حیرت سے اسے جاتے دیکھتا رہ گیا اور وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی، اس نے سوچا تھا وہ اس کے پیچھے جائے، وہ اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر رک گیا، وہ اسے واپس آنے کا کہہ کر گئی تھی۔

اسے یقین تھا وہ جہاں بھی جائے گی اسے پلٹ کر اسی کی طرف آنا تھا، اپنے یقین کو آزمانے کے لئے وہ وہیں بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

اس کا رخ احسان کے گھر کی طرف تھا، کیا وہ احسان سے ملنا چاہتی تھی؟ یا آج وہ اپنی خوشی احسان کے ساتھ بھی شیئر کرنا چاہتی تھی؟ ایسے موقع پر اس کا احسان سے ملنے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

بڑی تیزی سے اس نے درمیانی راستہ طے کیا تھا اب وہ احسان کے گھر کے سامنے کھڑی تھی، ایک نظر گیٹ پر ڈال کر اس نے آگے بڑھ کر ڈور بیل بجا دی، چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد پیون درمیانی دروازہ کھولے اس کے سامنے تھا، اسے سامنے دیکھ کر پیون نے درمیانی دروازہ مکمل وا کر دیا وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا ایک بار پہلے بھی احسان کی کزن کی حیثیت سے وہ وہاں آ چکی

تھی کئی دن وہاں رہ چکی تھی، اس نے پیون کے ہیلو کا جواب دے کر دروازے کے اندر قدم رکھ دیا، صاف ستھری روش پر چلتے اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔

سبھی کچھ ابھی بھی ویسا ہی تھا جیسا اس نے پہلی بار وہاں آنے پر دیکھا تھا، وہ وہاں کے راستوں سے واقف ہونے کے بعد وہاں سے واپس گئی تھی اسی لئے آج اسے گھر کے مکینوں کو تلاشنے میں زیادہ مشکل کا سامنا کرنا نہیں پڑا تھا۔

احسان اور راضیہ اپنے بچوں کے ہمراہ ٹی وی لاؤنج میں موجود تھے، احسان یوں اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیرت سے کہیں زیادہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا، جبکہ راضیہ ایک اچھے میزبان کی طرح مسکرا کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

''آؤ عائزہ، آج یہاں کا راستہ کیسے بھول کر آ گئی تم۔'' اس سے گلے ملتے وہ مزید کہہ رہی تھی۔

''بڑی عجیب کزن ہو تم احسان کی، ایک ہی جگہ رہنے کے باوجود بھی تم نے دوبارہ پلٹ کر ہماری خبر نہ لی۔'' اس کی بات سن کر عائزہ نے زخمی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے احسان کی طرف دیکھا تھا۔

''راضیہ تم عائزہ کے لئے چائے پانی کا انتظام کرو آج اتنے دنوں بعد یہ ہمارے گھر آئی ہے، اچھا سا کھانا کھلا کر بھیجنا۔'' احسان نے راضیہ کو منظر سے ہٹانا چاہا تھا۔

''ہاں میں کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔'' وہ اسے جواب دے کر وہاں سے جانا چاہتی تھی جب عین اسی وقت امیمہ نے ماں کے دوپٹے کا پلو پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ممی پاپا کو بولیں میران کو اپنے پاس سے اٹھا دیں ورنہ میں پاپا سے بھی کٹی کر دوں گی۔'' وہ بچی ناراض سی منہ بسورے کھڑی تھی۔

وہ شاید اپنے بڑے بھائی میران سے ناراض تھی اسی لئے چاہتی تھی اس کے پاپا بھی اس سے ناراض ہو جائیں۔

''ایں۔'' راضیہ مسکرا کر گھٹنوں کے بل ناراض امیمہ کے سامنے بیٹھتی بولی تھی۔

''بری بات امیمہ، میران آپ کے بڑے بھائی ہیں اور بڑے بھائی سے کوئی ناراض ہوتا ہے بھلا۔''

''مگر بھیا نے میری پونی زور سے کیوں کھینچی اور میری چاکلیٹ بھی چھین لی۔'' وہ منہ بسورے میران کی شکایت لگا رہی تھی۔

''کیا بڑے بھیا ایسے کرتے ہیں؟'' بڑی معصومیت سے اس نے ماں سے سوال کیا تھا راضیہ نے بے ساختہ جھک کر اس کے گال پر بوسہ دیا۔

''میری پرنس بہت پیاری ہے۔'' عائزہ خاموشی سے بیٹھی ماں بیٹی کے لاڈ پیار کو دیکھ رہی تھی، راضیہ احسان کی طرف پلٹتی بولی۔

''احسان دیکھ رہے ہیں اپنی بیٹی کی ناراضگی، میران کو تھوڑا ڈانٹ کر ان دونوں کی صلح کروا دیں۔'' دراز قد ہوتی اس نے مسکراہٹ دبا کر ناراض امیمہ کو احسان کی طرف بھیجا۔

اس وقت وہ سب مل کر ایک ایسی مکمل فیملی دکھائی دے رہے تھے جن کے درمیان کسی دوسرے کی گنجائش ہرگز نہیں بن سکتی تھی، اپنی باتوں میں وہ دونوں ہی اسے مکمل ہی فراموش کر گئے تھے، ان کا اس طرح خود کو فراموش کرنا اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا، وہ زندہ گوشت پوشت کی بنی انسان تھی جس کے سینے میں بھی انہیں کی طرح دل دھڑکتا تھا، لاکھ خود پر ضبط کرنے کے باوجود

بھی اس کے دل میں دلی حسرتوں نے سر اٹھایا تھا۔
''کاش راضیہ کی جگہ میں ہوتی۔'' حسرت بھری نگاہوں سے وہ راضیہ کو دیکھ رہی تھی۔
''راضیہ کی جگہ میں بھی تو لے سکتی ہوں۔''
سوچ اس کے ذہن میں ابھری تو اس نے لب بھینچ کر نفی میں سر ہلا دیا جیسے اپنی ہی سوچ کی نفی کر رہی ہو۔
''نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتی، کسی کا بسا بسایا گھر اجاڑ کر میں اپنا گھر نہیں بسا سکتی۔'' اس نے راضیہ پر سے نظریں ہٹا کر زمین پر گاڑ دی، راضیہ امیمہ کو احسان کے پاس چھوڑ کر باہر جا چکی تھی، احسان نے امیمہ اور میران میں صلح کرا کر انہیں ساتھ باہر کھیلنے کے لئے بھیج دیا، اب کمرے میں وہ اور احسان تنہا تھے، احسان اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''آپ کو کسی چیز کی ضرورت تھی تو مجھے کال کر لی ہوتی، یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس کی آمد اسے پسند نہیں آئی تھی جس کا ثبوت اس کی پیشانی پر نظر آتی ناگواری کی وہ سلوٹیں تھیں جو اس کی آمد سے لے کر اب تک اس کی پیشانی پر سجی تھی، اس کی ناگواری محسوس کرنے کے باوجود بھی وہ بڑے تحمل سے بولی تھی۔
''ہمارے رشتے میں ضرورت کے وقت ہی ملنا تو ضروری نہیں مسٹر احسان۔''
''کس رشتے کی بات کر رہی ہیں آپ؟'' اس کی ناگواری میں اب غصے میں بدلنے لگی تھی۔
''بیوی ہوں آپ کی۔'' اس کے لہجے میں اعتماد کا فقدان تھا اور خود وہ ضبط کی آخری منزل پر کھڑی تھی۔
''کون سی بیوی؟'' اس نے تڑک کر پوچھا تھا۔
''باقاعدہ نکاح کیا ہے آپ نے مجھ سے۔'' نجانے وہ کیا سوچ کر یہاں آئی تھی۔
نجانے وہ اس سے کیا چاہتی تھی جو آج اس طرح بحث کرتی اس کے مقابل چلی آئی تھی۔
''کس نکاح کی بات کر رہی ہو عائزہ کمال؟ اس نکاح کی جو با حالت مجبوری مجھے آپ سے کرنا پڑا، یا اس نکاح کی جس کے فوراً بعد ہی میں آپ کو طلاق دے دینا چاہتا تھا؟ آپ شاید بھول رہی ہیں پہلے دن ہی ہمارے درمیان ایک کمٹمنٹ طے ہوئی تھی؟ اگر وہ آپ کو بھول رہی ہے تو میں آپ کو یاد کروا دیتا ہوں، اس وقت جب میں آپ کو طلاق دینا چاہتا تھا تب آپ نے التجا کی تھی میں آپ کو طلاق نہ دوں بدلے میں آپ دوبارہ کبھی میری زندگی میں لوٹ کر نہیں آئیں گی، کمٹمنٹ کے تحت ہونے والے اس نکاح کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی مگر اس وقت میں نے آپ کی بات صرف اس لئے مان لی کہ میری ذات کی وجہ سے کہیں نہ کہیں آپ کی زندگی متاثر ہو رہی تھی، اسی کا مداوہ کرنے کی خاطر میں نے آپ کے لئے کیا کچھ نہیں کیا؟ یہاں پوری طرح آپ کو سیٹل ہونے میں آپ کی مدد کی ضرورت کی ہر چیز آپ کو فراہم کی، پھر آپ اپنی زندگی میں سیٹل ہو گئیں، سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا تو پھر اب آپ دوبارہ اس راستے کی طرف کیوں پلٹ آئی جو آپ کی منزل ہی نہیں ہے؟'' وہ دبی آواز میں جیسے غرا رہا تھا۔
کیسے پل بھر میں اس نے اسے آئینہ دیکھا دیا تھا، ضبط کرنے کی کوشش میں اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔
''میں صرف اتنا چاہتی ہوں آپ مجھے اپنے گھر میں اپنی بیوی کی حیثیت سے تھوڑی سی جگہ دے دیں۔'' پل بھر کو اس کی طرف دیکھ کر

اس نے دوبارہ کہا تھا۔
''اگر یہ ممکن نہیں تو اپنی دونوں اولادوں میں سے ایک کو مجھے دے دیں، تاکہ زندگی کے اس سفر میں کوئی تو زادِ راہ میرے پاس بھی ہو۔'' یہ بات کہہ کر جیسے اس نے اس کے کلیجے پر ہاتھ دے مارا تھا ایک آگ تھی جو ایکدم اس کے اندر بھڑکی تھی، جبھی وہ اس پر چلایا تھا۔
''شٹ اپ عائزہ کمال، آپ کی جرأت کیسے ہوئی ایسی بات کرنے کی۔'' غصہ کی شدت سے اس کی ناک کے نتھنے پھڑکنے لگے تھے، پیشانی کی رگیں تک ابھر آئی تھیں۔
''میری جرأت اس سے زیادہ بڑھ سکتی ہے اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو۔'' ضبط ولحاظ ایک طرف رکھے اب کی بار اس نے تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
''کیوں؟ کیا کرلوگی آپ؟'' وہ اس سے ڈرا نہیں تھا۔
''میں راضیہ کو بتا دوں گی میں بھی آپ کی بیوی ہوں جس سے آپ پاکستان میں اپنی فیملی کی اور اپنی رضامندی کے ساتھ نکاح کرکے یہاں لائیں ہیں۔'' اس کی جرأت پر وہ دنگ رہ گیا۔
''یہ اتنا کچھ بھی بول سکتی ہے؟'' اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا جو پہلے دن سے اب تک اس کے سامنے ضرورت کی بات کے علاوہ کبھی نہیں بولی تھی مگر آج، وہ آہستہ روی سے چلتا اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔
''اچھا...... تو پھر کیا ہوگا؟'' اس نے پوچھا۔
''جو بھی ہو، نتائج کی پرواہ میں نہیں کرتی۔'' وہ دوبدو بولی تھی۔
''آپ کی اس حرکت کی بدولت اگر راضیہ مجھے چھوڑ بھی جائے گی تو بھی میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا، اپنی اس خوش فہمی کو دور کر لیں۔''
''میری زندگی خراب ہوگی بھی تو ہو جانے دیں مگر آپ کی خواہش تو میں کسی صورت پوری ہونے نہیں دوں گا۔'' اس نے تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا، وہ حیرت و دکھ کی ملی جلی کیفیت لئے اسے دیکھ رہی تھی۔
کس قدر کٹھور تھا وہ شخص اس کے بھیک مانگنے پر بھی اس کے پھیلے کشکول کو خالی ہی لوٹا دیا تھا۔
''آپ کو میری بات سمجھ کیوں نہیں آتی عائزہ، میری زندگی میں آپ کی کہیں بھی کوئی بھی جگہ نہیں ہے، پھر آپ کیوں زبردستی جگہ بنانا چاہتی ہیں۔''
''وہ جگہ جو ممکن ہی نہیں ہے۔'' وہ اس کی طرف سے رخ موڑتا قدرے دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔
''اگر آپ ایسا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں تو مجبوراً مجھے آپ کو طلاق دینا ہوگی۔'' اس کے انداز میں ذرا برابر بھی لچک محسوس نہیں ہو رہی تھی، عائزہ خاموش کھڑی اس کی پیٹھ گھورے جا رہی تھی۔
''عقل نے کہا تھا ایک آخری بار احسان سے بات کر دیکھو، کیا معلوم اب کہیں کوئی گنجائش نکل آئے، آج جب اس کے ایک خواب کو تعبیر ملی تو اس دوسرے کی کی تعبیر کی چاہ میں اس کے پاس چلی آئی تھی۔''
مگر وہ آج بھی پہلے دن کی طرح نامراد رہی تھی اب کہیں کوئی گنجائش باقی نہیں تھی، اب کچھ کہنے کو بچا بھی نہیں تھا وہ جس طرح آئی تھی اسی طرح وہاں سے واپس پلٹ گئی کو جو راستہ اس کی منزل تھا ہی نہیں تو اس پر سفر کرتے رہنے کا کیا

فائدہ؟

☆☆☆

عائزہ کا انتظار کرتے اسے کافی دیر ہوچکی تھی، مگر وہ ابھی تک واپس نہیں لوٹی تھی، وقت گزاری کے لئے وہ لان کی طرف چلا آیا جو پورے ہفتے سے اس کی توجہ کا منتظر تھا۔

جس وقت وہ واپس لوٹی وہ پائپ لگا کر منہ پر انگوٹھا رکھے پانی کے پھوارے سے پودوں کو نہلا رہا تھا، عائزہ جس طرح گئی تھی اسی طرح خاموشی سے آکر لان چیئر پر بیٹھ گئی، اس نے اس کی طرف توجہ کی تو معلوم ہوا وہ خاصی غم زدہ دکھائی دے رہی تھی، ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو وہ بہت خوش تھی، پائپ کو کیاری میں چھوڑے وہ اس کے پاس چلا آیا۔

''کیا بات ہے عائزہ ابھی کچھ دیر پہلے تک تو تم بہت خوش تھی اب ایسے اتنی غم زدہ اور یہ تم گئی کہاں تھی؟'' وہ اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گیا، اس نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر بولی۔

''احسان سے ملنے۔'' اس نے آہستگی سے بولا تھا، ابراہیم نے ایک دم چونک کر اس کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

''پھر کیا ہوا؟'' اس نے کسی خدشے کے زیر اثر اس سے پوچھا تھا۔

''وہی جو ہونا تھا۔''

''کیا ہونا تھا؟'' وہ مکمل توجہ لئے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''عظمیٰ ہمیشہ مجھے کہا کرتی تھی میں احسان سے بات کروں، غصے سے، اعتماد سے، کیونکہ میں اس کی بیوی ہوں، اسی لئے آج سوچا اس کی بات مان کر دیکھ لوں۔''

''تو پھر؟'' ابراہیم نے آہستگی سے پوچھا۔

''تو پھر میں ایک آخری بار اس سے اس کے ساتھ کی بھیگ مانگنے کو اس کے آگے جھک گئی، غصے سے، ناراضگی سے ہر طرح سے اسے منانے کی کوشش کی مگر بے سود۔'' وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

''میں نے اسے کہا تھا مجھے اپنے گھر میں تھوڑی سی جگہ دے دو، اپنی بیوی کی حیثیت سے، مگر اس نے مجھے جھڑک دیا، اس نے کہا اس کی زندگی میں میری کہیں کوئی جگہ نہیں ہے اگر میں زبردستی اس کی زندگی میں مداخلت کرنے کی کوشش کروں گی تو وہ مجھے طلاق دے دے گا۔'' بے آواز روتی وہ آنسو بہا رہی تھی، ابراہیم نے ایک پل کو اس کی طرف دیکھا تھا۔

گود میں دونوں ہاتھ رکھے بے آواز آنسو بہاتی غم زدہ سی عائزہ کمال۔

''اس کے چھوڑ دینے کا غم تمہیں رلا رہا ہے عائزہ؟'' اس نے بڑی سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

''نہیں، ہرگز نہیں۔'' اس نے شدت سے انکار کیا تھا۔

''تو پھر؟'' اس نے آنسو بھری نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں اس شخص کے ساتھ اپنے ماں باپ کی رضامندی سے ان کی خوشی سے یہاں رخصت ہو کر آئی تھی، میں نے اسی لئے پوری کوشش کی میں اس رشتے کو نبھا پاؤں مگر...... اس شخص کے ساتھ کی طلب میں میں ہر حد گزر گئی اسی کی وجہ سے میں کیا سے کیا ہوگئی ابراہیم، خدا سے بھی شکوہ کناں ہوگئی مگر آج جانا میں اس رشتے پر چلنے کی کوشش کر رہی تھی جو میری منزل تھا ہی نہیں۔'' اس کے آنسوؤں کی روانی میں اضافہ ہوا تھا۔

''میں جیسی بھی ہوں میں نے جو بھی کیا تم سب جانتے ہو، مجھے بتاؤ مجھے کیا ملا؟'' گود میں

رکھے اپنے ہاتھوں کو سامنے پھیلا کر دیکھتی وہ روئے جا رہی تھی۔

''ادھر آؤ عائزہ۔'' وہ کرسی دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس کا منتظر تھا عائزہ نے حیرت سے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کہاں؟''

''تم آؤ تو ذرا۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پودوں کے پاس چلا آیا۔

بہار کا موسم عروج پر تھا ہر طرف پھول ہی پھول کھلے تھے وہ اسے مختلف پھولوں کے درمیان لے آیا، پھر ہاتھ بڑھا کر ہر پھول کو چھونے لگا، ان کی نرماہٹ اس کی انگلیوں کو گدگدانے لگی تھی، عائزہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''یہ پھول کس قدر خوبصورت دکھائی دیتے ہیں ناں، دل چاہتا ہے انہیں اپنے پاس قید کرلیا جائے، ان کی خوشبو، ان کی نرماہٹ۔''

''تم نے کبھی غور کیا عائزہ یہ پھول ان کی خوشبو ان کی نرماہٹ بس اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک یہ اپنی ٹہنیوں سے جڑے رہتے ہیں، پھر جب انہیں ٹہنی سے الگ کر دیا جائے تو ان کی خوشبو ان کی نرماہٹ بس ذرا دیر تک ہی قائم رہتی ہے پھر یہ مرجھا جاتے ہیں۔'' اس نے مثال دے کر اسے اس کی زندگی کی بڑی گہری بات سمجھانا چاہی تھی، اس نے گلاب توڑ کر اس کی طرف بڑھایا پھر بولا۔

''کیا تم اب اسے کسی دوسرے پھول کی جگہ جوڑ سکتی ہو؟'' اس نے کچھ دیر خاموش رہ کر اس کے جواب کا انتظار کیا تھا مگر اسے خاموش دیکھ کر وہ مزید گویا ہوا۔

''تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتی عائزہ، اب تم اسے اس کی جگہ یہ تو کیا کسی کی بھی جگہ پر نہیں جوڑ سکتی، ٹھیک اسی طرح رشتے ہمیشہ اپنی جگہ اچھے لگتے ہیں اگر ان کے اندر توڑ جوڑ کی کوشش کی جائے تو یہ اپنی پہچان کھو دیتے ہیں، تمہارے ساتھ بھی یہی ہوا ہے زبردستی تمہیں کسی کے ساتھ ان چاہے رشتے میں باندھ دیا گیا اس رشتے میں جہاں تمہاری گنجائش ہی نہیں تھی اور اب تم زبردستی گنجائش بنانے کی کوشش میں مزید بے سکونیاں کیوں پالنا چاہتی ہو، دوسروں کی توجہ پانے کی خواہش میں تم نے اب تک نجانے کیا کچھ کیا ہے احسان کے کیے کی سزا خود کو دیتی رہی، کیا ملے گا یہ سب کر کے تمہیں، صرف وقتی سکون، چند لمحوں کی خوشی، تم ہمیشہ کی خوشی حاصل کرنا کیوں نہیں چاہتی ہو عائزہ، ہمیشہ ان رشتوں کے پیچھے کیوں بھاگتی ہو جو سراب سے زیادہ کچھ نہیں، جو تمہارے لئے ہے ہی نہیں تم اس رشتے کے متعلق کیوں نہیں سوچتی جو صرف تمہارا ہو۔'' اس کے کہے لفظ اس کے دل پر ضرب لگا رہے تھے اس کے آنسو شدت سے بہنے لگے تھے۔

''اپنے حصے کی خوشیاں نہ ملنے پر جس حسرت سے تم دوسروں کو دیکھا کرتی تھی مجھے تم سے خوف محسوس ہوتا تھا عائزہ، اس وقت میں نہیں روکنا چاہتا تھا کہ تم لوگوں کی خوشیوں کو اس قدر حسرت کی نگاہ سے مت دیکھو، جانتی ہو حسرت کی آہ کس قدر بری ہوتی ہے، اس ایک آہ میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ کسی کی بھی ہستی بستی زندگی پل بھر میں تباہ کر کے رکھ سکتی ہو، تم دوسروں کو حسرت سے مت دیکھو، لوگوں کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ کر ان کی خوشی میں خوش رہنا سیکھ جاؤ دیکھنا پھر تمہارے حصے کی خوشیاں خود تمہارے پاس چلی آئیں گی۔'' وہ اس کے نزدیک چلا آیا اور اس کے مقابل آ کر بولا۔

''پلٹ آؤ اس لاحاصل سفر سے اور آنکھیں کھول کر اپنے آس پاس تو دیکھو، کیا تمہیں میں دیکھائی نہیں دیتا؟'' اس کے سوال پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اگر میں کہوں تم مجھ سے شادی کر لو تو کیا تم میری بات مان لو گی؟'' عائزہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی، وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے بغیر جی نہیں سکوں گا مگر یقین جانو تمہارے ساتھ زندگی گزار کر مجھے بہت اچھا لگے گا۔''

''جب میں پہلی بار تم سے ملا تھا اس وقت ایک مسیحا کی طرح مجھے تم سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی مگر جیسے جیسے میں نے تمہیں سمجھا، تمہیں جانا، اپنے دل میں تمہارے لئے محبت محسوس کی۔'' وہ مسکرا کر اعتراف کر رہا تھا عائزہ حیرانگی سے بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی تھی جب اس نے پوچھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''تمہیں مجھ سے محبت؟'' وہ اپنی طرف اشارہ کیے پوچھ رہی تھی۔

''کیوں تم سے محبت نہیں ہوسکتی کیا؟'' اس نے الٹا اسی سے سوال کر دیا، جس پر اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔

''محبت خوبصورت لوگوں سے ہوتی ہے۔''

''نہیں جن سے محبت ہو وہ خوبصورت دیکھائی دیتے ہیں۔'' ابراہیم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی تصیح کی تھی۔

''اور مجھے تم خوبصورت دیکھائی دیتی ہو کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے۔'' کتنا پیار بھرا تھا اس کے لفظوں میں عائزہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ اور کہہ نہ پائی تھی جب وہ اسے کہنے لگا۔

''آج تک تم ہر رشتے کے پیچھے بھاگی ہو اب ذرا ٹھہر کر دیکھو کیا معلوم اس ایک رشتے میں تم اپنا ہر رشتہ پالو۔'' اس نے بڑی اپنائیت سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور منتظر نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگا۔

یہ سچ تھا وہ ہمیشہ رشتوں کے پیچھے بھاگی مگر اتنی چاہ سے تو کبھی کسی نے نہیں روکا تھا، اس کے دل نے کہا تھا اس پر یقین کر لے اور اس نے اس پر یقین کر لیا، بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس نے تھک کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا، لاحاصل کو جیسے حاصل مل گیا، اس کے لئے اب آگے کا سفر آسان تھا، مگر اپنے پاگل پن میں جو نقصان کرتی آئی تھی اس کا کیا؟ آج اس نے جانا۔

کسی بھی چیز کی حد درجہ تمنا میں صرف اور صرف خواری حصے میں آئی ہے، وہ بھی جس قدر خوار ہوسکتی تھی ہوئی مگر اب منزل اس کے سامنے تھی، اس نے سوچا، خواب دیکھنا بری بات نہیں ہے مگر۔

خوابوں کو خواہش بنا کر انہیں پانے کی آرزو میں خود کو تھکانے سے بہتر ہے ان خوابوں کو جلا دیا جائے کیونکہ آرزوؤں کے سراب کے پیچھے جتنا بھاگو گے وہ خود سے اتنا ہی دور بہت دور بھاگتے محسوس ہوں گے اور اگر اپنی جگہ رک جاؤ گے تو وہ خود بخود تمہاری جھولی میں آن گرے گے۔

ابراہیم محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اس نے نمی بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے کندھے سے سر اٹھا دیا۔

زندگی مسکرا رہی تھی، کیونکہ اب زندگی کے سفر میں سے اپنے حصے کی خوشیاں وصولنے کی باری اس کی تھی۔

☆☆☆

سوزِ دل

تحسین اختر

وہی شورشیں ہیں وہی تڑپ
وہی دردِ غم وہی سوزِ دل
یہی زندگی ہے تو کیا کہوں
کوئی اس سے بڑھ کے سزا نہیں
انہیں پا کے جو نہ پا سکیں
یہ میرے نصیب کی بات تھی
وہ ہزار مجھ سے جدا رہے
میرے دل سے پھر بھی جدا نہیں
وہی اپنی طرزِ وفا رہی
وہی ان کی مشقِ جفا رہی

وہ ظلم کرتے ہیں اس طرح
جیسے میرا کوئی خدا نہیں
کوئی خدا نہیں

☆☆☆

''اپنے شہر کی بارشوں کا بھی حال برا ہے، چند پل کے لیئے برستی ہیں اور ہر طرف پانی ہی پانی کھڑا ہو جاتا ہے۔'' وہ گاڑی میں سے باہر دیکھتے ہوئے بولا تھا، واقعی کل شام بارش ہوئی تھی اور اب تک سڑکوں پر پانی ہی پانی تھا۔

''بارشوں کا حال نہیں برا، شہر کا حال برا

ناولٹ

ہے، شہر کی انتظامیہ کا حال برا ہے، اس پانی کے نکاس کا کوئی انتظام بھی ہونا چاہیے، اب دیکھ لو لوگوں کو کتنی مشکل پیش آ رہی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے، مگر اس سسٹم کو پوچھے کون، خیر یہ لمبی بحث ہے، تم ذرا گاڑی یہاں روکنا۔'' وہ ایک بہت بڑا مارٹ تھا، جس کے سامنے سے ہم گزر رہے تھے جب اذان نے مجھے کہا تھا اور میں نے گاڑی کو بریک لگا دیئے تھے۔

''کیا لینا ہے؟'' میں نے پوچھا تھا۔

''فرزانہ نے کہا تھا آتے ہوئے تمہاری پسندیدہ آئس کریم لے آؤں۔'' وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولا تھا۔

"یار ہر ہفتے اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے، بھابھی نے کھانا بنایا ہوگا نا، وہی کافی ہے بس، آئس کریم کا تکلف رہنے دو۔"

"چلو تمہارے بہانے یہ عیاشی کبھی کبھی ہمیں بھی مل جاتی ہے۔" وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا تھا۔

"شرم کرو کچھ، جتنے چٹورے ہو تم میرا خیال ہے بھابھی گھر کے بجٹ کا بڑا حصہ بس تمہارے کھانے پینے میں ہی خرچ کرتی ہیں۔" وہ آئس کریم لے کر ہی ٹلنے والا تھا، میں بھی گاڑی لاک کرکے اس کے پیچھے پیچھے آ گیا تھا، وہ ہنستے ہوئے مارٹ کے اندر چلا گیا تھا۔

"ایکسکیوزی کیا چاہیے سر!" میں مارٹ کے ایک کونے میں بنے کیبن کے اندر رکھے پرفیومز کی وسیع رینج کو دیکھنے لگا تھا جب میں نے اپنے پیچھے ایک نہایت سریلی اور میٹھی آواز سنی تھی۔

"مجھے بتائیے میں آپ کی کچھ ہیلپ کر سکتی ہوں۔" وہ وہاں ملازم تھی اور اپنی پیشہ وارانہ مسکراہٹ سے مجھے اکسا رہی تھی، کہ میں وہاں سے کچھ خرید لوں اور میں پہلے اس کی آواز کی مٹھاس میں کھویا تھا پھر اس کے خیرہ کن حسن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا اور اب اس کی دل نشین مسکراہٹ میرا دل ڈانواں ڈول کر رہی تھی، میں کوئی دل پھینک قسم کا انسان نہیں تھا، شاید میری طرح کی کیفیت سے گزرنے والے سب انسان ہی کہتے ہوں گے لیکن میں واقعی بڑا لیا دیا رہنے والا انسان تھا، میں یوں کسی سے کم ہی متاثر ہوتا تھا، بہت سی لڑکیاں روزانہ نظروں سے گزرتی تھیں مگر کبھی کسی نے یوں متاثر نہ کیا تھا، میں سب کچھ بھول بھال کر اس پری پیکر میں کھو سا گیا تھا۔

"چلیں۔" اذان میرے پاس آ کر بولا تھا اور میں نا چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ اس مارٹ سے باہر آ گیا تھا حالانکہ اس وقت میرا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ میں اس جگہ پتھر ہو جاؤں اور اس مہ جبین کو دیکھتا رہوں اور سنتا رہوں۔

بھابھی نے ہمیشہ کی طرح کھانا بہت لذیذ اور محنت سے بنایا تھا، مگر میں پہلے جیسی رغبت سے نہ کھا سکا تھا میرے سامنے میری من پسند اسٹرابری فلیور کی آئس کریم پڑی تھی اور میں کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

"لگتا ہے فرزانہ آج تم نے کھانا نیت سے نہیں بنایا، وہاب نے تو کچھ کھایا ہی نہیں، میں ہی سارا وقت کھاتا رہا ہوں۔" اذان کب سے کھانے میں اس کی بے دلی کو نوٹ کر رہا تھا آخر رہا نہ گیا تو اپنی بیوی کو مخاطب کرتے بولا تھا۔

"نہیں نہیں بھابھی بخدا ایسی بات نہیں ہے، کھانا تو بہت مزے کا ہے، یہ اسپیشل مصالحہ رائس اور چکن جلفریزی اس کو تو ٹیسٹ بہت ہی منفرد تھا، آپ نے تو بڑے بڑے ہوٹلوں کو مات دے دی ہے۔" وہ جلدی سے بولا تھا، اذان کی بات نے اسے شرمندہ کر دیا تھا، بھابھی نے جانے کتنے گھنٹے اس کی خاطر کچن میں صرف کیے ہوں گے اور وہ بے توجہی دکھائے یہ کیسے ممکن تھا۔

"اور یہ آئس کریم جو پگھل پگھل کر پانی ہو رہی ہے اور آپ کے اندر اترنے کو کب سے پر تول رہی ہے۔"

"تم بھی نا یار کبھی کبھی بندے کو شرمندہ کروا دیتے ہو۔" فرزانہ بھابھی کچھ رکھنے کچن میں گئیں تو میں نے پگھلی ہوئی آئس کریم کھاتے ہوئے اذان کو گھورا تھا۔

"تم اور شرمندہ۔" اذان نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا تھا اور میں بے بس سے اسے دیکھ کر رہ

گیا تھا۔

☆☆☆

مارچ کا آغاز تھا، ہوا بہت تیز تھی اور موسم بے حد خوش گوار، گزشتہ رات ہونے والی بارش نے ہر چیز کو نہلا دیا تھا، وہ اپنے گھر کے سامنے بنے چھوٹے سے پارک میں واک کر رہا تھا، اردگرد بنی کیاریوں میں کتنے ہی رنگ رنگ کے پھول کھلے تھے، وہ چھٹی والے دن بے شک دس بجے ہی کیوں نہ بیدار ہوتا آدھا گھنٹہ پارک میں واک کرنے ضرور آتا تھا، ابھی بھی وہ بڑی فرصت سے چہل قدمی کر رہا تھا مگر دل و دماغ پر اسی لڑکی کا پہرہ تھا جیسے پرسوں اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا اور اب بار بار دیکھنے کو دل کر رہا تھا، کل کا سارا دن اور گزری ساری رات اس نے اس میٹھی آواز، دل نشین مسکراہٹ اور حسین ترین چہرے کو بھلانے میں گزار دی تھی، مگر وہ نا کام رہا تھا، وہ ایک بات بھی نہیں بھولا تھا، وہ تو دل پر یوں نقش ہو کر رہ گئی تھی جیسے یہ نقش اب کبھی نہیں مٹے گا اور دوپہر تک وہ اتنا بے تاب ہوا تھا کہ ایک بار پھر اس مارٹ میں جا پہنچا تھا، مارٹ میں بہت رش تھا لوگ مختلف چیزوں کی خریداری کر رہے تھے، چھوٹے بچے اپنی ماؤں کو تنگ کر رہے تھے کہ وہ انہیں کبھی کچھ لے کر دیں تو کبھی کچھ، آج کل ان بڑے بڑے اسٹوروں اور شاپنگ پلازوں کی کامیابی کا راز یہی تو تھا کہ وہ ہر چیز سامنے سجا دیتے ہیں بندہ گھر سے ایک چیز لینے جاتا ہے اور پانچ دس چیزیں لے کر گھر لوٹتا ہے، پھر اتنی ساری دل لبھانے والی چیزوں کو ایک ساتھ اور اتنی زیادہ ورائٹی میں دیکھ کر بچے کیوں ضد نہ کریں، مگر اس کا دل تو انوکھا بچہ ثابت ہوا تھا، وہ کسی شے کی جانب راغب نہیں تھا اس کو تو وہ دل لبھانے والی ہی اتنی بھا گئی تھی کہ اسی کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگا تھا، دل

بے تاب تھا تو نظریں اس کی ڈھونڈ رہی تھیں پھر وہ اسے ایک کنٹر کے پاس کھڑی نظر آ گئی، وہ بے چینی سے اس کی جانب لپکا تھا۔
''جی سر آپ کو کیا چاہیے؟'' وہ فارغ ہو کر اس کے پاس آئی تھی، وہ گھر سے کچھ خرید نے آیا ہوتا تو اسے کچھ بتاتا بس ہونقوں کی طرح اسے دیکھتا رہا تھا۔
''سر آپ کیا لینا چاہیں گے؟'' وہ ایک بار پھر بولی تھی۔
''وہ......وہ......'' وہ ہکلانے لگا تھا اور لڑکی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔
''آپ کا تھوڑا سا ٹائم، وہ ایکچوئیلی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے، بہت ضروری بات۔''
''جی کہیے۔'' وہ چونکہ شکل سے پڑھا لکھا اور مہذب نظر آیا تھا اس لئے لڑکی بلا کسی ہچکچاہٹ کے بولی تھی، ویسے بھی وہ روزانہ اتنے مردوں کو ڈیل کرتی تھی، اس لئے بہت پراعتماد تھی، اگر وہ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو اتنا کہنے پر ہی سخت سست سنا دیتی یا پھر گھبراہٹ میں گالیاں دینے لگتی۔
''وہ میں اپنے فرینڈ کے ساتھ پہلی دفعہ یہاں آیا تھا اور آپ کو دیکھ کر یقین کریں جانے کیسے پہلی نظر کی محبت والا محاورہ سچ ثابت ہو گیا، میں جب سے یہاں سے گیا ہوں آپ کو ایک پل کے لئے بھی نہیں بھول سکا اور نتیجہ یہ کہ آج پھر آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔'' وہ جلدی جلدی یوں اظہار محبت کر رہا تھا جیسے رٹا ہوا سبق سنا رہا ہو، اس نے بلا تامل اپنا آپ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا، لڑکی نے بڑے تحمل سے اس کی بات سنی تھی اور پھر بولی تھی۔
''دیکھیں مسٹر! آپ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ ہوش وحواس میں کہہ رہے ہیں، اتنی تیز رفتار زندگی میں جب سب کو اپنی اپنی پڑی ہے کوئی کسی کو رک کر ایک منٹ دیکھنے کا روادار نہیں ہے اور آپ جانے کس زمانے کی باتیں کر رہے ہیں اس لئے آپ کے لئے اچھا ہے کہ آپ نہ تو اپنا ٹائم ویسٹ کریں اور نہ میرا، میں اس وقت آن ڈیوٹی ہوں اور مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' وہ نرمی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی اور وہ منہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''یار تجھے مسئلہ کیا ہے آخر، ایک ہفتہ ہو گیا ہے مجھے تمہیں دیکھتے ہوئے تم آخر کن خیالوں میں کھوئے رہتے ہو، نہ تمہیں کسی کے آنے کا پتہ چلتا ہے نہ جانے کا، آخر ماجرا کیا ہے، آفس میں بھی تم خلاؤں میں گھورتے رہتے ہو اور یہاں گھر میں بھی تمہاری مت ماری ہوئی ہے، میں نے تمہیں کہا چائے لے کر آؤ اور تم یہ اورنج جوس لے کر آئے ہو، چلو خیر جوس بھی اچھا تھا، پھر میں نے تم سے آفس والی فائل مانگی تم نے یہ رسالہ لا کر مجھے تھما دیا۔'' اذان آج جی بھر کر اس کی خبر لے رہا تھا۔
کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ کچھ نہ کہو خاموش رہو
اے لوگو! خاموش رہو ہاں اے لوگو خاموش رہو
سچ اچھا پر اس کے جلو میں زہر کا ہے ایک پیالہ بھی
پاگل ہو جو کیوں ناحق کو سقراط بنو خاموش رہو
مجلس میں کچھ حبس ہے اور زنجیر کا آہن چبھتا ہے
پھر سوچو ہاں پھر سوچو ہاں پھر سوچو خاموش رہو
گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں من میں کیا کیا موسم ہیں
اس بگھیا کے بھید نہ کھولو سیر کرو خاموش رہو
آنکھیں موند کنارے بیٹھو من کے رکھو بند کواڑ
انشاء جی لو دھاگہ لو اور لب سی لو خاموش رہو
اس نے اذان کے کلاس لینے پر انشاء جی کو

بیچ میں ڈالا تھا اور دم سادھ لیا تھا۔
"مگر مجھ سے خاموش نہیں رہا جاتا۔" وہ بھی اذان تھا، اتنی جلدی کیسے ہار مان جاتا، تو وہ سوالیہ نشان بن کر سامنے بیٹھ گیا تھا۔
"تو یہ کہ بک دو جو چھپائے بیٹھے ہو۔" وہ تنگ پڑ گیا تھا۔
"کیا؟" وہ کھل نہیں رہا تھا۔
"وہی جو تمہارے دل میں ہے اور میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"
"کیوں؟" وہ اذان کی برداشت کی آخری حدوں تک جا پہنچا تھا۔
"کیونکہ میں دفع ہو رہا ہوں اور تم یہاں گوتم بدھ بن کر بیٹھ رہو۔" اذان جوتے پاؤں میں اڑس کر اٹھنے لگا تھا۔
"اچھا یار بیٹھو تو، تم تو آج سچ اگلوانے پہ تلے ہوئے ہو۔" وہ اذان کو ناراض نہیں کر سکتا اور وہ ناراض ہو کر جا رہا تھا۔
"ہاں میں آج سچ سن کر ہی جاؤں گا۔" وہ پھر سے پھیل کر بیٹھ گیا تھا اور وہاب نے اسے خود پر گزرنے والی عشق کی واردات کا لفظ لفظ سنا دیا تھا اور اس کی داستان سنتے وقت اذان کی حالت اور حرکتیں دیکھنے والی تھیں، وہ کبھی منہ میں انگلی داب لیتا اور کبھی آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگتا کبھی سر کھجانے لگتا اور کبھی پاؤں فرش پر مارنے لگتا۔
"شرم کرو یار ایک لڑکی تم سے پٹائی نہ گئی۔" وہ چپ ہوا تو اذان بولا تھا۔
"کیسی واہیات زبان استعمال کر رہے ہو مجھے لڑکی پٹانے کی ضرورت بھی نہیں ہے، میں اس پر کوئی جال نہیں ڈالنا چاہتا میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں سچی اور کھری محبت، بس اور کچھ نہیں۔" وہ اس کی بات کا برا مانتے ہوئے بولا تھا۔
"ایک انجان لڑکی سے تمہیں محبت ہو گئی اور ابھی تک کچھ نہیں ہوا تمہاری نظر میں، یہ کچھ نہیں ہے کیا؟" وہ گلا پھاڑتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
"ہاں انجان لڑکی ہے، تمہاری طرح کبھی پھوپھی زاد سے عشق نہیں ہوا اور نہ کبھی تایا زاد سے۔"
"مگر میری شادی تو ماموں زاد سے ہوئی نا پھر بھی۔" وہ ہنسنے لگا تھا۔
"میں تمہاری طرح فراڈیا نہیں ہوں کہ وعدے کسی اور سے کروں اور شادی کسی اور سے، محبت کسی اور سے کروں اور گھر میں اور کو بساؤں۔"
"واہ ابھی محبت کا بخار پوری طرح چڑھا نہیں اور ڈائیلاگ بڑے بڑے بولنے آ گئے ہیں۔"
"اچھا اب طنز ہی کرتے رہو گے یا میرے لئے کچھ کرو گے؟"
"کیوں نہیں، ہم تو یاروں کے یار ہیں، چلو اٹھو۔" وہ بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے بولا تھا۔
"مگر کہاں؟"
"آؤ تو۔" وہ اسے لئے باہر آ گیا تھا، پھر اذان کی بائیک وہاں جا رکی تھی جہاں آ کر وہاب کے دل کی دھڑکن تھم جاتی تھی۔

☆☆☆

بہار کا موسم اپنے جوبن پر ہے، ہر طرف ٹھنڈی ہواؤں کا راج ہے، روئی کے گالوں جیسے بادل آسمان کی وسعتوں میں اٹھکیلیاں کرتے پھرتے ہیں مگر اس نیم تاریک اور دو مرلے کے گھر میں حبس کا راج ہے، لکڑی کے رنگ اڑے دروازے سے اندر داخل ہوں تو دائیں ہاتھ واش روم اور اس کے ساتھ باہر بیسن لگا ہوا ہے، جس

کے اوپر زنگ آلود شیشہ ٹنگا ہوا ہے، آگے آئیں تو بائیں طرف چھوٹا سا کچن ہے اور سامنے ایک کھلا سا کمرہ، کمرے کے آگے برآمدہ ہے اور برآمدہ میں ایک پرانا سا تخت رکھا ہوا ہے جس پر وہ ہمیشہ کی طرح میلے سے تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز ہے۔

''تمہاری تیاری ہوگئی ہو تو ناشتہ لے آؤں، خالی پیٹ دو تین سگریٹیں پھونک چکا ہوں اس کڑوے دھوئیں سے پیٹ نہیں بھرتا اب۔'' اس نے منہ کھول کر جمائیاں لیتے ہوئے اندر کمرے کی طرف دیکھ کر آواز لگائی تھی۔

''تو تمہیں کس نے کہا ہے کہ خالی پیٹ سگریٹ پہ سگریٹ پیے جاؤ۔'' وہ لپ اسٹک کو فائنل ٹچ دے کر چنا ہوا دوپٹہ گلے میں ڈال کر کچن کی طرف آگئی تھی، چائے اس نے پہلے ہی دم پر رکھی ہوئی تھی وہ کپوں میں ڈالی اور دو توس سینک کر دو ہی انڈے فرائی کر کے باہر لے آئی تھی۔

''اتنا سوکھا سڑا ناشتہ۔'' وہ ناشتے کی ٹرے دیکھ کر منہ بناتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اور ناشتہ کیسا ہوتا ہے۔'' وہ اپنے توس پر انڈا رکھ کر اسے لپیٹ کر مزے سے کھاتے ہوئے بولی تھی۔

''گرم گرم پراٹھے ہوں، دہی ہو، حلوہ پوری ہو ساتھ میں چنے ہوں تو مزا ہی نہ آجائے، مگر اپنی ایسی قسمت کہاں۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولا تھا۔

''مجھے اور بھی بہت سے کام ہوتے ہیں ایسا ناشتہ وہی بنا سکتا ہے جو سارا دن فارغ چولہے کے آگے کھڑا رہے۔'' وہ ماتھے پر بل ڈال کر اسے گھورنے لگی تھی۔

''چلو چھوڑو ناراض کیوں ہوتی ہو، یہ بتاؤ وہ تمہارا عاشق دوبارہ آیا کہ نہیں، تم بتا رہی تھی کہ یہ اتنی بڑی سی گاڑی تھی اس کے پاس، کوئی تگڑی آسامی لگتا ہے۔'' وہ ناشتے سے زیادہ اپنی بات کا مزا لیتے ہوئے اسے پوچھنے لگا تھا۔

''دوبارہ نہیں آیا۔'' وہ اپنا ناشتہ ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اب آئے تو اسے تھوڑا سا گھاس ڈال دینا۔'' وہ پرس اٹھا کر گھر سے نکلنے لگی تھی جب پیچھے اس نے اپنے شوہر کی بات سنی تھی اور لکڑی کا رنگ اڑا دروازہ زور سے جیسے اس کے منہ پر مار کر باہر نکل آئی تھی۔

''وہ دیکھو وہ رہی۔'' وہاب نے اشارے سے اذان کو بتایا تھا۔

''او کے آؤ۔'' اذان اسے لے کر اس کی طرف آگیا تھا۔

''ہیلو مس۔'' اذان بولا تھا۔

''ماہم!'' اس نے گہری نظروں سے وہاب کو دیکھا تھا، اذان کو اپنا نام بتا کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''مس ماہم ایسا ہے کہ یہ میرا دوست ہے وہاب نعیم اور یہ میرے ساتھ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جنرل منیجر کے عہدے پر فائز ہے، مگر آپ کو دیکھ کر اس کی مت ماری گئی ہے، غالباً یہ پہلے بھی اپنا مقدمہ لے کر آپ کے پاس آیا تھا اور آج پھر یہ آپ کو اپنا حال دل سنانا چاہتا ہے کیونکہ آپ کی محبت نے اس اچھے بھلے جنرل منیجر کو مجنوں بنا دیا ہے۔'' اذان نے دلچسپ انداز میں وہاب کی وکالت کی تھی۔

''میں ابھی آن ڈیوٹی ہوں، ڈیوٹی ٹائم کے بعد یہ سامنے پزا ہٹ میں آجائیں میں وہاں ان کی بات سن لوں گی۔'' ماہم نے وہاب کے دل پر بجلیاں گراتے ہوئے اذان سے کہا تھا اور اذان ماہم کا شکریہ ادا کر کے وہاب کو لے کر باہر آگیا

تھا، دہاب کی اس وقت کیا حالت تھی صرف وہی جان سکتا تھا، وہ قدم رکھ کہیں رہا تھا اور قدم پڑ کہیں رہے تھے، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی مان جائے گی۔

''یار تم نے تو میری بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے، میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں، میری زندگی پر تم نے بہت بڑا احسان کیا ہے، اگر تم میرے ساتھ نہ آتے تو ماہم کبھی میری بات نہ سنتی، تم اس مارٹ کے پرانے کسٹمر ہو تمہیں وہ جانتی تھی اس لئے اس نے تمہاری بات سنی۔'' وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

''میں یہاں کا پرانا کسٹمر ضرور ہوں مگر کبھی اس سے میری علیک سلیک نہیں ہوئی، باقی رہی تم پر احسان کرنے والی بات تو ایسا مت کہو، میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، احسان تو تم نے مجھ پر کیا تھا جب فرزانہ موت وحیات کی کش مکش میں پڑی تھی اور مجھے اس کے لئے بلڈ نہیں مل رہا تھا اور تم نے جس طرح فرزانہ کو بلڈ دے کر اس کی جان بچائی تھی اصل احسان تو وہ تھا اور اگر آج میرے ذرا سا یہاں تک آ جانے سے تمہارے دل کو خوشی مل گئی تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے البتہ مجھے حد سے زیادہ خوشی ہے۔''

''اچھا اب یہ سنجیدگی کا لبادہ اتارو اور کہیں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں۔'' وہ اذان کو احسان مندی کے فیز سے باہر نکالتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں بولا تھا۔

''کافی کیوں، گھر چلتے ہیں، فرزانہ سے کچھ بنوا کر کھاتے ہیں۔'' اذان نے کہا تھا۔

''نہیں اس طرح تو بہت دیر ہو جائے گی اور مجھے چار بجے کے بعد ماہم سے بھی ملنا ہے، ذرا گھر جا کر تیاری شیاری کر دوں گا۔'' دہاب نو عمر لڑکوں کی طرح کان کھجاتے ہوئے مسکرا کر بولا تھا۔

''او ہو تیاری شیاری میں تو بھول ہی گیا تھا، چل پھر تجھے گھر چھوڑ دوں۔'' اذان نے بائیک کو کک لگائی تھی اور اسے اس کے فلیٹ پر لے آیا تھا۔

☆☆☆

دہاب نعیم کا تعلق اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے تھا، وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا، اس لئے ہر اکلوتے بچے کی طرح اس کی پرورش بھی نہایت ناز ونعم میں ہوئی تھی، مگر اسے اپنے باپ کی زمینداری پسند نہ تھی، وہ گاؤں کے ماحول سے گھبراتا تھا اور شہر کی طرف بھاگتا تھا، اس کے باپ نے اس کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اپنی زمین بیچ کر شہر میں ایک اچھا سا گھر خریدا اور ساتھ ہی اپنا کاروبار شروع کر لیا، اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا اس لئے شہر کے سب سے اچھے اسکول میں اسے داخل کروا دیا گیا اور یوں وہ تیزی اور کامیابی سے تعلیمی مدارج طے کرنے لگا، جب وہ بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کر رہا تھا، تب تک اس کی دونوں بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں، مگر جانے ایسا کیا ہوا کہ ان کے کاروبار میں گھاٹا پڑا اور بابا کے پارٹنر نے ایسا فراڈ کیا کہ گھر اور فیکٹری دونوں بیچ کر بھی نقصان نہ پورا ہو سکا، اس صدمے کو نعیم الرحمٰن نے ایسا دل پر لیا کہ منوں مٹی تلے جا سوئے اور گردش زمانہ میں بیوی اور بیٹے کو پسنے کے لئے چھوڑ گئے، وہ زمانہ دہاب نعیم کے لئے بے حد مشکلات کا زمانہ تھا، اسے اپنے اور ماں کے پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کے لالے پڑے ہوئے تھے، ماسٹرز جیسی مہنگی پڑھائی کا خرچہ کیسے پورا ہوتا کئی دن اور کئی راتیں اس نے ماں کے ساتھ چھوٹے سے کرائے کے گھر میں سوچتے اور پریشان ہوتے گزاری تھیں۔

آخر ایک دن اسے بہادر مردوں کی طرح زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرنا پڑا تھا، اس نے اپنا سمیسٹر فریز کروایا اور خود چھوٹے موٹے کام کی تلاش شروع کر دی جب تک اسے میڈیکل ریپ کی جاب ملی تب تک محلے کی کچھ اچھی ٹیوشنز بھی اسے مل گئیں بس یہاں سے زندگی کا نیا سفر شروع ہوا، صبح سے لے کر شام تک وہ بائیک پر ڈاکٹروں کے پاس دھکے کھاتا اور شام کو ٹیوشن دیتا، کچھ عرصہ تو اسے نہ کھانے کا ہوش رہا نہ پینے کا، وہ گدھوں کی طرح کام کرتا رہا، تاہم چند ماہ میں اس نے اتنے پیسے جوڑ لئے کہ اپنا ماسٹرز مکمل کر سکا، ماں کی دعاؤں میں اثر تھا یا اس کی محنت اور لگن اتنی تھی کہ ماسٹرز کے بعد جلد ہی اسے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھے عہدے پر جاب مل گئی پھر اس نے اپنا ذاتی فلیٹ خریدا اور ماں کو بھی ساتھ لے آیا، جانے اس کی قسمت میں کیسا پھیر تھا کہ کوئی بھی خوشی اسے پوری نہیں ملتی تھی، جب وہ زندگی کی شاہراہ پر کامیابی سے قدم دھر چکا تھا اور کمپنی میں اسے جی ایم کے عہدے پر ترقی ملی تب ماں چند دن بیمار رہ کر بیٹے کو تنہا چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملی تھی، ماں نہ رہی ماں کی دعائیں نہ رہیں تو وہ بھی ڈھے سا گیا تھا، اس کا دل ساری دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا، بہن بیرون ملک جا بسی تھیں، وہ فون پر بھائی کی ہمت بندھاتی تھیں مگر باتوں سے اسے ماں کا سہارا نہ ملتا تھا، آفس میں بھی وہ گم صم سا رہتا تھا، گھر میں بھی اس کی تنہائی بانٹنے والا کوئی نہ تھا، بس روکھے پھیکے دن تھے اور سناٹوں بھری راتیں اور وہ جیسے تیسے انہیں گزار رہا تھا، اذان اس کا کولیگ تھا اس سے ہیلو ہائے ضرور تھی مگر دوستانہ نہ تھا ایک دن وہ بہت پریشان تھا۔

وہاب کو جب پتہ چلا کہ اس کی بیوی ہاسپٹل میں ہے اور اسے بلڈ کی ضرورت ہے تو وہ اس کی بیوی کو بلڈ دینے چلا گیا، اس کا بلڈ گروپ فرزانہ کے ساتھ میچ کر گیا اس کے خون نے فرزانہ کو نئی زندگی دی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی اس کی ویران زندگی میں بہار کا موسم بن کر داخل ہوئے تھے، فرزانہ نے اسے بھائی بنا لیا تھا اور اذان نے جان سے گہرا دوست ان دونوں کو جب اس کے حالات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی ویرانی اور تنہائی بانٹ لی تھی وہ بھی ان کے ساتھ گھل مل گیا تھا اب زندگی پہلے جیسی پھیکی نہ رہی تھی اور اب تو ماہم کی صورت اس کی زندگی کے سب موسموں پر بہار چھانے والی تھی، وہ چار بجے تیار ہو کر پزاہٹ پہنچ گیا تھا، کچھ دیر بعد ماہم آ گئی تھی اور اب کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''وہاں تو آپ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں حال دل بیان کرنے لگے تھے اور اب کیوں چپ ہیں، اب کہیے نا جو کہنا ہے میں سننے کے لئے آئی ہوں۔'' ان دونوں کو خاموش کئی لمحے گزر گئے تھے اس پر فسوں خاموشی کا ہر پل جادو کرتا محسوس ہوتا تھا، جب ماہم نے اس جادو کو توڑا تھا۔

''یقین نہیں آ رہا آپ میرے ساتھ بیٹھی ہیں۔'' وہ گویا ہوا تھا۔

''یقین کر لیں اور وہ بھی کہہ دیں جو دل میں ہے مجھے بھی تو پتہ چلے پہلی نظر کی محبت نے کتنا گھائل کیا ہے آپ کو۔'' وہ لطف لیتے ہوئے بولی تھی۔

''اس محبت نے کچھ چھوڑا ہی نہیں، سنا تھا محبت ہو جائے تو بندہ اپنے بس میں نہیں رہتا، آج دیکھ بھی لیا۔''

''کیا میں اتنی خوبصورت ہوں؟'' وہ اترائی تھی۔

''خوبصورتی محبت کا پیمانہ نہیں ہوتی، جانے روزانہ کتنے حسین و جمیل چہرے نظروں کے سامنے سے گزرتے ہیں مگر دل ہر ایک پر نہیں آتا آنکھ ہر چہرے کا طواف نہیں کرتی، دھڑکنیں ہر کسی کے لیے پاگل نہیں ہوتیں، یہ تو کوئی اور ہی جذبہ ہے، جو اچانک بیدار ہوتا ہے اور پھر دو اجنبیوں کو ایک دوسرے کے لیے اس طرح پاگل کر دیتا ہے کہ اور کوئی چہرہ اچھا نہیں لگتا آنکھ اس چہرے کے سوا کسی اور کو دیکھنا ہی نہیں چاہتی، دل کسی اور کے لیے نہیں دھڑکتا، میں بھی جب سے اس چہرے کا اسیر ہوا ہوں بس اسی کا ہو کر رہ گیا ہوں۔'' وہ اس کے تر و تازہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''کچھ کھانا پینا بھی ہے یا یونہی باتوں سے پیٹ بھرنا ہے۔'' وہ جذباتی انداز سے ہٹ کر بولا تھا، ماہم کو سامنے بٹھا کر تو اس کے احساسات ہی اور ہو گئے تھے، وہ جیسے ایک دائرے کے اندر آ گیا تھا، کسی بھی جذبے میں اتنی شدت اچھی نہیں ہوتی، وہ خود کو سنبھالتے ہوئے پزا کا آرڈر دینے لگا تھا۔

''کھاؤ نا۔'' ماہم پہلی بار اس کے سامنے بیٹھی تھی، اس لیے ہچکچا رہی تھی۔

''آپ بھی لیں نا۔'' کچھ ہچکچاتے کچھ شرماتے ہوئے بولی تھی۔

''تم کھاؤ گی نا تو میرا پیٹ خود ہی بھر جائے گا۔'' وہ پزے کا ایک بڑا سا ٹکڑا کاٹ کر اس کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہنے لگا تھا، وہاب کے لہجے میں اتنی محبت تھی اور باتوں میں اتنی اپنائیت کہ ماہم دو گھنٹوں میں ہی اس سے دو سالوں کی شناسا لگنے لگی تھی۔

☆☆☆

''آج کیا گھر آنا بھول گئی تھی۔'' شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب وہ گھر میں داخل ہوئی تھی، سامنے برآمدے میں اپنے مخصوص تخت پر وہ سگریٹ کے کش لگا رہا تھا، اسے دیکھ کر بولا تھا۔

''گھر آنا کون بھول سکتا ہے۔'' اس نے برآمدے میں کھڑے کھڑے ہائی ہیل کی سینڈل کو اتار کر پھینکا تھا اور خود ننگے پاؤں کمرے میں آ گئی تھی۔

''بھول بھی نہ جانا، مجھے یاد دلانا آتا ہے، کہو کہاں لگائی اتنی دیر۔'' اسے اونچا بولنے کا مرض تھا، ماہم چھوٹے سے گھر کے کسی کونے میں ہوتی وہ تخت پر لیٹے لیٹے سوال جواب کیے جاتا۔

''وہاب کے ساتھ تھی، پزا ہٹ میں۔'' وہ خوب اکڑ کر بولی تھی۔

''کون وہاب؟''

''وہی جسے تم میرا عاشق کہتے ہو۔''

''اوہ تو اس کا نام وہاب ہے۔''

''ہاں وہاب نعیم، کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں جنرل منیجر ہے۔''

''ارے واہ، میں نہ کہتا تھا بڑی تگڑی آسامی لگتا ہے، پھر کیا لائی ہو، کچھ تو تحفہ بھی دیا ہو گا کہ بس پزا ٹھونس کر آ گئی ہو۔''

''آج پہلی بار ملا تھا وہ مجھے اور پہلی بار میں تحفہ کون دیتا ہے۔'' وہ بوسیدہ سے پلنگ پر نیم دراز ہو گئی تھی۔

''تم نے کچھ کھایا؟''

ایک شاندار سے مرد نے جس طرح کچھ دیر پہلے اس سے کھل کر محبت کا اظہار کیا تھا اور جس طرح وہ اس کے لیے پاگل ہوا جا رہا تھا کچھ اس نشے کا اثر تھا اور کچھ خمار مزیدار پزا اور کولڈ ڈرنک کا تھا کہ لیٹتے ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں، اسے اچانک خیال آیا تو بلند آواز میں اس

سے پوچھنے لگی تھی۔
''شکر ہے تمہیں میرا بھی خیال آ گیا، میں تو سمجھا اب تو مجھے بھول گئی بس میری چڑیا۔'' وہ طنز کرتے ہوئے بولا تھا۔
''خیال آیا تو پوچھا ہے۔''
''میں نان چنے لے آیا تھا اپنے لئے، وہی کھائے ہیں، اب ہر کوئی تمہاری طرح خوش نصیب تو نہیں کہ من وسلویٰ سے پیٹ بھرتا رہے، اپنی زبان کو تو اچھے کھانے کا ذائقہ ہی بھولتا جا رہا ہے۔''
''میرے پرس میں پانچ سو کا نوٹ پڑا ہے، لے لو اور جو دل کرتا ہے باہر سے کھا آؤ۔'' وہ نیند کے ہنڈولے میں جھولتے ہوئے بے زاری سے بولی تھی۔
''تم شکل وصورت سے بھی شہزادی لگتی ہو اور دل کی بھی شہزادی ہو۔'' وہ جلدی سے پانچ سو کا نوٹ نکالنے چل پڑا تھا۔

☆☆☆

ماہم صغیر اور ابرار کو کوئی جوڑ نہ تھا، اس کی سوتیلی ماں نے جب ماں کے مرنے کے بعد گھر میں قدم رکھا تو ماہم کو اپنے راستے کا سب سے بڑا کانٹا سمجھا، وہ ہر وقت اس کانٹے کو راستے سے ہٹانے کی ترکیبیں سوچتی رہتی تھی، اس کے لئے سب سے پہلے ماہم کو باپ کی نظروں سے گرانا اور بے وقعت کرنا ضروری تھا، صغیر صاحب ماہم پر جان چھڑکتے تھے اور وہ باپ جو ماہم کے بغیر روٹی کا ایک لقمہ تک نہ توڑتا تھا اب نئی بیوی کے پیچھے لگ کر ماہم کو برا سمجھنے لگا تھا، بات بات پر اس کو ڈانٹ دیتا اور اب تو اس کی پڑھائی چھڑوا کر اسے گھر تک ہی محصور کر لیا تھا، ابرار جو نئی ماں کا چچا زاد تھا ایک دن ان کے گھر آیا اور بس ماہم کے پیچھے پڑ گیا، قصہ مختصر نکھٹو، آوارہ اور بے روز گار ابرار اور نے ایسی ایسی شاطرانہ چالیں چلیں کہ صغیر صاحب ماہم کا ہاتھ ابرار کو تھمانے پر مجبور ہو گئے۔

جس دن ماہم ابرار کے سنگ رخصت ہوئی تھی اس دن ماہم نے خود کو زندہ درگور محسوس کیا تھا وہ دل میں یہ تہیہ کر کے آئی تھی کہ اب مرتے دم تک کبھی باپ کو شکل نہ دکھائے گی، اس میں کسی چیز کی کمی نہ تھی ابرار جیسا شخص اس کا نصیب نہیں تھا، ابرار کے گھر آ کر تو وہ کئی دن تک اپنے لٹنے کا سوگ مناتی رہی تھی، وہ اپنی زندگی کو ختم کرنے کے طریقے سوچتی رہتی تھی، مگر زندگی ختم کرنا کون سا اتنا آسان کام ہے، آہستہ آہستہ اسے ابرار جیسے شخص سے سمجھوتہ کرنا پڑا تھا، ابرار جیسا بھی تھا اس کا بے حد خیال رکھتا تھا، اپنی تمام تر برائیوں کے باوجود اس نے ماہم کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا تھا، ماہم جب یہ سوچتی کہ اس کے سگے باپ سے تو یہ شخص اچھا ہے جو اس کی قدر کرتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے، ابرار کی تمام تر خامیوں کے ساتھ اس نے ناطہ جوڑ لیا تھا، ابرار سست اور کام چور تھا، وہ جواء کھیلتا تھا کبھی پیسے ہار جاتا اور کبھی جیت جاتا، جب ہار جاتا تب کئی دن پڑا رہتا اور جب جیت جاتا تب خوب عیاشی کرتا، ماہم کا اتنے کم پیسوں میں گزارا نہیں تھا، اس لئے اس نے ایک مارٹ میں نوکری کر لی تھی، ہر لڑکی کی طرح اچھا کھانا، اچھا پہننا، بننا سنورنا اس کا بھی شوق تھا، اب وہ اپنی تنخواہ میں سے آدھی تنخواہ خود پر خرچ کرتی تھی اور باقی ابرار کے ہاتھ پر دھر دیتی تھی۔

ابرار کا اٹھنا بیٹھنا آوارہ لوگوں میں تھا، اس کے دوست بھی اس جیسے تھے ایک سے بڑھ کر ایک نکما اور مطلب پرست اس کے گروپ میں شامل تھا اس کے کچھ دوست ایک دو بار اس سے

ملنے اس کے گھر تک آئے تھے اور انہوں نے دروازے پر ماہم کی جھلک دیکھ رکھی تھی، ماہم کا حسن دیکھ کر انہوں نے ابرار کو ایک نئی راہ دکھائی تھی کہ وہ جو گھٹ گھٹ کر جی رہا ہے، ترس ترس کر پیسے خرچ کر رہا ہے، بیوی کے حسن کو کام میں کیوں نہیں لاتا، عیاش اور امیر ترین مردوں سے اس کی دوستیاں کروا دو اور پھر بیوی کے ذریعے ان کی دولت لوٹو، بات ابرار کے دل کو لگی تھی اور تب سے اس نے ماہم کو اس کام کے لئے اکسانا شروع کر دیا تھا، ماہم سے جب اس نے یہ سب کہا تب ماہم کو اس کی بات سن کر خاصا شاک لگا تھا، وہ نکما لوفر آوارہ تھا مگر اتنا بے غیرت بھی تھا اس کا اندازہ ماہم کو نہیں تھا، وہ اس کی بات سن کر چپ کر گئی تھی، وہ جو بھی بکواس کرتا ماہم آخر اپنی ہی مرضی کرتی تھی۔

☆☆☆

''کبھی ماں سے بھی ملواؤ نا۔'' وہ دونوں ایک بہت بڑے ریستوران میں آمنے سامنے بیٹھے تھے گرین کلر کے خوبصورت سوٹ میں آج تو ماہم کا روپ ہی نرالا تھا، وہاب اور اس کی دوستی کو بہت دن گزر گئے تھے، وہاب نے اپنے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا تھا اور جب اس سے پوچھا تھا کہ وہ بھی اپنے گھر والوں سے ملوائے تو ماہم نے کہا تھا کہ اس کا بس ایک بوڑھی ماں کے سوا دنیا میں کوئی نہیں، وہاب کو تو وہ ہر رنگ میں ہی اچھی لگتی تھی مگر آج اس کی چھب ہی الگ تھی، وہاب اس کی ماں سے مل کر اسے جلد سے جلد اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا، اس سے اب اور صبر نہیں ہوتا تھا۔

''ماں سے بھی ملوا دوں گی کسی دن۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''یار جب سے میری ماں کا انتقال ہوا ہے، تب سے میں ماں کی دعاؤں کے لئے ترس گیا ہوں۔'' وہ حسرت آمیز لہجے میں ماہم سے کہنے لگا تھا، ماں کے ذکر پر آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔

''جب سے ماں جی کو میں نے آپ کے بارے میں بتایا ہے وہ آپ کو بہت دعائیں دیتی ہیں۔'' وہ جھوٹ بولتے ہوئے ذرا بھی نہ ہچکچائی تھی۔

''پھر میں ان کا شکریہ ادا کرنے تو ضرور جاؤں گا، آج تمہارے ساتھ ہی نہ چلوں۔''

''نہیں نہیں، آج نہیں۔'' وہ گھبرا گئی تھی۔

''آج کیوں نہیں۔''

''آج اصل میں ہمارے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔''

''او کے پھر سہی۔'' وہ ماہم کی کوئی بات رد کر دیتا ایسا کہاں لکھا تھا۔

''یہاں کیوں روک دی گاڑی۔'' وہ ایک مشہور معروف بوتیک کے سامنے گاڑی رکتے دیکھ کر وہاب سے پوچھنے لگی تھی۔

''اس لئے کہ تم اپنے لئے گرین کلر میں کچھ ڈریسز خرید لو، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ گرین کلر کا ہر شیڈ ہی کیا تم پر اتنا پیارا لگتا ہے جتنا آج یہ والا لگ رہا ہے۔'' وہ ماہم کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا محبت سے بولا تھا، ماہم اتراتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی تھی، پھر نہ تو پیسے خرچ کرتے ہوئے وہاب کا ہاتھ رکا تھا اور نہ ہی ماہم کا دل بھرا تھا چیزیں لیتے ہوئے۔

ہوا میں تیرتے پھرتے حسین ہاتھوں کو
نظر نہ لگے تمہاری شگفتہ باتوں کو
حنوط کرکے میں رکھتا اگرچہ ہر منظر
مگر میں ہوش میں کب تھا بہار راتوں کو

☆☆☆

اذان، فرزانہ کو اس کے میکے چھوڑ کر واپس آ

رہا تھا تھا جب اس نے ایک پھٹیچر سی موٹر بائیک پر ماہم کو بیٹھے دیکھا تھا، اس رستے پر اس کا گزر بھی کبھار ہی ہوتا تھا جب وہ فرزانہ کو اس کے میکے چھوڑنے یا لانے جاتا، اس کا اپنا گھر اس کے سسرال گھر سے بالکل مختلف راستے پر تھا۔

''اوہ تو ماہم اس علاقے میں رہتی ہے۔'' اس نے اپنی گاڑی کی اسپیڈ ذرا سی تیز کی تھی اب اس کی گاڑی اور موٹر بائیک کا فاصلہ قدرے کم رہ گیا تھا۔

''مگر یہ شخص کون ہوسکتا ہے؟'' وہ شخص وضع قطع سے بہت ہی عجیب لگ رہا تھا، ماہم کی نرم مزاجی اور شائستگی تو اسے کسی بہت اچھی فیملی سے ظاہر کرتی تھی مگر جس شخص کے ساتھ وہ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی وہ اس سے بالکل الٹ تھا، لمبے لمبے بال، کان میں بالی، بڑی بڑی مونچھیں اور گلے میں مفلر، وہ تجسس میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا، آخر ان کی بائیک ایک تنگ سی گلی میں مڑ گئی تھی، اذان چونکہ گاڑی میں تھا اور اس کی گاڑی آسانی سے اس گلی میں نہ جاسکتی تھی اس لئے اس نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور پیدل ہی گلی میں چل پڑا تھا، وہ دونوں بائیک باہر ہی کھڑی کرکے ایک چھوٹے سے گھر میں داخل ہوگئے تھے۔

''صاحب جی کس سے ملنا ہے؟'' ایک لڑکا اپنے گھر کے باہر تھڑے پر فارغ بیٹھا ہوا تھا، اس کا کام ہی شاید گلی میں ہر آنے جانے والے پر نظر رکھنا تھا، ایسے علاقے اور ایسی گلیوں میں اس جیسے بے شمار کردار پائے جاتے ہیں۔

''ہوں کسی سے نہیں۔'' اذان دل ہی دل میں شرمسار ہوگیا تھا کہ ایسے ہی منہ اٹھا کر ان کے پیچھے چل پڑا۔

''ابرار سے ملنا ہوگا، ضرور اس نے آپ سے ادھار لیا ہوگا یا آپ کی رقم ہتھیا کر بھاگا ہوگا۔'' وہ انگلی سے کان کھجاتا ہوا اس سے پوچھنے لگا تھا۔

''نہیں میں تو کسی اور کو.....'' اب اذان کی جانے بلا کہ ابرار کون تھا۔

''اچھا پھر اس کی نخریلی اور گوری چٹی بیوی کے پیچھے آئے ہوں گے جو ابھی اس کے ساتھ گھر میں گئی ہے۔'' چونکہ اس وقت ماہم کے سوا گلی میں اور کوئی عورت اندر نہ گئی تھی اس لئے اس کی بات پر اذان کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔

یہ دونوں میاں بیوی تھے، اذان نے جیب سے سو کا نوٹ نکالا تھا اور اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا، وہ جو ابھی گھر کے تھڑے پر بے کار بیٹھا تنکے سے زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا اور اندر سے اپنے ابا کی تازہ تازہ جھاڑ کھا کر آیا تھا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیٹھے بٹھائے سو کا کرارا سا نوٹ اس کے ہاتھ میں آجائے گا، اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے نوٹ لے کر ہونٹوں سے لگایا تھا اور پھر اسے جیب میں ڈال لیا تھا، اب وہ اذان کو اس گلی کے ہر فرد کے بارے میں رپورٹ دینے پر تیار تھا، مگر اذان کو تو اس وقت بس ماہم سے مطلب تھا۔

''ہاں جی بالکل یہ جو ابرار ہے نا یہ ماہم کی سوتیلی ماں کا رشتہ دار ہے، اس نے جانے کیا چکر چلایا کہ ماہم کے باپ نے اپنی ہیرے جیسی بیٹی اسے تھما دی، مگر صاحب جی ایک بات ہے یہ جوڑی بے شک بڑی بے جوڑ سہی مگر ان دونوں کی کبھی لڑائی نہیں ہوئی، دونوں بڑے سلوک اتفاق سے رہتے ہیں جی، جب یہ نئی نئی بیاہ کر آئی تھی تو ہماری اماں سمیت اس گلی کی ہر عورت کا خیال تھا کہ اب محلے میں روز نیا دنگا فساد ہوا کرے گا اور وہ روز تماشا دیکھا کریں گی، مگر ان بے چاریوں کی حسرت حسرت ہی رہی ان کے

گھر سے آج تک ایسی بات کبھی باہر نہیں آئی۔''
اب تو کسی شک کی گنجائش ہی نہ رہی تھی، اسے ماہم کے بارے میں تمام معلومات مل گئی تھیں، وہ اس لڑکے کا شکریہ ادا کر کے واپس آ گیا تھا۔

دنیا میں کیسے کیسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ایک چہرے پر کتنی آسانی سے دوسرا چہرہ سجا لیتے ہیں، وہ تو پہلے ہی بہت تنہا اور ٹوٹا ہوا تھا، اب نئے سرے سے میرے یار کو ایک بہت بڑے دکھ اور آزمائش سے گزرنا پڑے گا، ماہم کے بارے میں سن کر اذان کو اتنا دکھ ہوا تھا کہ غصے اور طیش سے اس سے ڈرائیونگ بھی نہ ہو پا رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جا کر اس سنگ دل اور مکار لڑکی کو قتل کر دیتا یا پھر اس کے چہرے اور وجود پر تیزاب کی بوتل انڈیل دیتا، جس نے اس کے یار کو پاگل کر کے رکھ دیا تھا، مگر وہ بے بس تھا ایسا تو نہ کر سکا پر وہاب کے فلیٹ پر جا پہنچا تھا۔

☆☆☆

''آ جاؤ بڑی لمبی عمر ہے تمہاری، ابھی میں تمہیں ہی کال کرنے والا تھا، میں نے آج زندگی میں پہلی بار کوکنگ کی ہے، ورنہ تو رمضان کے ہاتھ کے بنے کھانے کھا کھا کر دل اوب گیا تھا تم کہتے تھے نا شادی کے بعد بڑا کچھ کرنا پڑتا ہے ایک شوہر کم مگر بیوی کا ملازم زیادہ بننا پڑتا ہے اور میں نے ابھی سے یہ پریکٹس شروع کر دی ہے۔''
وہاب دروازہ کھولتے ہی شروع ہو گیا تھا اور وہ گم صم سا وہ الفاظ تلاش کر رہا تھا جس سے وہاب کو اس لڑکی کی بے وفائی کے بارے میں بتا سکے کہ وہ اس سے سچی محبت کر رہا ہے اور وہ محض ٹائم پاسنگ، جو اس کا شوہر اسے نہیں دے رہا وہ دوسرے مردوں سے بٹور رہی ہے۔
''کیا بات ہے، خیر تو ہے نا، بہت پریشان لگ رہے ہو۔'' وہ صوفے پر گر سا گیا تھا، اور سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا، وہاب جلدی سے اس کے پاس آیا تھا۔
''بتاؤ نا خیر ہے سب، کہاں سے آ رہے ہو؟ بہت پریشان ہو، تم تو بھابھی کو آج ان کے امی ابو کے گھر چھوڑنے والے تھے نا۔''
''ہاں وہیں سے آ رہا ہوں ماہم اور اس کے شوہر کو دیکھ کر۔''
''کس کے شوہر کو دیکھ کر۔'' وہاب کی سماعتوں پر سے ماہم کا نام ہو کر گزر گیا تھا، وہ سمجھ نہیں سکا تھا وہ کس کے شوہر کی بات کر رہا ہے۔
''ماہم صغیر کے شوہر کو دیکھ کر، تمہاری ماہم کے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا تھا۔
''ماہم کا شوہر، یار کیسی بات کر رہے ہو، دعا کرو میرا دل بند ہو جائے کام کرنا چھوڑ دے مگر ایسی بری بات تو نہ کرو۔'' ایک سیکنڈ میں وہاب کا چہرہ اتر گیا تھا۔
''یار تمہارا دل بہت خالص ہے اسے عام اور مطلب پرست لوگوں کے لئے اتنا کمزور نہ کرو کہ یہ تمہیں اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہنے دے، اس دل کو بہت سنبھال کر رکھو۔''
''اذان پہلیاں نہ بجھواؤ، جو بھی دیکھ کر آ رہے ہو یا سن کر مجھے سب بتاؤ، میں نے پہلے ہی زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں، اب اور نہیں سہہ سکتا۔'' وہ اذان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا تھا، اذان کو جو کچھ ماہم کے بارے میں پتہ چلا تھا اس نے سب کچھ وہاب کو بتا دیا تھا، آج اگر اذان اس کے وجود کے ساتھ بم باندھ کر اسے اڑا دیتا تو اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی تکلیف اسے ماہم کی حقیقت سن کر ہوئی تھی۔
ڈوب جانا چاہیے یا پھر ڈبونا چاہیے
جنگ ہو تو فیصلہ بھی اس کا ہونا چاہیے

اشک ڈالے آخر اس نے دامن کشکول میں
بے بسی پر اپنی اب تو کھل کر رونا چاہیے
ہم تو ہیں بے چین ازل سے کس گھڑی آرام ہو
پھول موسم میں بھی کانٹوں کا بچھونا چاہیے

وہ روزانہ رات کو ماہم کو لمبی کال کرنے کا عادی تھا، اس کی میٹھی میٹھی محبت بھری باتیں رات بھر وہاب کو کسی اور ہی جہان کی سیر کروائے رکھتی تھیں، سوتے ہوئے بھی وہی باتیں اس کے کانوں میں رس گھولتی رہتی تھیں، وہ اک نشے کی کیفیت میں رہتا تھا، یہ رات بھی ایسی ہی تھی مگر آج اس کی حقیقت جاننے کے بعد وہاب کو وہ رات کم عذاب زیادہ لگ رہی تھی۔

''ماہم کالنگ۔'' کے الفاظ بار بار اس کے موبائل کی اسکرین پر جگمگا رہے تھے، وہ اس بات سے بے خبر کہ وہاب اس کی حقیقت جان چکا ہے اسے فون پہ فون کر رہی تھی، جب ماہم کا نام اس کی نظروں کے سامنے روشن ہوتا اس کی نظروں سے شعلے نکلنے لگے تھے آخر تنگ آ کر اس نے موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا، موبائل کی بیٹری کھل کر دور جا گری تھی بالکل اس طرح جس طرح وہاب کی محبت ٹکڑوں کی صورت اس کے دل کی سرزمین کو لہولہان کر رہی تھی۔

☆☆☆

جانے کیا بات تھی وہاب کا اس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا ایسا پہلے تو نہ ہوا تھا کہ اس نے وہاب کو کال کی ہو اور اس نے کال اٹینڈ نہ کی ہو، یا خود سے اس کا حال چال نہ پوچھا ہو اس کا تو ہر دومنٹ بعد میسج ماہم کو ملا کرتا تھا، ماہم کی پریشانی لمحہ بہ لمحہ تشویش میں بدلتی جا رہی تھی۔

''میری بلبل پریشان ہے آج کیا بات ہے، جب سے وہاب اور ماہم کی دوستی ہوئی تھی، ماہم کا پرس پیسوں سے بھرا رہتا تھا، وہ وہاب سے کہہ دیتی کہ آج ماں کی دوائی نہیں ہے، تنخواہ ملے گی تو دوائی لوں گی اور وہاب اسے گھورتے ہوئے کتنے ہی نوٹ اس کے پرس میں ڈال دیتا کبھی کہہ دیتی مالک مکان کرائے کے لئے پریشان کر رہا ہے اور وہاب بھلا اسے پریشان دیکھ سکتا تھا، اس طرح ماہم کے پرس سے پیسے گھر آتے ہی ابرار کی جیب میں منتقل ہو جاتے تھے، ماہم اسے اچھی لگتی تھی آج کل تو اسے ماہم اپنی جان لگنے لگتی تھی، وہ جہاں پاؤں رکھتی ابرار وہاں ہاتھ رکھتا تھا۔''

''کوئی بات نہیں، میں کیوں پریشان ہونے لگی۔'' وہ ابرار کو ٹالتے ہوئے بولی تھی۔

''کوئی تو بات ہے تم نہ بتانا چاہو تو اور بات ہے۔''

''میں نے کہا نا کچھ نہیں ہے۔'' وہ بے زاری سے کہہ کر کچن میں گھس گئی تھی، وہاں چین نہ آیا تو پھر کمرے میں آ گئی تھی، اب تو اس کی انگلیاں بھی گھس گئی تھیں اس کا نمبر ملاتے ملاتے، یقیناً وہاب کسی بات پر خفا ہے مجھ سے، مگر کس بات پر، وہ جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جاتی۔

''آج واپسی پر اس کے گھر جاؤں گی۔'' صبح ڈیوٹی پر جانے کے لئے تیار ہوتے وقت اس نے سوچ لیا تھا۔

مارٹ پر بھی وہ کئی بار کسٹمر سے الجھی، ساتھی ملازمین سے اس کی جھڑپ ہوتے ہوتے بچی تھی، آخر خدا خدا کر کے ڈیوٹی کا ٹائم ختم ہوا اور وہ رکشہ میں بیٹھ کر اس کے فلیٹ پر آ گئی تھی، مگر سامنے بڑا سا تالا اس کا منہ چڑا رہا تھا، اس بے بسی پر اس کا دل بھر آیا تھا، پھر رکشے میں سارا راستہ وہ آنسو بہاتے ہوئے گھر واپس آئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' گھر پہنچ کر بھی اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، اسے اس طرح

روتے دیکھ کر ابرار کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔

''کچھ بتاؤ بھی، کیا ہوا ہے۔'' وہ تخت پر بیٹھ کر اب زور و شور سے رونے لگی تھی، ابرار نے پوچھا تھا۔

''وہاب شاید مجھ سے ناراض ہے، اس کا فون بھی بند ہے اور گھر پر بھی تالا لگا ہوا ہے۔'' اس نے روتے ہوئے ابرار کو بتایا تھا۔

''تو اس میں اتنا رونے اور خود کو ہلکان کرنے والی کیا بات ہے، جب اس کی ناراضگی ختم ہوگی خود ہی فون کر لے گا۔'' ابرار اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تھا، یا ہم جس طرح اس کے ناراض ہونے پر رو رہی تھی، ابرار کو دال میں کالا کالا نظر آنے لگا تھا، اس نے ماہم کی روپے پیسے کے لئے وہاب سے دوستی کروائی تھی مگر یہاں تو...... آگے سوچنا اس کے بس کی بات نہ تھی، اس نے سونے کی مرغی سے روز انڈا حاصل کرنے کا ضرور سوچا تھا، مرغی ہی ہاتھوں سے اڑ جائے یہ اس کی پلاننگ میں کب شامل تھا، وہ راستے کی ہر چیز کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑاتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

جب رات کی ناگن ڈستی ہے
نس نس میں زہر اترتا ہے
جب چاند کی کرنیں تیزی سے
اس دل کو چیر کے آتی ہیں
جب آنکھ کے اندر ہی آنسو
زنجیروں میں بندھ جاتے ہیں
سب جذبوں پہ چھا جاتے ہو
تب یاد تم بہت یاد آتے ہو
جب درد کی جھانجھر بجتی ہے
جب رقص غموں کا ہوتا ہے
خوابوں کی تال پہ سارے دکھ
وحشت کے ساز بجاتے ہیں
گاتے ہیں خواہش کی لے میں
مستی میں جھولے جاتے ہیں
سب جذبوں پر چھا جاتے ہو
تب یاد بہت تم آتے ہو
تب یاد بہت تم آتے ہو

آج اس دو مرلے کے مختصر سے گھر میں کیسی رات آئی تھی، وہ باہر برآمدے میں تخت پر سوچوں میں کھویا ہوا تھا اور اندر اندھیرے کمرے میں ماہم کی آنکھوں کی برسات رکنے میں نہ آتی تھی۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ وہاب سے اتنی شدید محبت کرنے لگی ہے کہ اس کا خفا ہو جانا چھوڑ جانا اس سے سہا ہی نہیں جا رہا، ہر پل ایسے لگتا جیسے جان تن سے نکالی جا رہی ہو، جیسے وجود تلے کوئی انگارے بچھا گیا ہو، جیسے دل پر چھریاں چل گئی ہوں، وہ ابرار کے کہنے پر وہاب کی جانب راغب ہوئی تھی مگر وہاب کی سچی محبت نے اس کے دل کو کورے کاغذ پر اپنا نام لکھ ڈالا تھا اور وہ بھی انجانے میں اس محبت میں پور پور ڈوب گئی تھی۔

''دیکھو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھے اس طرح قید مت کرو، مجھے اس کو ڈھونڈ لینے دو، مجھے اس کے پاس جانے دو، میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔'' ابرار کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی بیوی اس کی ماہم اس طرح اس شخص کے پیچھے دیوانی ہو جائے گی کہ اپنے لئے اس کو زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھنے لگے گی، وہ اب باہر جاتا تو باہر سے تالا ڈال کر جاتا تھا، اس کی نوکری بھی چھوٹ گئی تھی، وہ باہر جانے لگا تو وہ اس کے پاس آ کر بلکنے لگی تھی۔

"بکواس بند کرو، ہٹو راستے سے۔" وہ اسے ایک طرف دھکا دے کر خود باہر نکل گیا تھا۔
وہ ماہم کو اپنے ہی ہاتھوں کسی اور شخص کو کیسے سونپ دیتا اس کے لئے وہ سونے کی چڑیا تھی، اس لئے اس نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا کہ چار دن غم منالے پھر اسے کسی اور کام لگاتا ہوں مگر ماہم کا یہ غم چار دنوں پر محیط ہوتا نظر نہ آتا تھا۔

☆☆☆

"لو یہ سوپ پی لو۔" وہاب ماہم کی بے وفائی کے بارے میں سوچ سوچ کر بیمار ہو گیا تھا، اذان اسے کس طرح اکیلا چھوڑ دیتا وہ اس کا گھر بند کر کے اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا تھا، اس نے اور فرزانہ نے کسی بچے کی طرح اس کا خیال رکھا تھا اس کا بخار تو اتر گیا تھا مگر کمزوری ابھی باقی تھی، اذان سوپ کا پیالہ لے کر آیا تو وہ خلاؤں میں کسی نادیدہ شے کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"یار دل نہیں چاہ رہا۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔
"دل چاہے یا نہ، یہ تو دوائی سمجھ کے پینا پڑے گا۔" اذان نے پیالہ اس کے سامنے رکھا تھا اور چمچ بھر کر سوپ اس کے منہ میں ڈالنا چاہا تھا۔
"ان محبتوں کا قرض میں کیسے چکا پاؤں گا۔" وہاب کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔
"محبتوں پر کوئی قرض کوئی ادھار نہیں ہوتا، منہ کھولو شاباش۔" اذان نے سوپ کا بھرا چمچ اس کے منہ میں ڈال دیا تھا، وہاب اس کے ہاتھ سے چمچ لے کر خود پینے لگا تھا۔
"ایک محبت یہ ہے اور ایک محبت وہ تھی۔" وہ سوچتے ہوئے پھر کہیں کھو سا گیا تھا۔
"بس یار محبتوں میں فرق نہیں ہوتا اسے نبھانے والوں میں فرق ہوتا ہے، تم اپنا ذہن ادھر اُدھر مت بھٹکاؤ، یہ سوپ پیو اور پھر ہم باہر جائیں گے، کہیں گھوم پھر کر آتے ہیں بہت دن ہو گئے ہیں ہمیں اکٹھے باہر نکلے ہوئے، بہت دن غم منالیا تم نے اس نام نہاد محبت کا، چلو اٹھو، اپنا حلیہ درست کرو، میں صرف پندرہ منٹ تمہیں دے رہا ہوں۔" وہ دھونس جماتے ہوئے بولا تھا، وہاب کو سوپ کا پیالہ ختم کر کے اٹھنا پڑا تھا۔
"آج شام میں اور فرزانہ ثمن کی طرف جائیں گے۔" اذان اسے اپنے ساتھ لانگ ڈرائیو پر لے آیا تھا، انہوں نے لنچ بھی باہر کیا تھا اور اذان نے اپنی اور فرزانہ کی فیملی کی بہت سی باتیں بھی اس سے شیئر کی تھیں، اچانک اس نے وہاب کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔
"کس لئے؟" وہاب نے جلدی سے پوچھا تھا۔
"تمہیں بتایا تو تھا ثمن بہت اچھی لڑکی ہے اور اب اس معاملے میں ہم تمہاری ایک نہیں مانیں گے بس میں نے اور فرزانہ نے تہیہ کر لیا ہے آج ہم ثمن کا ہاتھ مانگنے جائیں گے تمہارے لئے، تم نے اپنی مرضی کر کے دیکھ لی اور نتیجہ بھی بھگت لیا، اب زندگی میں اور کتنے تجربے کرو گے، بس سمجھ دار لوگوں کی طرح گھر بساؤ اور زندگی کو زندگی کی طرح جیو۔"
"مگر یار!" وہ ابھی اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں تھا، اس نے احتجاج کرنا چاہا تھا۔
"اگر مگر کچھ نہیں، بس ہم آج ہی جائیں گے، تم اب اس معاملے میں ایک لفظ نہیں بولو گے۔" اذان نے کہا تھا اور وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا تھا، وہ ان کی محبتوں اور رفاقتوں کا قرض دار تھا اس کے سامنے اور کیا کہتا۔
پھر شام بھی جلد ہی اتر آئی تھی، اذان

فرزانہ اور ساتھ ان کا بیٹا تک سک سے تیار ہوکر فرزانہ کی دوست ثمن کے گھر گئے تھے اور نہایت خوشی سے واپس لوٹے تھے، ثمن کے گھر والوں کے لئے اذان اور فرزانہ کا چلے آنا ہی کافی تھا، پھر آج کل ایسا کماؤ اکیلا اور خوبصورت لڑکا کہاں ملتا ہے، انہوں نے جھٹ ہاں کہہ دی تھی، فرزانہ انہیں اگلے دن اپنے ہاں آنے کا بھی کہہ آئی تھی۔

''لو مٹھائی کھاؤ۔'' اذان نے بڑا سارس گلا اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا، وہ ان کی خوشی میں خوش تھا مگر دل اندر سے جانے کیوں بجھا بجھا سا تھا، فرزانہ اور اذان رات گئے تک اس کی شادی کی پلاننگ کرتے رہے تھے اور وہ اپنے کمرے میں ایک بار پھر اپنی محبت کی بے وفائی کا غم مناتا رہا تھا۔

ثمن کے گھر والے بھی آکر رسم پوری کر گئے تھے، ٹھیک پندرہ دن بعد جمعے کے مبارک دن ان کا نکاح تھا، فرزانہ بالکل کسی بہن اور بھابھی کی طرح اس کی شادی کی تیاریاں کر رہی تھی، وہ اپنے چھوٹے سے بیٹے کو چھوڑ کر روز بازار جاتی اور جانے کیا کیا کچھ خرید لاتی، پھر وہ اور اذان ساری شاپنگ زبردستی اسے دکھاتے، اسے کچھ بھی اچھا لگتا نہ برا، بس خالی دل کے ساتھ وہ ہوں ہاں کیے جاتا۔

''ثمن بہت اچھی دھیمے مزاج کی لڑکی ہے، وہ تمہیں اس طرح سنبھال لے گی، جس طرح کوئی اپنے زخم کی دیکھ بھال کرتا ہے، تم دیکھنا تم کی رفاقت میں سارے غم بھول جاؤ گے، وہ اپنی پلکوں سے تمہارے سارے دکھ چن لے گی۔''
اذان جب بھی اس کے پاس بیٹھتا اس سے ایسی ہی باتیں کرتا، وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنے جاتا، اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی تو نہ ہوتا تھا۔

☆☆☆

''یار وہ اس شخص کے پیچھے مر جائے گی، نہ وہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے، بس دن رات اس کا ماتم کرتی رہتی ہے۔'' ابرار ماہم کی وجہ سے بہت پریشان تھا، اس نے اپنے دوست ساجد کو بتایا تھا۔

''مانا وہ تمہارے لئے سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہے، مگر تم بھی کیسے بے وقوف ہو، ایک ایک انڈے کا انتظار کر رہے ہو، ایک ہی دفعہ پوری مرغی ذبح کیوں نہیں کر لیتے۔'' ساجد خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''مطلب یہ کہ اس شخص کو تلاش کرو اور اس سے اتنی رقم کا مطالبہ کرو جس سے تمہاری ساری زندگی عیش اور سکون سے گزر جائے، بیوی کو طلاق دو اور اس کے حوالے کر دو، بس قصہ ختم، اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے، ماہم بھی خوش، تم بھی خوش حساب برابر۔''

''مگر ماہم۔'' ابرار نے کہا تھا۔

''کیوں چھوڑنے کو دل نہیں کرتا، تمہیں کون سا اس سے طوفانی محبت تھی، بس پسند آ گئی تھی نا، جیب میں پیسہ ہو تو اس جیسی بہت مل جاتی ہیں۔'' ساجد نے اسے نئی راہ دکھائی تھی اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''تمہیں وہاب نعیم سے بہت محبت ہے۔'' وہ لٹے پٹے انداز میں بیٹھی تھی جب ابرار نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' وہ نڈر سے انداز میں جواباً بولی تھی۔

''چلو پھر اٹھو یہ ماتم ختم کرو، چل کر اسے ڈھونڈتے ہیں۔'' وہ مونچھوں کو بل دے کر بولا تھا، اس نے سونے کے انڈے دینے والی مرغی

ذبح کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
"تم سچ کہہ رہے ہو نا۔" وہ چھلانگ مار کر بستر سے نیچے اتری تھی۔
"میں جھوٹ کیوں بولوں گا، بلکہ تم ایسا کرو تم ہاتھ منہ دھو کر میرے لئے کچھ اچھا سا پکاؤ میں اکیلا ہی اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔"
"نہیں میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"
"میری زبان کا اعتبار کرو، میں اسے ہی ڈھونڈنے جا رہا ہوں، مل گیا تو تمہیں بھی لے جاؤں گا، تم ایسے ہی میرے ساتھ سڑکوں پر خوار ہوتی پھرو گی۔" وہ تیز لہجے میں بولا تھا۔
"اچھا ٹھیک ہے۔" اس کی بات کسی حد تک درست تھی، ابھی اس کا کچھ اتہ پتہ نہ تھا وہ کہاں کہاں خوار ہوتی پھرتی۔
"اس کا ایڈریس اور فون نمبر دو۔" ابرار نے کہا تھا اور ماہم نے جلدی سے دونوں چیزیں اسے لکھ کر دے دی تھیں۔
وہاب نے چونکہ اپنا نمبر تبدیل کر لیا تھا اس لئے فون پر تو ابرار سے اس کی بات نہ ہو سکی تھی، ناچار ابرار کو اس کے گھر جانا پڑا تھا اور ابرار کی قسمت کہ آج گھر پر تالا نہیں تھا ابرار نے فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجائی تو وہاب نے خود دروازہ کھولا تھا، ماہم کے موبائل میں وہاب کے بے شمار تصویریں تھیں اس لئے ابرار نے اسے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا تھا، مگر وہاب ابرار کو نہ پہچان سکا تھا۔
"جی فرمایئے۔" وہ شائستگی سے بولا تھا۔
"آپ وہاب نعیم صاحب ہیں؟" وہ اس کی شخصیت سے مرعوب ہوتے ہوئے بولا تھا۔
"جی ہاں مگر آپ کون؟"
"میرا نام ابرار ہے، میں ماہم صغیر کا شوہر ہوں۔" ابرار نے اپنا تعارف کروایا تو وہاب نے سر تا پا اسے گھور کر دیکھا تھا، وہ کسی بھی طرح ماہم کا شوہر کہلانے کا حق دار نہ تھا، اسے ماہم کے شوہر کے روپ میں دیکھ کر وہاب کو دکھ ہوا تھا۔
"میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، یوں دروازے پر کھڑے ہو کر کچھ مناسب نہیں لگتا۔" وہ مدہم سے لہجے میں بولا تھا، ماہم کے نام میں جانے کیا تاثیر تھی، وہاب کے ہونٹ سل گئے تھے، اس نے ایک طرف ہٹ کر اس شخص کو اندر آنے کا راستہ دے دیا تھا۔
"وہ جی آپ سے بہت محبت کرتی ہے، اس نے آپ کے پیچھے رو رو کر اپنا حشر نشر کر لیا ہے، اگر اسے آپ نہ ملے تو وہ مر جائے گی۔" وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے جب ابرار نے کہنا شروع کیا تھا۔
"یہ تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو، اگر تمہارا مطلب ماہم سے ہے تو وہ تمہاری بیوی ہے اور اپنی بیوی کے بارے میں کون سا شوہر ایسی بات کر سکتا ہے، وہ تمہاری بیوی ہے بھی کہ نہیں۔" وہاب کو وہ سب کچھ ڈرامہ لگ رہا تھا، وہ غصے میں بولا تھا۔
"میری بیوی جی وہ، مگر غربت بندے سے بہت کچھ کروا دیتی ہے، میں اسے طلاق دے دوں گا، آپ کے لئے چھوڑ دوں گا، اگر آپ کہیں گے مگر......"
"مگر کیا؟" وہاب کو اس بے غیرت انسان کی بات سن کر دھچکا لگا تھا، وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کی ادھوری بات کا مطلب پوچھنے لگا تھا۔
"مگر یہ کہ آپ تو پیسے والے ہیں دس بیس لاکھ آپ کے لئے معمولی رقم ہے، آپ کو آپ کی محبت مل جائے گی اور میری غربت دور ہو جائے گی۔" وہ ڈھٹائی کی انتہا پر تھا، وہاب جتنا غصہ ضبط کر سکتا تھا اس نے کیا پھر اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور بے غیرت ابرار کے منہ پر جا پڑا تھا۔

''ذلیل انسان اپنی بیوی کا سودا کر رہے ہو۔'' وہ ابرار پر چڑھ دوڑا تھا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے، مجھے تو لگتا ہے تم میاں بیوی آپس میں ملے ہوئے ہو، تمہارا کام ہے لوگوں کو بے وقوف بنانا، دور ہو جاؤ میری نظروں سے اور آئندہ ایسی گندی شکل اور گندی سوچ لے کر اس طرف کبھی مت آنا۔''

''صاحب جی آپ جو مرضی کہہ لیں، میں برداشت کر سکتا ہوں مگر اس لڑکی کے آنسو نہیں دیکھ سکتا اسے اس سودے کے بارے میں کچھ نہیں پتہ، وہ آپ سے محبت کرتی ہے، ایک دم سچی محبت، دیکھنا اس محبت کے پیچھے وہ چند دن ہی خوار ہوگی پھر مر جائے گی، میں پھر آؤں گا جی، آپ سوچ لینا۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا اور وہاب کو سوچوں کے گرداب میں پھنسا گیا تھا۔

''اذان جہاں بھی ہو فوراً چلے آؤ۔'' کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے کسی فیصلے پر پہنچ کر اذان کو فون کیا تھا، وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گیا تھا، کبھی کبھی وہاب کو اذان کو دیکھ کر اپنی ماں کی دعاؤں کے سچ ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

''تم مجھے ماہم کے گھر لے جا سکتے ہو، تم نے تو اس کا گھر دیکھ رکھا ہے نا۔''

''اُف، یہ ماہم نام کا بھوت تمہاری جان کب چھوڑے گا۔'' وہ کرسی پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا، وہاب نے اسے ساری بات کہہ سنائی تھی۔

''اب تم وہاں کیوں جانا چاہتے ہو۔'' اذان ابھی بھی کچھ نہ سمجھ سکا تھا۔

''تم چلو تو پلیز۔'' اس نے ملتجی نظروں سے اذان کو دیکھا تھا اور وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

وہاب نے لکڑی کا رنگ اڑا دروازہ کھٹکھٹایا تھا، اذان اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

''آپ، آ گئیں جی۔'' ابرار نے دروازہ کھولا تھا اور توقع کے خلاف اتنی جلدی اسے اپنی در پر دیکھ کر بچھ سا گیا تھا۔

''اندر ہے۔'' وہ دونوں اس کے پیچھے برآمدے تک چلے آئے تھے، وہاب گھر اور گھر والے کو دیکھ کر گم صم سا تھا، کبھی کبھی یہ محبت کہاں کہاں لئے پھرتی ہے، بندہ سوچ بھی نہیں سکتا، ابرار اور اذان باہر ہی کھڑے رہے وہ اندر بڑھ گیا تھا۔

ماہم آنکھوں پہ ہاتھ رکھے نیم دراز تھی، اسے اپنی سماعتوں میں ہلکی سی چاپ سنائی دی تھی اور پھر تیز جانی پہچانی خوشبو اس کے نتھنوں میں گھسی تھی، وہ تو بھی دن میں بھی خواب نظر آ جایا کرتے ہیں، مگر وہ یاد اتنی شدید تھی کہ زبان وہاب وہاب کا ورد کرنے لگی تھی۔

''ماہم! یہ خواب تھا یا وہم۔'' وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی تھی، مگر سامنے مجسم خواب کھڑا تھا۔

''آپ۔'' وہ اس کے پاؤں میں گر گئی تھی، وہاب نے اسے قدموں سے اٹھا کر سیدھا کھڑا کیا تھا، ابرار کے کہنے پر کہ وہ اس کی محبت میں مر رہی ہے اس بات کا اندازہ کرنے وہ خود یہاں تک چلا آیا تھا اور واقعی بات سچی لگتی تھی، وہ ماہم تو رہی نہ تھی جسے وہ جانتا تھا، زرد رنگ اجڑے بال، میلے کپڑے، سوجی آنکھیں یہ دھوکا دینے والوں کے انداز تو نہیں ہوا کرتے، وہاب کے دل کو کسی نے دونوں ہاتھوں سے مسلا تھا۔

''باہر آ جاؤ۔'' وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر برآمدے میں آ گیا تھا، اذان کو بھی ایک دفعہ تو ماہم کو دیکھ کر جھٹکا لگا تھا۔

''چلو اذان پھر آئیں گے۔'' چاروں نفوس خاموش تھے، کسی کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا، وہاب نے خاموشی کو توڑا تھا۔

''وہاب!'' اک کھنڈر سی ویران سی آواز آئی تھی۔

''کھانا پھر آؤں گا۔'' وہ اسے اک آس دلا کر چل پڑا تھا۔

''کل آ کر رقم لے جانا۔'' ابرار دروازہ بند کرنے آیا تو وہاب نے سرگوشی کی تھی، ابرار کے من کی مراد پوری ہو گئی تھی، وہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

☆☆☆

''یہ تم نے کیا کیا، تم ایک لڑکی کی خوشیاں، اس کے خواب اس کی زندگی داؤ پہ لگا رہے ہو۔'' اذان کو کچھ گڑبڑ کا احساس ہونے لگا تھا، گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ پھٹ پڑا تھا، اسے اب ثمن کی فکر کھانے لگی تھی۔

''اور یہاں جو اک لڑکی کی محبت داؤ پہ لگ رہی ہے، سب سے بڑھ کر اس کی عزت داؤ پہ لگ رہی ہے، تم نے دیکھا وہ شخص کتنا لالچی ہے، وہ پیسے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے، آج میں ماہم کو چھوڑ دیتا ہوں، کل مجھ سے زیادہ پیسے والا شخص اسے ملا وہ دس بیس لاکھ کے بدلے اسے اس کے ہاتھ بیچ دے گا، میں ماہم کا خریدار نہیں ہوں، میں تو اپنی محبت کو پانے اور اک لڑکی کو رلنے سے بچانے کا سودا کر رہا ہوں، مگر اذان یہ دنیا بہت عجیب ہے ہر بار ماہم کو وہاب نعیم نہیں ملے گا۔''

''ثمن کا کیا بنے گا۔'' اذان بہت دیر بعد بولنے کے قابل ہوا تھا۔

''وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے، اپنوں میں ہے، اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اسے وہاب نعیم سے بہت اچھا شخص مل جائے گا، تم اور فرزانہ بھابھی انہیں سمجھا دینا وہ بہت اچھے لوگ ہیں اس مجبوری کی کہانی سے سمجھوتہ کر لیں گے، آج تم نے ماہم کو دیکھا، سچی محبت کرنے والوں کی ظاہری حالت ایسی ہی ہوتی ہے، جب دکھ برداشت سے باہر ہو جائے تو وجود ایسے ہی کھنڈر بن جایا کرتا ہے، میں یہاں یہی دیکھنے آیا تھا کہ اس کہانی میں کتنی سچائی ہے اور سچائی ہم دونوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔''

''خفا ہو۔'' اذان بہت خاموش تھا وہاب نے اسے پوچھا تھا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''وہی جو اس وقت تمہارے دل میں ہے۔''

''مجھے چھوڑو تمہارا دل تو مطمئن ہے نا۔'' اذان نے کہا تھا۔

''دل تو جانے کب تلک اعتبار اور بے اعتباری کے رستوں پر سفر کرتا رہے گا، بس اتنا جانتا ہوں میں نے اک لڑکی کو غلط ہاتھوں میں جانے سے بچالیا۔''

''اور اپنی محبت بھی تو بچالی۔'' اذان نے جو ہوا سو اچھا ہوا کا سوچ کر خوش دلی سے کہا تھا، گاڑی کے اندر کی فضا یک دم بہت ہلکی پھلکی اور خوش گوار سی ہو گئی تھی۔

''سو تو ہے۔'' وہاب کی مسکراہٹ نے بہار کے پھولوں کو بھی مات دے دی تھی، اذان نے آج سے پہلے اسے کبھی اس طرح دل سے مسکراتے نہیں دیکھا تھا، وہ مبہوت سا ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا، گاڑی جانے پہچانے راستوں پر رواں دواں تھی، مگر زندگی ایک نیا سفر شروع کرنے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی۔

☆☆☆

''جس معاشرے میں انسانوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی وہاں عوام کے چولہے سرد اور ہاتھوں میں کشکول ہوتے ہیں، جس معاشرے میں انسانوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی وہاں لوگوں کی آنکھیں پرنم اور ہونٹوں پر فریادیں ہوتی ہیں اور جس معاشرے میں...... '' دھپاک، دھپ، دھپ، اماں نے ہاتھ میں پکڑا بیلن صفاحہ کی کمر پر پے در پے رسید کیا تو وہ جھٹ کمر سہلاتی اپنے سٹیج سے یعنی بان کی چارپائی سے جست بھرتے زمین پر پہنچی۔

''کیا اماں؟'' آناً فاناً نیچے اتر تو آئی پر حالات حاضرہ کو ٹھیک طرح سمجھ نہ پائی تھی۔

''معاشرے کی بچی، آج تو تیرے سارے خطابات اور تقریریں نکال کر ہی دم لوں گی۔'' اماں پورے غیض و غضب سے دھاڑتے ہوئے بڑے خطرناک عزائم سے بیلن پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے چارپائی کی دوسری طرف سے گھوم کر اس تک آئیں۔

''ارے فوزیہ...... فوزیہ ہوا کیا ہے؟ کیوں جوان بچی کو دھڑا دھڑ پیٹنے لگی؟'' نسیم بوا نے صفاحہ کو آگے آگے اور اماں کو پیچھے پیچھے چارپائی کے چکر کاٹتے دیکھ کر بیچ بچاؤ کروایا۔

''نامراد، نانجار، نالائق جان کو ہی آگئی، یہ تو ہماری۔'' اماں نے سارے نا، ایک ساتھ جوڑے۔

''غضب خدا کا کان کے پردے پھٹ گئے اس کی ہمہ وقت کی بک بک جھک جھک سن سن کر مگر مجال ہے جو اسے ہماری حالت پر رحم آیا ہو، اب تو خون رسنے لگا ہے کانوں سے پر اس کی لیڈری اور مقرری ہے کہ روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے۔'' اماں نے بوا کے روکنے پر پہلے ٹھہر کر اپنے گھونسلے جیسے بکھرے بال ہاتھ سے درست کیے جو اس بھاگم دوڑ میں دوپٹہ اترنے پر بکھر چکے تھے اور پھر اس کے لتے لے ڈالے۔

''گھنٹہ بھر سے کچن میں کھپ رہی ہوں اور یہ ہے کہ میرا ہاتھ بٹانے کی بجائے چمچے کا مائیک بنا کر یہاں تخت پر چڑھی پھر سے مقررہ بنی ہوئی ہے، آئی بڑی بینظیر کی بھانجی۔'' صفاحہ نے فٹ نسیم بوا کی صورت دیکھی جو اس کی خالہ ہونے کے باوجود بینظیر کہیں سے نہ لگتی تھیں۔

''تخت پر کہاں چڑھی ہوں اماں میں تو چارپائی پر تھی، جب سے تم نے اپنے اس لاڈلے تخت کو سٹیج بنانے سے منع کیا ہے خدا کی قسم میں نے اس پر چڑھ کر تقریر نہیں کی۔'' صفاحہ تو اماں کی غلط بیانی پر تڑپ ہی اٹھی۔

''ہاں تو ٹانگیں تڑوانی ہیں کیا تخت پر چڑھ کر؟ ایک اکلوتی تو نشانی بچی ہے میرے اماں ابا مرحوم کی اس کو بھی سٹیج بنا ڈالا لے دے کے، سارا سارا دن گلی کے بچوں کو اکٹھا کر کے سامنے بٹھائے سر کھاتی ہے اور پتہ ہے نسیم کہتی ہے بچو جو سب سے زیادہ تالیاں پیٹے گا اس کو میں دو روپے زائد دوں گی باقی سب سے۔'' اماں نے اسی کے انداز میں اس کی نقل اتاری تو نسیم بوا کی ہنسی چھوٹ گئی، جبکہ وہ شرمندہ سی کھڑی رہی۔

''ارے فوزیہ بچی ہے ابھی۔'' بوا نے صفاحہ کا سر تھپتھپایا۔

''لو چودہ جماعتیں پڑھ گئی اور بچی ہے ابھی؟'' اماں نے پہلے تعجب سے آنکھیں پھیلائیں اور پھر بوا کی نا سمجھ میں اضافہ کیا۔

''ہاں تو اب جب وہ پڑھ چکی ہے اور مقرر بننا چاہتی ہے تو تم کیوں روکتی ہو، اگلی نسل کے نوجوان طالب علم ہیں بھئی اب ملک کی بھاگ دوڑ انہیں ہی تو سنبھالنی ہے کرنے دیا کرو پریکٹس۔'' بوا نے بڑے نارمل انداز میں کہتے

ہوئے اماں کا ہاتھ پکڑ کر اسی چارپائی پر بٹھاتے ہوئے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''ملک کی باگ دوڑ خاک سنبھالنی ہے اس نے، خود تو بے لگام ہوئی جا رہی ہے، گھر کی بھاگ دوڑ تو سنبھال نہیں سکتی اب ملک کی سنبھالے گی ہونہہ۔'' اماں آج معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھیں کیونکہ وہ اپنی اس شہری بہن اور پڑھے لکھے بھانجے کی موجودگی میں کم از کم اس سے یہ توقع نہیں کر رہی تھیں کہ وہ تین دن بھی صبر سے نہ گزار سکے گی اور پھر سے مقرری دتقرری کے دوروں کا شکار ہو جائے گی۔

''اب یہیں کھڑی کھڑی میرا منہ دیکھتی رہے گی کیا؟ چولہے پر ہانڈی چڑھائی ہے دیکھ اسے جا کر نالائق لڑکی۔'' اماں نے اسے وہیں منہ بسورتے دیکھا تو ڈپٹ کر بھگا دیا، مبادا نسیم بوا کی باتیں اس کا دماغ ہوا میں اڑا لے جائیں۔

''مجھے تو اس لڑکی کی فکر کھائے جا رہی ہے نسیم، اکلوتی بیٹی سمجھ کر سر چڑھا رکھا تھا ہر خواہش اور ضد پوری کی لیکن اب جب ہم اس کی شادی کا سوچ رہے ہیں تو اس پر یہ لیڈری اور خطابت کا بھوت سوار ہو گیا ہے، صبح شام خیالی پلاؤ پکاتی تقریریں جھاڑتی رہتی ہے نہ کسی مہمان کا خیال ہے اور نہ اپنا اور گھر کا، میں کروں تو کیا کروں؟'' فوزیہ نے شرمندگی سے گھر کر بہن کے سامنے اپنا دکھڑا بیان کیا جنہیں آئے ابھی دوسرا ہی دن تھا جب صفاحہ نے اماں کی ساری تاکیدیں بھلا کر انہیں بہن کے سامنے شرمندہ کر دیا تھا۔

''تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا، میں دیکھتی ہوں میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔'' نسیم بوا نے بہن کو تسلی دی اور پرسوچ انداز میں صفاحہ کو دیکھنے لگیں جو ہانڈی میں بے دھیانی سے کبھی کبھار چمچ ہلاتی ہوئی یقیناً اس وقت ایک اور نئی تقریر کی ''ایجاد'' میں مشغول تھی اس کا جھٹکے کھاتا سر ہلتے ہوئے لب اور اشارے کے انداز میں بار بار اٹھتے ہوئے ہاتھ اس بات کے غماز تھے کہ وہ ابھی بھی کچن میں نہیں کسی سٹیج پر ہی کھڑی داد وصول کر رہی ہے۔

☆☆☆

''ہائے۔'' آواز قریب ہی سے برآمد ہوئی تھی وہ بھی اچانک، صفاحہ جو اچھلی تو پیچھے کھڑی ہستی سے بری طرح ٹکرائی، ہاتھ میں پکڑا ہوا شاور اگلے کی آنکھ پھوڑتے پھوڑتے بچا۔

''یہ کیا طریقہ ہے سیدھی طرح سلام نہیں کر سکتے؟'' اپنی بوکھلاہٹ چھپانے کو وہ اسی پر چڑھ دوڑی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ ہلاکو خان اور چنگیز خان کے ریکارڈ توڑنے والی محترمہ بھی اتنی ڈرپوک ہوں گی۔'' اسد اللہ بھی اس کا کزن تھا جھٹ حساب چکتا کیا۔

''ہونہہ۔'' صفاحہ نے نخوت سے ہنکارا ابھرا اور پھر سے پودوں کی صفائی میں مشغول ہو گئی۔

''ویسے تم یہ کر کیا رہی ہو؟'' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا تا وہ پھر مخاطب ہوا۔

''سوئمنگ کر رہی ہوں۔'' باچھیں پھیلا کر بڑی خوش اخلاقی سے جواب دیا گیا تو اسد اچنبھے سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''اس کا دماغی توازن کب بگڑا؟'' وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ صفاحہ کے منہ کے زاویے یکدم بدلے اور مسکراہٹ کی جگہ عجیب سے تاثرات ابھرے۔

''فیصل کالونی آتے ہوئے آنکھیں کیا اسلام آباد میں ہی چھوڑ آئے تھے؟'' طنز کی گہرائی سمجھ کر وہ کھل کر مسکرایا۔

''اوہ تو آپ کے اوپر والے پورشن نے

بھی کام کرنا شروع کر دیا۔" اب وہ بڑے اطمینان سے پاکٹ سے چیونگم نکال کر کھول رہا تھا۔

"جی کیونکہ آپ کے دماغی پرزے جواب دے گئے ہیں۔" ترنت جواب، (آج لگتا ہے اسد کا دن نہیں تھا)۔

"کل سے ہم آئے ہیں اور میڈم لفٹ ہی نہیں کروا رہیں اپنی ہی دنیا میں مگن اور مست ہیں، چل کیا رہا ہے آج کل؟" پوچھنے سے باز نہیں رہ سکا تو سوال کر ہی ڈالا، جب سے آیا تھا وہ اسے نوٹ کر رہا تھا یہ وہ صفاحہ تو نہیں تھی جو اسد کے آگے پیچھے پھرتے ہر وقت بولتی رہتی تھی ذرا ذرا سی بات پر نوک جھونک پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"کیا..... کیا ہوا؟ اسی دنیا میں تو ہوں، کب نہیں لفٹ کروائی تمہیں؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی صد شکر کہ تھوڑی دیر قبل جب اماں اس کی درگت بنا رہی تھیں تب اسد گھر پر نہیں تھا ورنہ.....اس نے فوراً سوچ کے گھوڑے کی لگام کھینچی۔

"اچھا بتاؤ بی ایس سی تو کر لی اب آگے کیا ارادہ ہے؟" اسد نے دکھتی رگ دبائی اور ایک چیونگم اس کی طرف بھی بڑھا دی۔

"ارادے تو بڑے نیک ہیں پر اماں کے ارادے بہت خطرناک ہیں۔"

"خطرناک مطلب؟" اسد نے بے نیازی سے پوچھا اور ببل کا ریپر وہیں پھینک دیا جسے صفاحہ نے نہ صرف بغور دیکھا بلکہ ٹوک بھی دیا۔

"نجانے کب عقل آئے گی تمہیں، اٹھاؤ اسے اور ڈسٹ بن میں ڈالو۔"

"اچھا بتاؤ ناں کیا خطرناک ارادے ہیں خالہ جانی کے۔" وہ مجسس تھا ہاتھ بڑے پرسکون انداز سے دوبارہ جیبوں میں جا چکے تھے۔

"وہ شادی کرنا چاہتی ہیں میری۔" اس نے منہ پھلایا۔

"واٹ اے گڈ نیوز، یہ تو بہت ہی اچھے ارادے ہیں۔" ہاتھ پاکٹ سے نکل کر سینے پر بندھ چکے تھے اور آنکھوں میں لائٹس آن ہو چکی تھیں۔

"اچھے مائی فٹ، مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"کیوں؟ کیوں نہیں کرنی؟ دھرتی کا بوجھ بننے کا ارادہ ہے تمہارا؟ بھئی جنازہ جائز کرواؤ جلدی۔" وہ بھی تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

"اتنا ہی خیال ہے جنازہ جائز کرنے کا تو اپنا کرو ناں، میرے ہی پیچھے کیوں پڑے ہو سب؟ مجھے تو ابھی لیڈر بننا ہے اور بہت سے......"

"تو یار نوے فیصد عورتیں شادی کے بعد ویسے ہی لیڈر بن جاتی ہیں تم بھی بن جانا اس میں کیا ہے؟" اس نے بات اچک کر معاملہ نمٹایا، صفاحہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"دیکھو جب عورت کے سامنے مرد اور خاص طور پر شوہر جیسی معصوم مخلوق و عوام ہو تو اس کے اندر کی لیڈر شپ اور بھی سوا نیزے پر پہنچ جاتی ہے، تم بھی حکومت کرنا سکون سے اور راج کرنا اس کے گھر کی سلطنت پر۔" اس نے دونوں بازو وا کرتے ہوئے اونچی اڑان بھری لیکن فوراً ہی صفاحہ نے کالر سے پکڑ کر اصل دنیا میں پٹخا۔

"اپنے فولش آئیڈیاز اپنے ہاتھوں سمیت اپنی پاکٹس میں ہی رکھو تو اچھا ہے، مجھے یہاں جان کے لالے پڑے ہیں اور تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہیں؟" اماں کا غصہ اس پر نکلا تو اس کا اسد پر۔

''تو جناب یہ ناچیز اور کیا کر سکتا ہے آپ کے لیے؟'' وہ فی الفور کورنش بجالایا۔

''ناچیز تو واقعی ہو تم مگر پھر بھی کسی نہ کسی کام تو آ ہی سکتے ہو۔'' اس نے گہری نظروں سے اپنے ہم عمر کزن کو دیکھا جو اسی کی طرح بی ایس سی کرنے کے بعد ایم بی اے میں ایڈمیشن لے چکا تھا اور پہلے یونیورسٹی کا ہونہار اسٹوڈنٹ مانا جاتا تھا۔

''کاش مجھے بھی تمہاری طرح آگے پڑھنے کی پرمیشن ہوتی اسد۔'' اس نے نہ صرف سوچا بلکہ کہہ بھی دیا اور یہ اس کے لہجے کا دکھ ہی تھا جو اسد کے دل کی دنیا تہہ بالا کر گیا۔

''ہمارے فنانشل حالات آپ کی طرح اسٹرونگ ہوتے اور ہم اسلام آباد میں ہوتے تو اب تک میں بھی تمہاری طرح ایم بی اے کی ٹاپ کلاس اسٹوڈنٹ ہوتی بلکہ تم سے آگے ہی ہوتی ہمیشہ کی طرح۔'' نم ہوتے لہجے کی ٹون بدل کر اس نے بات کے اختتام پر اسے چڑا کر ماحول کی افسردگی کو کم کرنا چاہا۔

''ارے بس رہنے ہی دو تم، شروع سے مجھے ہرا ہرا کر تمہیں چین نہیں ملا کیا میڈم؟ میں نے تو نجانے کتنی منتیں مان مان کر تمہاری پڑھائی چھڑوائی ہے تاکہ میں آگے آسکوں اور تم ہو کہ پھر سے جان کو آنے پر تلی ہو۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے وہ یقیناً اس کے درد کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب بھی رہا تھا، کیونکہ وہ اب سب بھول بھال کر اسے مارنے دوڑی تھی اور جب وہ ہاتھ نہ آیا تو کیاری میں رکھے پائپ سے اس پر پانی کی بوچھاڑ کر دی۔

☆☆☆

''کبھی کبھی زندگی کتنی خوبصورت لگتی ہے ناں؟'' اس نے لمبی سانس بھر کر نم مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اندر اتاری۔

''ہاں اور اگر تم بھی خوبصورت ہوتی تو کیا ہی بات تھی۔'' اسد نے بڑے اطمینان سے چپس کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

''کیا کہا؟ مطلب کیا ہے تمہارا؟'' دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر اس نے گھورا تو اسد کا منہ میں جاتا ٹکڑا اسی رفتار سے باہر نکل آیا۔

''آآآآ..... وہ میرا مطلب تھا کہ جب تم ساتھ ہوتی ہو تو زندگی واقعی بڑی خوبصورت لگتی ہے۔'' صفاحہ کے بھیانک تیوروں سے ڈر کر اس نے بیان بدلا۔

''اسد میاں خیر منائیو۔'' اس نے بڑی بی کی طرح وارن کیا اور اسد کے مصلحت آمیز بیان کے پیش نظر گھورنے پر اکتفا کرتے ہوئے چپس کا پیکٹ واپس جھپٹا، وہ ابھی ابھی گھر کے سارے کام نمٹا کر سب کو دوپہر کا کھانا کھلانے کے بعد برتن دھو کر کچن سمیٹتے ہوئے چپس کے پیکٹ اور پکوڑوں کی پلیٹ سمیت چھت پر آئی تھی، آج اس نے سارے کام بڑی دلجمعی اور پھرتی سے نمٹائے تھے تاکہ خوب گھر گھر کر آنے والے بادلوں کی پھوار کا مزہ اکیلے بیٹھ کر کسی ایسے کونے کھدرے میں لے جہاں کوئی اس کے اور اس کی عوام کے درمیان مخل نہ ہو، لیکن اسد یہاں بھی اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

''قسم سے اگر اس گھر میں تمہارے علاوہ اس وقت کوئی بھی اور ایسا شخص ہوتا جو مجھے کمپنی دے سکتا تو میں تمہارے پاس نہ آتا۔'' اماں اور خالہ اپنی ہی چہ میگوئیوں میں مصروف تھیں نجانے کون سی دنیاؤں کے قصے چھیڑے بیٹھی تھیں جبکہ ابا حضور فجر کی اذان کے ساتھ ہی جو گھر سے نکلتے تو پھر صبح کی سیر سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے کے

بعد سیدھے کام پر چلے جاتے، صفاحہ کو اسد کی بوریت اور مہمان نوازی کے آداب میں کوتاہی کا احساس ہوا تو اسے بھی اپنے ساتھ موسم سے لطف اندوز ہونے کی آفر کر ڈالی اور اب وہ پچھلے پندرہ منٹ سے اس کا سر کھا رہا تھا چپس اور پکوڑوں کے ساتھ ساتھ۔

''ویسے ڈیئر کزن صاحبہ میں نے سنا ہے کہ آج کل آپ تقریروں شقریروں کی کافی پریکٹس کر رہی ہیں تو کوئی ایک آدھ آئٹم یہاں بھی گوش گزار کیجئے ناں ہم بھی تو سنیں کہ آپ باراک اوباما، نواز شریف، شہنشاہ ایران پلس طالبان کے پرزے بخیئے ادھیڑتی ہیں یا ان کی قصیدہ گوئی میں ہی مہارت حاصل کر رہی ہیں باقی پولیٹیشنز کی طرح۔'' جیم کا ایک چپس اور منہ میں رکھا اور پھر بولا۔

''بائی داوے تم پر یہ اچانک بیٹھے بٹھائے پولیٹکل لیڈر بننے کا بھوت کیوں اور کیسے سوار ہو گیا؟'' اس کی حیرت بجا تھی وہ جو سیاست اور سیاست دانو کے نام سے بھی چڑتی تھی اب خود کیوں ایسے خواب پال بیٹھی تھی۔

''تم سے کس نے کہا کہ میں پالیٹکس میں آنا چاہتی ہوں؟'' اس نے بہت پرسکون انداز میں اپنی چمکتی ذہین نگاہیں اس پر جمائیں، جن کی لوسیدھی اسد کے دل تک پہنچ کر اسے موم کی طرح پگھلا رہی تھی۔

''میں تو سیاست کی شاخ پر بیٹھے ان دوغلے اور مکار سیاستدان الوؤں کو اڑانا چاہتی ہوں جن کی نحوست لحہ بہ لحہ ہمارے وطن عزیز کے تناور درخت پر پھیلتی جا رہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں پاکستان نامی یہ مضبوط پیڑ جس کی جڑیں، بے ایمانی، رشوت خوری، قتل و غارت گری، سفارش، نفسانفسی، لالچ سوسائیڈ اٹیکس بم اٹیکس تو کبھی ڈرون اٹیکس کے ذریعے کھوکھلی کی جا رہی ہیں کسی روز تیز ہوا کے ایک جھونکے سے ہی زمین بوس نہ ہو جائے۔'' اس نے دور خلاؤں میں اڑتے پرندوں کے غول کو دیکھا، جو قطار در قطار اڑتے بہت ہی بھلے اور منظم لگ رہے تھے، بارش تھم چکی تھی لیکن بھیگی بھیگی معطر اور ٹھنڈی ہوا نے موسم بہت ہی سہانا اور خوشگوار بنا رکھا تھا۔

''لیکن تم اکیلی یہ سب کیسے کر سکتی ہو جبکہ تم جانتی بھی ہو کہ یہاں آواز بلند کرنے والے کا گلا ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جاتا اور کہنے والے کی زبان کاٹ کر پھینک دی جاتی ہے۔'' وہ اس کے مستحکم عزائم اور لہجے کی سنجیدگی سے واقعی متفکر ہوا تھا وہ دونوں اس وقت کھانا بھول کر ملکی اور سیاسی حالات کی تشویش میں مبتلا ہو چکے تھے۔

''تم جانتے ہو اسد ہمارے ملک کے لوگوں کے جذبے، احساسات اور ضمیر مردہ نہیں ہوئے ابھی بلکہ وہ خواب غفلت میں مدہوش ہیں، ان کے سوئے ہوئے ضمیر اور احساسات و جذبات کو بیدار کرنے کے لئے صرف ایک پکار ایک صدا اور ایک للکار چاہیے اور میں بس وہ آواز بننا چاہتی ہوں وہ للکار بننا چاہتی ہوں میں۔'' اس کی بات میں کچھ ایسا تھا کہ اسد چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

''اور جب اس دیس کی عوام اٹھ کر میری ہم قدم ہوئی تو میں اکیلی کہاں رہوں گی؟ یوں بھی اکیلے ہونے کے خوف سے ہم کب تک چپ سادھ کر بیٹھ رہیں گے آخر کسی کو تو پہل کرنی ہے، دوسروں کی شکل دیکھتے رہنے کی رسم کو ختم کرنا ہوگا ہمیں اب، وہ شاعر کہتا ہے ناں۔''

سہارا جو کسی کا ڈھونڈتے ہیں بحر ہستی میں
سفینہ ایسے لوگو کا ہمیشہ ڈوب جاتا ہے
اور

بقا کی فکر کرو خود ہی زندگی کے لئے
زمانہ کچھ نہیں کرتا کبھی کسی کے لئے

وہ بڑی سنجیدگی سے اسے شعر سنا رہی تھی جبکہ اسد کی نگاہیں اب تک اس کے زندگی کی رونق سے بھرپور چہرے کا طواف کر رہی تھیں، اس کے بالوں کی کچھ شریر لٹیں چٹیا سے نکل کر اس کے رخساروں پر مچل رہی تھیں، جنہیں چھونے کی شدید خواہش سے گھبرا کر اسد اللہ نے نظریں جھکا لیں اور دل ہی دل میں خود سے تین ماہ بڑی صفاحہ کی باتوں سے متاثر ہوتے ہوئے اس کے ارادوں کے پورا ہونے کی دعا مانگی۔

(یہ ان کی عمروں کا وہ فرق تھا جس کے باعث صفاحہ اس پر اپنے بڑے پن کا رعب جماتی لیکن اسد کبھی اس فرق کو ماننے پر آمادہ نہ ہوا کیونکہ بقول اس کے اسد کی لمبی ہائیٹ، مضبوط جسامت اور زبردست بارعب سی پرسنلیٹی اسے صفاحہ سے بڑا ہی دکھاتی تھی یوں بھی پیدائش کا سال تو ایک ہی تھا دونوں کا۔

☆☆☆

"خیریت تو ہے نان خالہ جانی؟ آج تو لگتا ہے آپ نے اس کے سیل چینج کروا دیئے ہیں یا پھر بیٹری ری چارج کی ہے شاید اللہ خیر ای کرے ہن۔" اس نے صفاحہ کی تیز رفتاری اور پھرتی کو نشانہ بنایا، آج ان لوگوں کی واپسی تھی دو گھنٹے بعد انہیں اسلام آباد کے لئے روانہ ہونا تھا اور وہ صبح سے کام میں جتی ہوئی تھی، کمروں کی ڈسٹنگ اور صفائی کرنے کے بعد اس نے جو پائپ اور جھاڑو سنبھالی تو اس گراؤنڈ نما کھلے سے صحن کو بے طرح رگڑ رگڑ کر صاف ستھرا کر ڈالا، وائپر لگا کر فارغ ہوئی تو کچن میں پڑے برتنوں کے ڈھیر کو مانجھنے بیٹھ گئی جو اماں نے سب کو ناشتہ کروانے کے بعد ایک جگہ جمع کر رکھے تھے، اس دوران اسد نے اٹھ کر ناشتہ کیا اور پیکنگ کا کام ختم کیا، اب بھی جب اسے سبزی کی ٹوکری میں رکھے گوبھی کے بڑے بڑے پھولوں کے ساتھ الجھتے اور لڑتے دیکھا تو پوچھے بنا رہ نہیں سکا۔

"ہاں پتر اس کو گھر گرہستی کے گر سکھا رہی ہوں سارے، اگلے گھر جائے گی تو مشکل نہیں لگے گا پھر یہ سارا کام۔" اماں نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پیار سے وضاحت دی تو وہ اپنی ماں اور خالہ کے ساتھ ہی تخت پر ٹک گیا۔

"اماں میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں کوئی شادی وادی نہیں کروں گی ابھی۔" صفاحہ نے چھری کے ساتھ گوبھی پر زور آزمائی کرتے ہوئے اماں کو جواب دینا ضروری سمجھا تو اسد اور نسیم کے ہونٹوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔

"ہاں ہاں شادی نہیں کرے گی یہ بس تقریریں ہی کرے گی وہاں بھی جا کے تو گز بھر کی زبان کے ساتھ پٹر پٹر کرتی رہے گی، دو بھاشن صبح کے کھانے میں ایک دوپہر کے وقت اور دو عدد لیکچر پھر سے رات کے کھانے میں، ارے میری بھی ناک کٹوائے گی یہ لڑکی۔" اماں نے بنا لحاظ و مروت مہمانوں کے سامنے لتاڑا۔

"ارے اماں نہیں کٹے گی آپ کی ناک بلکہ دیکھنا یہ اور بھی دگنی ہو جائے گی میرا مطلب ہے کہ فخر سے سر بلند ہو جائے گا آپ کا۔" غلط جملے پر ان تینوں کی صورتوں کے زاویے بگڑتے دیکھ کر اس نے فٹ تصحیح کی لیکن تب تک ان کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہو چکا تھا، اس کی کوریکشن کسی نے نوٹ ہی نہیں، سبزی تیار ہو چکی تھی صفاحہ نے ٹوکری اٹھائی اور واک آؤٹ کر گئی، اسد کی نظروں نے کچن میں اوجھل ہونے تک اس کا تعاقب کیا کھلے ہوئے نیلے پرنٹڈ لان کے سوٹ میں وہ

بہت نکھری نکھری اور اجلی لگ رہی تھی بالکل متناسب سراپا، پانچ فٹ سات انچ سے نکلتا ہوا قد اور سرخ و سفید رنگت والی یہ لڑکی ہر لحاظ سے دلکش اور جاذب نظر لگتی تھی۔

''خالہ جانی مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی؟'' کچھ تذبذب کے ساتھ وہ گویا ہوا تو نوزیہ اور نسیم دونوں متوجہ ہو گئیں۔

''آپ صفاحہ کی شادی کا سوچ رہی ہیں، یقیناً آپ اس کے لئے مجھ سے کہیں زیادہ اچھا سوچتی ہیں اور مجھ سے زیادہ اس کی فکر ہے آپ کو مگر میں پھر بھی اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ آپ کی بیٹی لاکھوں میں ایک ہے منفرد، باوقار اور ہیروں جیسی پختہ سوچ اور کردار کی مالک، آپ اسے کسی ایسے شخص کو سونپیئے گا جو اس کی ذمہ داری اٹھانے کے ساتھ اس کو اتنی آزادی دے کہ یہ اپنی زندگی میں آگے بڑھ سکے، اپنے ارادوں کو پورا کر سکے۔'' کہہ کر وہ رکا نہیں بات مکمل کر کے نوزیہ اور نسیم کو اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں کرتا وہ باہر نکل چکا تھا۔

''نوزیہ!'' نسیم نے پکارا۔

''جی آپا!'' وہ ابھی بھی کچھ سوچ رہی تھیں۔

''اسد نے تم سے جو بات کہی وہ ٹھیک ہے۔''

''جانتی ہوں آپا لیکن.....'' وہ چپ ہو گئیں۔

''لیکن کیا؟'' نسیم بوا نے بغور ان کی لیکن .....کو نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپا ابھی تک صفاحہ کے لئے جتنے بھی رشتے آئے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی مجھے اس طرح کا نہیں لگا کچھ ایک دو رشتے جو زیر غور ہیں اور جن کی تفصیل میں آپ کو بتا چکی ہوں انہیں بھی بس اپنے گھر کا انتظام و انصرام سنبھالنے والی ایک ذمہ دار اور خوبرو لڑکی چاہیے، جو گھر کی ذمہ داریاں خوب نبھائے اور ان کی نسل کی اچھی پرورش کر سکے، آج کل ہر جگہ لوگ سٹیٹس چاہتے ہیں اسی کے حساب سے کسی کی عزت اور زندگی کے باقی امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور ہمارے گھریلو حالات اور اسٹیٹس کا تو پتہ ہی آپ کو پھر ایسے میں کہاں سے آئے گا کوئی ایسا رشتہ جو اس کے من کی مراد پوری کرنے کی چاہ رکھے یا اس کو آگے لے کر چلنے کی پوزیشن میں بھی ہو۔'' اماں کے چہرے پر مایوسی، فکر اور تشویش کے سائے لہرانے لگے، دل سے وہ بھی ہر ماں کی طرح اپنی بیٹی کی خوشیوں کی خواہاں تھیں یہ صرف وقت کا تقاضا تھا کہ انہیں نہ صرف اپنی اکلوتی لخت جگر کے خواب چکنا چور ہوتے دیکھنے پڑ رہے تھے، بلکہ اسے سمجھا بجھا کر گھریلو اموز اور زندگی کے دوسرے رخ کی طرف موڑنا بھی انہی کا فریضہ ٹھہرا، اسد اور نسیم کی باتوں نے ان کے دل کا بوجھ اور بھی بڑھا دیا تھا۔

''یہ تو تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو نوزیہ مگر...... ایک بات ہمیشہ میرے لبوں پر آتے آتے دم توڑ جاتی ہے۔'' وہ ذرا سا رکیں تو اماں الجھن بھری نظروں سے انہیں بات کا اگلا ٹکڑا جوڑتے دیکھنے لگیں۔

''دیکھو نوزیہ میں صفاحہ کی خالہ اماں ہوں میرے دل میں بھی اس کے لئے اتنا ہی پیار ہے جتنا تمہارے دل میں لیکن میں اب تک خاموش تھی یہ سوچ کر کہ اپنی اسی چاہت اور رشتے کے لالچ میں خود غرض ہو کر میں اس کی زندگی کے اتنے بڑے اور اہم فیصلے میں کوتاہی نہ کر بیٹھوں، میں انتظار میں تھی کہ صفاحہ کے لئے میرے اسد سے بھی بہتر اور اچھا لڑکا ملے جو اسے زندگی کے

غموں اور دکھوں سے نکال کر ڈھیروں خوشیوں سے مالا مال کر دے، میں اسد کی ماں ہوں اچھی طرح جانتی ہوں اپنی اولاد کو وہ کچھ کہتا تو نہیں لیکن صفاحہ کے لئے اس کی پسندیدگی سے میں آگاہ ہوں، وہ شروع ہی سے پڑھائی میں اس کی ذہانت کے علاوہ بھی اپنی اس کزن کی قابلیت اور سوچ سے متاثر ہے، وہ کئی بار میرے سامنے اس کی تعریف کرتا ہے حالانکہ جب وہ اس کے سامنے ہوتی ہے تو وہ اسے صرف اور صرف چڑاتا ہے، میں نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ اگر کوئی مناسب رشتہ نہیں ملتا صفاحہ کے لئے تو میں اسد کے عملی زندگی میں قدم جمانے کے بعد ہی تم سے یہ بات کہوں گی لیکن اب تم لوگوں کی جلدی اسد کے جذبات اور سب سے بڑھ کر صفاحہ کے شوق اور اس کے مستحکم ارادوں اور سوچ کو دیکھ کر میں تم سے آج ہی سوال کر رہی ہوں کہ صفاحہ کو میری بیٹی بنا دو۔'' بات کے اختتام پر انہوں نے بہن کا ہاتھ تھام لیا تو اماں جو حیرت سے منہ کھولے بہن کو دیکھ رہی تھیں بات کے اختتام پر نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔

☆☆☆

پاؤں زخمی سہی، ڈگمگاتے چلو
راہ کے سنگ و آہن کے ٹکراؤ سے
اپنی زنجیر کو جگمگاتے چلو
نوشِ نیک و بد
کتنے کوہ قاہ قد
سبز بادل لئے ہیں تہیہ کیے
بارشِ زہر کا، اک نئے قہر کا
میرے دیدہ ور و میرے دانشورو
اپنی تحریر سے، اپنی تقدیر کو
نقش کرتے چلو
تھام لو ایک دم
یہ عصائے قلم
پھر ایک فرعون کیا لاکھ فرعون ہوں
ڈوب ہی جائیں گے
ڈوب ہی جائیں گے

اس کی آواز کی بازگشت ختم ہوئی تو پورا ہال زوردار تالیوں سے گونج اٹھا، ہر سو اس کے نام کے نعرے بلند ہو رہے تھے لوگ Once more , Once more کی گردان کر رہے تھے جبکہ وہ نپے تلے قدم اٹھاتی بڑے باوقار انداز میں سٹیج سے نیچے اتر آئی، میک اپ سے مبرا روشن چہرے پر بڑی شاندار اور دلفریب مسکراہٹ سجی تھی، ایوان میں بیٹھے چند نوجوان لڑکے لڑکیاں اسے رشک آمیز پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پرجوش انداز میں ابھی بھی تالیاں پیٹ رہے تھے، منعقدہ تقریب میں موجود مہمانانِ گرامی جن میں وزیر اعلیٰ پنجاب و سندھ اور وزیر اطلاعات و نشریات کے علاوہ ملک کی اور بھی بہت سی نامی گرامی مانی اور چھٹی ہوئی ہستیاں شامل تھیں۔

انہیں اس پچیس سالہ لڑکی کی فصاحت و بلاغت کا بے ساختہ اعتراف کرنا پڑا، حسب سابق صفاحہ نے اس بار بھی میدان مار لیا اس نے کچھ اس طور سے سیاسی دنیا کے ناخداؤں اور ریاکار و دغاباز افراد کے کچے چٹھے کھول کھول کر عوام کے سامنے رکھ دیئے تھے کہ لوگوں کو اپنے آپ میں عقابی روح بیدار ہوتی محسوس ہوئی، یہ اس کا ایک پلس پوائنٹ تھا کہ وہ ہمیشہ تاریک پہلو کو مذمت کرتے ہوئے روشن پہلو کو اجاگر کرتی، ناامیدی اور مایوسی کی پستوں میں اتری ہوئی قوم کو انسانیت کے اوج کمال تک پہنچنے کے گر سکھاتی ہوئی ان میں نئے سرے سے ولولہ و جوش بھر دیتی۔

"تو معزز سامعین یہ تھیں ہمارے روشن مستقبل کی پہچان، سٹوڈنٹس کا مان اور پاکستان کی شان جن کا نام ہمارے ہر بچے بوڑھے اور ینگسٹر میں زبان زد عام ہو چکا ہے "مسز صفاحہ اسد اللہ" جو اپنے سنہری الفاظ میں اپنے نادر و منفرد خیالات آپ تک پہنچاتے ہوئے ......" کمپیئر لڑکی سٹیج سنبھال چکی تھی، صفاحہ مضبوط قدم جماتی اس حصے کی طرف چلی آئی جہاں اسد، اماں، نسیم بوا اور ابا کے علاوہ اس کی تین سالہ بیٹی رواحہ بھی اس کی منتظر تھی، اسد سے شادی کے بعد اس نے بھی اسی یونیورسٹی سے ایم بی اے مکمل کیا اور پھر سی ایس ایس کے امتحان کے ذریعے انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ میں ایک اعلیٰ عہدے پر تعینات ہوئی، جبکہ اسد نے ایم بی اے کے بعد ایل ایل بی کیا اور پھر بزنس کے ساتھ ساتھ لاء کی فیلڈ میں بھی پیش رفت جاری رکھی آج وہ ملک کے ٹاپ وکلاء میں سے ایک تھا، (وکالت کا پیشہ اس نے صرف اور صرف ظلم کو پچھاڑنے کی خاطر اختیار کیا ورنہ وہ ایک قابل بزنس مین تھا)، نشست پر پہنچ کر اس نے اسد کی گود سے رواحہ کو لیتے ہوئے اماں اور بوا کو تشکر و عقیدت سے دیکھا جن کی محنت، کاوش تعاون بروقت اقدام اور صحیح فیصلے نے نہ صرف ان دونوں کی زندگیوں اور مستقبل کو سنوارا تھا بلکہ ان کی آنے والی نسلوں پر بھی یہ احسان عظیم کرنے کے علاوہ عوام کو دو قابل رہنما بھی فراہم کیے تھے۔

"ماما! یو آر دی بیسٹ مما آف دی ورلڈ۔" رواحہ نے باہیں اس کے گلے میں ڈال کر اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے اپنی توتلی زبان میں بڑے فخر سے کہا تو سبھی کے لب مسکرا اٹھے، اماں اور بوا کا سر جہاں ناز سے بلند ہوا وہیں اسد کے چہرے کی چمکتی مسکراہٹ مزید روشن ہو گئی تھی، اس نے فخر بھری مسکراہٹ سے صفاحہ کو دیکھا جہاں صفاحہ سے ہی اس کی طرف متوجہ تھی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

تیئسویں قسط کا خلاصہ

اجنبی خاتون کا خیال ہے کہ فنکار کو امانت مل گئی ہے، وہ مشتعل ہے، امرت نے باپ کی بکھرتی حالت کو سنبھال لیا ہے۔

امرکلہ پروفیسر غفور کے گھر نکل گئی، جہاں اس کی ملاقات پہلے فرید حسین پھر امرت اور عمارہ سے ہوتی ہے۔

پروفیسر غفور کی لاش ساری رات بے یارو مددگار سڑک پہ پڑی رہی، صبح فرید اور نواز حسین لے جاتے ہیں۔

امرت اور گوہر پیچھے جاتے ہیں۔

امرکلہ کی ماں کو شک ہے کہ اس نے نماز پڑھ لی ہے جبکہ امرکلہ کا کہنا ہے، اس نے تو ابھی تک بھی کلمہ نہیں پڑھا۔

ھالار باپ کی بکھرتی ہوئی حالت سے مایوس ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوبیسویں قسط
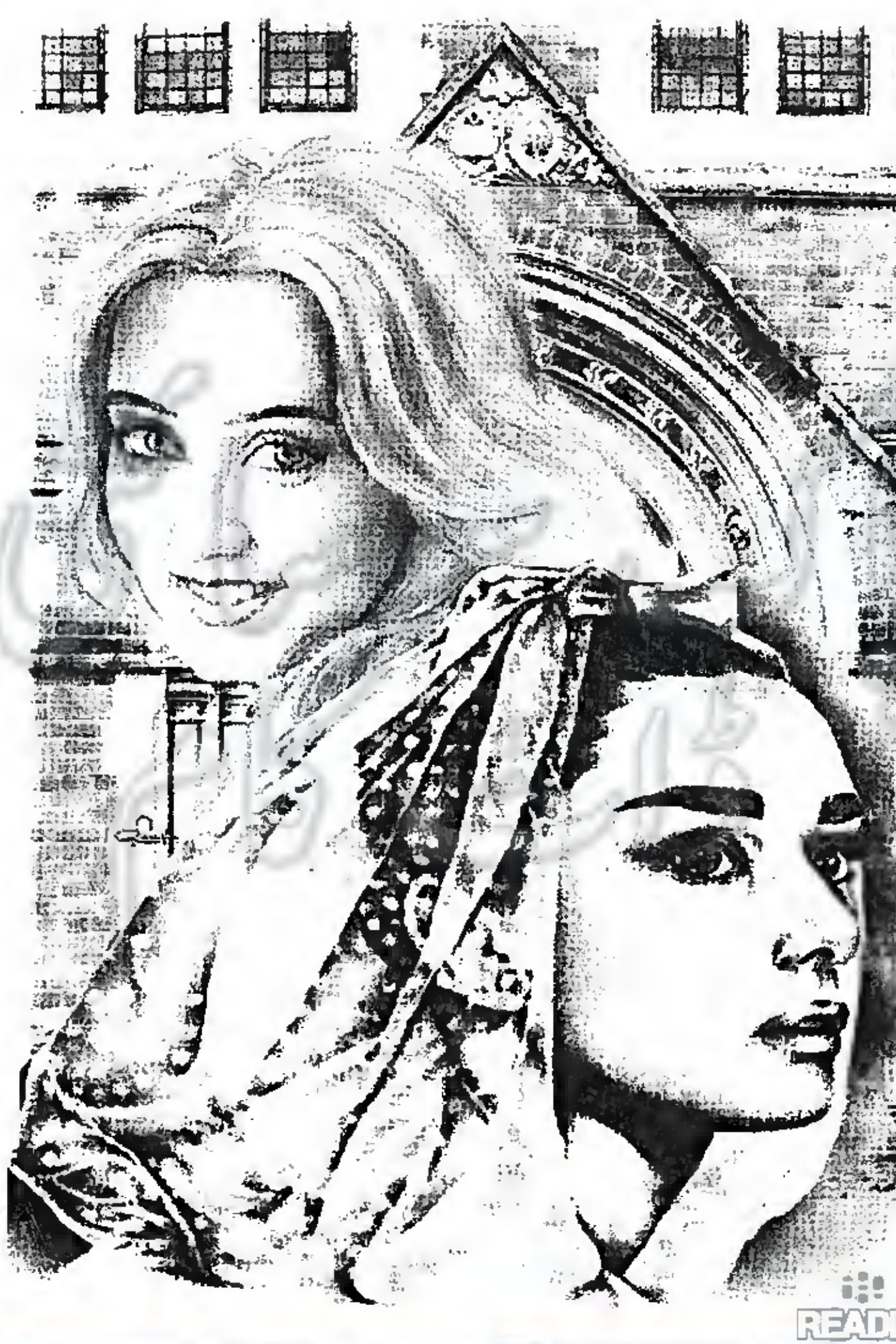
رات کا پچھلا پہر تھا اور اس کی جان پہ بنی تھی، کیونکہ سامنے امر کلہ تھی، نہ وہ ہل سکتا تھا، نہ کچھ بول سکتا تھا، نہ کہہ سکتا تھا، نہ ٹل سکتا تھا۔

کسی نے کہا بلکہ پروفیسر غفور نے کہا تھا کہ جب محبوب یا محبوبہ سامنے آئے تو بولنے کا مقصد ہے اس کی محبت کا امتحان لینا، چڑھ دوڑنا، سبقت لے لینا اور علی گوہر چڑھائی کرنے والا زیر کرنے والا، کبھی محبت نہیں کرسکتا۔

اس نے کہا تھا زبر کا کیا حساب ہے؟

کہنے لگا پیش کا پوچھ زبر کا چھوڑو، زبر تو وہ جو تخت پر بیٹھ گیا، جسے برابر کی جگہ مل گئی، مگر اس سے پہلے پیش کا سفر طے کرنا ہوتا ہے، پیش ہونا پڑتا ہے اور سب سے زیادہ مشکل سفر پیش کا ہی ہوتا ہے اور سب سے پہلے پیش وہی کرتا ہے اور علی گوہر کو پیش کا سفر درپیش تھا، جس سے وہ گھبراتا تھا۔

جہاں سے عشق اپنی اصل منزل کا تعین کرتا تھا، یا پلٹ جانا، یا تھام لینا۔

امر کلہ نے زندگی میں پہلی مرتبہ علی گوہر کی آنکھوں میں غور سے دیکھا تھا اور اتنا تالاب، اتنا پانی، سمندر بنا جارہا تھا۔

"علی گوہر کیسے ہو؟" نام تک لے لیا صرف حال ہی نہ پوچھا۔

"اصولاً کہنا کہ ٹھیک ہوں، یا یہ کہ میں تو ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو، یا آپ کیسی ہیں؟" اس کے لبوں پر جیسے برف کی سل گر گئی تھی۔

امر کلہ مزید رکتی تو پتھر بن جاتی، علی گوہر کے سامنے زیادہ دیر رکنا بہت مشکل ہوتا تھا، خصوصاً جب وہ صبر کی شدت پر کھڑا ہوتا تب۔

"اپنا خیال رکھا کرو، کیا حال بنا رکھا ہے۔"

آج جیسی اجنبیت کی ساری دیواریں ٹوٹ جانی تھیں۔

"تمہارے احسانوں کا مجھ پہ بہت بوجھ ہے۔" علی گوہر نے نظر جھکا لی تھی، چاہتا تھا کہ وہ مزید رکی رہے، بڑا دلفریب ہوتا ہے محبوب کا حال پوچھ لینا، رک جانا، بات چیت کرنا اور کرتے ہی رہنا، نظر جھکا لی تا کہ وہ رک سکے، وہ مسکرادی، امر کلہ مسکرادی، اس کی سعادت مندی کے کیا کہنے وہ تو مزید دلیر ہوگئی، دل بڑا ہوگیا کسی کا، گنجائش نکل آئی رکنے کی۔

"کس کے پیچھے بھاگ رہے ہو علی گوہر؟" وہ ذرا آگے آئی دو چار قدم، بیچ میں چار چھ قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

علی گوہر نے کہنا چاہا تمہارے پیچھے یا آپ کے پیچھے، مگر کہہ نہ سکا۔

"امر کلہ میں تو کچھ بھی نہیں ہے علی گوہر، تم تو بھرے ہوئے ہو، کہاں ضائع کر رہے ہو خود کو؟" شکایتی نظر اٹھی تھی گوہر کی۔

"رستہ بدلنے کی بات کر رہی ہیں آپ۔" لہجہ بھیگا ہوا نرم تھا، امر کلہ کو لگا وہ رو دے گا اور وہ رو دیا۔

"میرے پاس کچھ نہیں، میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ علی گوہر امر کلہ تو خود راہ بھٹکی ہوئی ہے اور کسی نے اپنے قدم اس بے راہ کی راہ میں لگا دیئے ہیں۔"

''ڈرتی ہوں، کہیں بے منزل، بے مراد نہ ٹھہرایا جائے۔''
''بہت انمول ہو تم اور میں دو مول۔'' بے مول نہ کہا۔
علی گوہر نے ایسے بے بسی سے دیکھا جیسے کبھی پروفیسر غفور کی چوکھٹ پہ بیٹھے انتظار کی کیفیت میں اسے دیکھا تھا، جب پروفیسر نے اسے روک دیا تھا، شاید اسی دن کے لئے، اسی آمنے سامنے کے لئے۔

اسے دیکھنے کی جو لو لگی
تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دور ہوں
وہ ہزار پردہ نشین سہی

پردے کھسکنے کا وقت تھا یا پھر سولی چڑھ جانے کا۔
''علی گوہر!'' کہنا چاہتی تھی مگر علی گوہر کی آنکھوں سے جو شدت برسی تھی، وہ کوئی لمحہ تھا۔
بس کوئی ایک لمحہ ہی تو ایسا ہوتا ہے، جو آپ سے لفظ چھین لیتا ہے، قوت گویائی سلب کر لیتا ہے۔
''چاہتے ہو امر کلہ یہیں مر جائے۔'' لہجہ تھا یا......
وہ کیا نام دیتا، کبھی کبھار محبت کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا، سوائے محبت کے۔
''علی گوہر! آئندہ میرے رستے میں مت آنا، اگر چاہتے ہو امر کلہ مر جائے تو آ جانا اور جب امر کلہ مر جائے، پھر تو ضرور آنا علی گوہر۔''
نام لیتی تھی یا دو دھاری تلوار سے قتل کرتی تھی اور وہ ہو جاتا تھا۔
''کیا؟ اسیر۔''
''نہیں......وہ تو پہلے سے ہی تھا۔''
''یہاں قتل ہونے کی بات ہو رہی ہے۔''
''زندہ قتل ہونے کی بات۔''
اس کے بعد امر کلہ نے وہ بات کہی، جو کہنا نہیں چاہیے تھی اور علی گوہر نے وہ بات سنی، جو کہ سنی نہ جا سکتی تھی، بہت مشکل تھی۔

☆☆☆

علی گوہر سے بات کر آئی تھی، اب کسی سے بھی کر سکتی تھی، امرت اور ہالار کھڑے تھے جب وہ اندر آئی، ہالار پہلے ہی روٹھا روٹھا کھڑا تھا، اسے دیکھ کر کھلے دروازے سے سیدھا ہو کر نکل گیا۔
امر کلہ کو ذرا افسوس تو ہوا تھا، کیا شناسائی اور پھر یہ اجنبیت۔
''میں نے سمجھا ہالار جوان ہو گیا، مگر نہیں، حرکتوں سے وہ بچہ تھا اور بچہ ہی ہے۔'' یہ امر کلہ نے کہا تھا۔
''ویسے میں غلط وقت پہ یقیناً نہیں آئی؟''
''جیسا تم سمجھ رہی ہو ویسا ہرگز نہیں ہے، میں دراصل اس سے کہہ رہی تھی کوئی بہت ضروری

کام ہے جو کرنا ہے۔'' امرت وضاحتیں تو نہیں دیتی تھی، پھر کیوں دے رہی تھی اس نے سوچا، حالانکہ پتہ تھا وہ شروع سے اسے وضاحت دینے کی عادی تھی۔

''میں نے سمجھا تم بدل گئی ہو، مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔''

اس کے دل میں تو خواہش تھی، لپٹ کر رونا، کھل کر ملنا اس سے، بہت ہی، ساری باتیں کر لینا۔

''بدلنے کی بات صرف تم پہ ہی فٹ آئی ہے، تم شروع سے خود کو ہی عقل مند سمجھتی رہی۔'' امرت کے لہجے میں شکایت تھی، وہ مسکرا دی تھی، اس کے قریب آئی، اس کے گال پہ ہاتھ رکھا۔

''آج تک اتنی ہی معصوم دکھتی ہو امرت، مجھے دیکھو وقت کھا گیا ہے مجھے، کیسی دکھتی ہوں۔''

امرت کا دل چاہا ایک طمانچہ زور سے رسید کر کے اسے اور کر دیا، وہ جو چاہتی تھی کر گزرتی تھی۔

امرکلہ کو چاہیے تھا اسے دوسرا جڑتی، مگر کیسے جڑتی کہ امرت رو دی تھی، مارا بھی اس نے اور درد بھی اسے ہوا رونا بھی اسے آ گیا اور جب رونا آیا تو امرکلہ نے اسے ساتھ لپٹا لیا تھا، وہ کیوں روئی، بہت مضبوط انسان بھی روتا ہے، رونا بڑا سکھ ہے، یہ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اسے بھی چار دکھ تھے لاحق جن کو دبا کر وہ چلتی تھی، اسے آٹھ مسائل درپیش تھے، جن کو حل کرنے کے لئے وہ آٹھوں پہر سرگرداں رہتی تھی۔

امرکلہ نے اسے خود سے لگا کر بھینچ لیا، وہ چاہتی تھی اس کی ساری شکایتیں دھو ڈالے، امرکلہ سے لگ کر وہ رو دی تو سیدھی ہوئی۔

''میں نے تمہیں مارا۔''

''کوئی بات نہیں، تمہارا حق ہے، تم بس روٹھو مت مجھ سے، تمہارا سرد اجنبی لہجہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا، اتنے عرصے بعد تمہیں دیکھا ہے امرت۔'' وہ اس کے نرم ملائم گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو صاف کرتی رہی۔

''کہہ ایسے رہی ہو، جیسے مجھے دیکھنے کے لئے مری جا رہی تھیں تم۔'' وہ اس کی بات پر ہنس دی، امرت کی بات پر۔

''میں نے خود کو اتنے عرصے میں غور سے نہیں دیکھا، خود کے بارے میں سوچتی تو سرفہرست تم یاد آتیں اور تم یاد آئی بھی تھیں مجھے بہت بار، مگر کیا منہ لے کر تمہارے سامنے آتی، خود سے بھی چھپ رہی تھی میں، بھاگتے بھاگتے اتنے سال گزر گئے، جیسے صدیاں گزر گئیں امرت۔''

''بوڑھی ہو گئی ہوں میں جیسے، سو سال کی۔''

''ماسی لگ رہی ہو ایکدم سے، کیا حال بنا رکھا ہے اپنا۔'' یہی وہ جملہ وہ کسی کو کہہ آئی تھی اور اب سن رہی تھی، کہنا چاہ رہی تھی علی گوہر کو دیکھو وہ مجھ سے زیادہ بکھرے حالوں میں ہے، برے حالوں میں کہنا خدا جانے ٹھیک ہو گا یا نہیں۔

''تم نے علی گوہر کو دیکھا امرکلہ؟'' تلوار جیسے کسی نے گردن پر رکھ دی ہو اور پھیرنا باقی ہو، اس نے کیا دیکھا اور جیسے تلوار پھیر دی گئی ہو۔

''دیکھ لیا؟'' امرت اجنبیت چھٹنے کے بعد اتنی مشکل بن رہی تھی۔
''ہاں، دیکھ لیا۔''
''بات کی؟''
وہ اگر کہتی ہاں کی، تو امرت نے کہنا تھا کمال کر دیا۔
''تم بتاؤ کیا کرتی پھر رہی ہو آج کل، پھر تمہارے پھر تیلے، ذہن نے کوئی نیا منصوبہ گھڑا ہو گا، سنا ہے پرچہ نکالنے لگی ہو۔'' وہ تو بات ہی بدل گئی تھی۔
''ہاں بس دیکھتے ہیں، تمہیں تو پتہ ہے کہ مجھے فالتو بیٹھنا کہاں آتا ہے، پرچے کی تو بعد میں کرتے ہیں۔''
''مگر گاؤں کے لئے صبح تک نکل جانا ہے، بہت جلدی ہے، دل بہت بے چین ہے۔''
''خیریت ہے، گاؤں سے کب سے رابطہ جڑ گیا پھر سے۔''
''بس یار جڑ گیا، ہاں خیریت ہے، ابے کو لینے جانا ہے۔''
''ابا مل گیا؟ کون ہے؟''
''وہی جو کہانیاں لکھتا تھا، جن کی کہانیاں ہم پڑھتے تھے، ھالار کا با، فنکار۔''
''ہاں، ھالار کا با، فنکار۔''
''تم فنکار، وہ تو بڑے اچھے انسان نہیں۔''
''میں نے وعدہ کیا تھا ان سے ملنے آنے کا، میں ملی بھی امرت، جان کر کتنی زیادہ خوشی ہو رہی ہے نا۔''
''اچھی بات ہے۔''
''تم نے اسے، یہ بتاؤ معاف کر دیا؟''
''میرا وہ مجرم نہیں تھا، وہ اپنی ذات کا مجرم ہے امر کلہ، کتنا بھلا لگ رہا تھا اتنے عرصے بعد اس کا نام لینا، سامنے بٹھا کر بات کرنا اور بیٹھ کر سننا۔'' گھڑی کے کانٹے جیسے تڑ تڑ کر کے پیچھے جانے لگے ہوں، وہ وہیں پہ کھڑی ہوں، اسی پلیٹ فارم پر، اگرچہ حالات مختلف نہ ہوتے۔
''میں نہیں چاہتی وہ کسی سڑک پر دم توڑ دیں، یا پھر جتنی بھی ان کی زندگی ہو، انہیں پکڑ کر لوگ گدی پر بٹھا دیں، یا پھر گلیوں میں بچے ان کو پتھر مارتے رہیں، اولاد کے ہوتے ہوئے ایسے رہنا اور ایسے مر جانا، میں بس ان کو نکالنا چاہتی ہوں اس گہرے کنویں سے، پھر ھالار کے حوالے کر دینا ہے۔''
''کیا ہمیں اب تک نکل جانا نہیں چاہیے؟''
''لاھوت نے گاڑی نکال لی ہے وہاں سے، وہ علی گوہر کے گھر پہ ٹھہرا تھا، تم لے لو اپنا سامان، ہم فجر کہیں رستے میں پڑھ لیں گے، دل کہتا ہے کہ صبح سویرے پہنچ جائیں تو اچھا ہے۔''
ھالار دروازے سے باہر کھڑا بیان کر رہا تھا۔
''بالکل، بس مجھے گھر جا کر کچھ لے لینا ہو گا، کپڑے وغیرہ، ہو سکتا ہے رکنا پڑ جائے اک آدھ دن۔''

"ٹھیک ہے، وہ آجائیں تو انہیں کہتے ہیں تمہیں وہاں چھوڑیں ہم جب تک گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرلیں گے۔" وہ کہہ کر ہٹ چکا تھا، باہر برآمدے میں فرید حسین کو نواز کا اثر چڑھا تھا وہ سپارہ پڑھ رہا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر علی گوہر کی تو سٹی گم ہوگئی ہوگی، وہ تو گھر سدھار گیا ہوگا، یہاں کون ہے، ایک فرید، ایک نواز، تم بہتر ہے کہ میرے ساتھ گاؤں چلو یا میرے گھر پہ رک جاؤ۔"

"تمہارے گھر؟ کیا تمہاری ماں مجھے جان سے نہیں مار دیں گی؟" یہ بات اس نے مسکرا کر کہی تھی، جان سے مار دینے والی۔

"نہیں، اب کچھ سیدھی ہوگئی ہیں، مجھے دراصل یہاں دو کام ہیں، ایک تو فرید کو میسج دینا تھا، دے دیا، پروفیسر صاحب سے ملنا تھا پتہ نہیں تھا آخری دیدار ہوگا۔"

"بہرحال سادھنا کو تلاش کرنا ہے، تم جب گاؤں سے ہو کر آؤ گی تو بتاؤں گی سادھنا کون اور فرید کو کیا میسج دینا تھا اور یہ بھی کہ لوٹ کر کہاں جانا ہے، جب تک مجھے ساتھ لے چلو اگر حالار کو برا بھی لگے تب بھی۔"

"مگر آنٹی سے پوچھ لو، پہلے۔"

"تم چلو، وہ زیادہ سے زیادہ کیا کریں گی، تمہیں گھوریں گی کہ یہ خانہ بدوش دوست کہاں سے لائی ہو۔"

"مگر میں انہیں بتا دوں گی کہ میں درحقیقت کون ہوں۔"

"شوق سے، مگر آخری بار نکلتے ہوئے بتا دینا، اس سے پہلے چند دن عزت سے رہنا چاہتی ہو تو زبان سی لینا پڑے گی۔" گاڑی آ چکی تھی، حالار آ گئے آ گیا لاھوت کے ساتھ۔

امرت اور امرکلہ پیچھے عمارہ کے ساتھ بیٹھ گئیں، عمارہ نے حیرت اور ناگواری سے دیکھا ضرور تھا۔

"آپ کو کہاں اترنا ہے؟" یہ امرکلہ سے سوال تھا، اس سے پہلے امرت بول پڑی۔

"تمہیں اس سے کیا؟ تمہارے گھر نہیں جا رہی یہ میرے ساتھ نکل رہی ہے۔"

"تم ایک بے بھروسہ لڑکی کی خاطر مجھ سے لڑو گی۔" عمارہ بالکل بچی بن جاتی تھی ایسے موقعوں پر، لاھوت ہنس دیا۔

"عمارہ کچھ تو وقت اور حالات کا خیال کرلیا کرو۔" یہ لاھوت نے ہنسنے کے بعد کہا تھا۔

"یہ اور خیال کرلے۔" امرت نے سر جھٹکا تھا اور امرکلہ نے عمارہ کی طرف دیکھا۔

"سوچ رہی ہوں آپ اگر امرت کی جگہ ہوتیں تو عمارہ غضب ہو جانا تھا، اس نے تھپڑ مار دیا، مگر آپ گولی مار دیتیں۔" عمارہ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر کہا گیا تھا، وہ تو آگ بگولہ ہو جاتی تھی۔

"خیر سے آج تک کتنوں کو گولیاں ماری ہیں میں نے؟"

"گولی کبھی خیر سے نہیں ماری جاتی عمارہ، شر سے ماری جاتی ہے، گولی میں شر ہوتا ہے۔"

"تھپڑ میں تو جیسے خیر ہوتی ہے نا۔" وہ یہی کہہ سکی، امرکلہ کی بات پر۔

"جو تھپڑ اگر امرت مار دے، تو اس میں خیر ہی ہوتی ہے اگر وہ تھپڑ نہ مارے چپ رہے تو سمجھو

خیر نہیں ہے۔" وہ امر کلہ تھی، اسے لاجواب کرنا آتا تھا، اسی لئے لاھوت نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔

☆☆☆

"دیکھا آپ نے کیسے سر پہ پیر رکھ کر بھاگی ہے، میں نے کتنا کہا کہ رک جاؤ چار دن۔" وہ شکایت لے کر بیٹھی ہوئیں تھیں۔

"جانے دو گوہر کی ماں اب بیٹی اپنے گھر کی ہی اچھی لگتی ہے، میں تو سو بار شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کا جی لگ گیا ہے، خوش ہے وہ اپنے گھر میں، اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے ہمیں، تم بھی شکر ادا کرو۔"

"وہ بات اپنی جگہ، مگر میں تو تنہا ہوگئی ہوں نا۔"

"آپ کہیں اب گوہر کو کہ لے آئے کوئی لڑکی۔"

"بھگا کہ ہی لے آئے، پر لے تو آئے۔" وہ ہنسے تھے۔

"توبہ کریں، آپ بھی نا، میں ایسے کیوں کہوں گی کہ کسی ماں باپ کی بچی کو بن بیاہے بھگا کر لے آئے۔"

"ایسا بے غیرت میرا بیٹا بھی نہیں ہے۔" بیٹے کی طرف داری کر رہیں تھیں اور بیٹا آ گیا۔

"لو آ گیا، کیا ہوا میاں کسی نے بھگا دیا ہے کیا؟"

"سلام ابا جی۔"

"وعلیکم السلام بھاؤ، آؤ آؤ آ جاؤ، اب میرے سوال کا جواب بھی دے دو۔"

"کس سوال کا؟"

"میموری گم ہوگئی علی گوہر خیریت ہے نا۔"

"خیریت ہی ہے ابا جی۔"

"کیا پھر، کھانا، یہ سونا؟ کیونکہ گھر میں تو آپ ان دو کاموں کے لئے ہی آتے ہیں۔"

"کیوں پیچھے پڑ جاتے ہیں، آپ میرے بیٹے کے۔" وہ اٹھیں تھیں اس کے لئے کھانا لانے کے لئے۔

"آپ کیوں میری بیٹی کے پھر پیچھے پڑ جاتی ہیں۔"

"ابا ٹھیک کہتے ہیں، میں اسی لئے تو آتا ہوں، مگر اس وقت کھانا نہیں چاہیے، ابا جی جانتے ہونگے قبرستان سے واپسی پر کھالیا تھا، یہ جلدی لوٹے تھے۔" وہ آب دیدہ سے ہو گئے۔

"یقین نہیں آتا کہ غفور ایسے چلتے پھرتے چلا جائے گا۔"

"اچھا ہے کہ انسان چلتے پھرتے جائے گوہر کے ابا معذوری اور محتاجی سے خدا ہی بچائے۔"

"یہ بھی ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" وہ دونوں بہت کم کم متفق ہوئے تھے۔

"بس سونا چاہتا ہوں، مگر فجر پہ اٹھا دیں مجھے۔"

"اٹھا دوں گا، ماں نہیں اٹھائے گی تجھے۔"

"پتہ تھا ابا۔" وہ مسکرایا اور یہ بھی کہ بستر بچھا دیا ہوگا، وہ جا کر دراز ہوگیا۔

''آپ بھی گوہر کی ماں کچھ سولیں اور مجھے بھی سونے دیں کچھ۔'' وہ اٹھے تھے، ساتھ وہ بھی انھیں اور گوہر کے ذہن میں کیا تھا اور نظر میں بھی، وہ ایک ہی کشش، ایک ہی نام اور بات کیا کہ گوہر کیسے ہو؟ دل بھیگ گیا تھا، دل کیا وہ تو خود پورا کا پورا ڈھے سا گیا تھا۔
فکر بھی چوٹ پر تھی اور ذکر بھی دل کے اندر گونجتا تھا، دل بھیگا ہوا تھا۔

☆☆☆

امرکلہ کو دیکھ کر وہ ذرا حیران ہوئیں تھیں مگر امرت کے ڈر سے کہا کچھ نہیں کہ وہ دل ہی دل میں اس کی خفگی سے ڈرتی تھیں۔
''کہاں سے آرہی ہو؟'' دروازہ کھولتے ہی ان کی نظر اک اور چہرے پہ گئی تھی۔
''پروفیسر صاحب کے گھر سے آئے ہیں، دوست ہے میری۔''
''آجاؤ۔''
''میں امرکلہ ہوں۔'' اس نے شروع سے ہی ان کا تاثر دیکھ لیا تھا، امرت نے بڑے پیار سے امرکلہ کو دیکھا تھا، پیچھے عمارہ بھی آگئی اور بڑے جوش سے خالہ بھانجی ملیں۔
لاھوت سے کہاں صبر ہوتا تھا، بس ھالار گاڑی میں بیٹھا تھا، امرکلہ کا نام شاید انہیں یاد نہ تھا، یا پھر کافی سارے لوگوں کو دیکھ کر وہ فی الحال غائب دماغ ہو گئیں تھیں۔
''امی میں کچھ دنوں کے لئے جارہی ہوں گاؤں، امرکلہ جب تک یہیں رہے گی، اس کے کچھ کام ہیں یہاں پر۔'' وہ انہیں کمرے میں لے آئی، امرکلہ عمارہ کے ساتھ ڈائننگ ہال میں بیٹھ گئی تھی، وقار صاحب آوازیں سن کر باہر آئے تھے اور کافی خوش ہو رہے تھے کیونکہ عدنان کل سے واپس گیا تھا تو گھر میں اداسی سی ہو گئی تھی۔
انہیں رونق پسند تھی اب بڑھاپے میں تنہائی کچھ زیادہ ہی کھانے آتی تھی، لاھوت چائے بنانے کے لئے کچن میں گھس گیا تھا۔
عمارہ کی وجہ سے اب کافی بے تکلفی تھی جب سے ان کی شادی ہوئی تھی، امرت کے کزن کے طور پر نہ سہی مگر بھانجی کے شوہر کے طور پہ وہ لاھوت کو خاص طور پہ توجہ دینے لگیں تھیں، وہ بھی بے دھڑک آنے جانے لگا تھا۔
''کہاں جارہی ہو، گاؤں۔'' ان کی آواز ڈوبی ہوئی تھی۔
''اپنے باپ کے پاس جارہی ہوں تم۔''
''میں لوٹ آؤں گی کچھ دن بعد۔''
''تم اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو امرت؟''
''امی!'' اس نے کپڑے الماری سے نکال کر بیگ میں بھرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا، اس نے صرف دو جوڑے اور ضرورت کی چند چیزوں کا چھوٹا سا بیگ بنالیا تھا۔
''میں ہمیشہ کے لئے نہیں جارہی، اعتبار کریں میں آجاؤں گی۔''
''تم ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہو امرت؟'' سوال دہرایا گیا۔
''میں ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، بس انہیں لانا ہے بیمار ہیں وہ۔''

''تم چلی جاؤ امرت۔'' دل پہ بھاری پتھر رکھ کر کہا تھا۔
''امی!'' اس نے ان کے سامنے جا کر کندھوں سے تھاما۔
''میرے اندران کے ساتھ رہنے کی کوئی خواہش نہیں ہے، آپ کے ساتھ رہنا ہے مجھے۔''
''بس امر کلہ کا خیال رکھیے گا، اسے کچھ نہ کہیے گا، زندگی میں پہلی بار آئی ہے، مایوس ہو کہ نہ جائے، دھیان رکھیے گا۔'' اسے اندازہ تھا اس کے جانے کے بعد کوئی نہ کوئی تکرار تو ہو ہی سکتی تھی۔
اس نے کپڑے الگ کر لیے دوسرے اور امر کلہ کو آواز دی، وہ چائے کا کپ لے کر اندر آئی تھی اور لاہوت چائے کا کپ لے کر ھالار کے پاس چلا گیا۔
''امر سنو، یہ کپڑے ہیں میرے اور ہر چیز تقریباً جو چاہیے مجھے بتا دو، بلکہ رکو، میرا اے ٹی ایم کارڈ رکھ لو۔'' اس نے اے ٹی ایم نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھا تھا، امر کلہ صرف بے بسی سے مسکرا دی اس وقت وہ مکمل طور پہ اس کے رحم و کرم پہ تھی اور کسی چیز کا انکار دشوار تھا۔
اس کی ماں صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ یہ لڑکی آج تک اس کے لیے کتنی اہم ہے اس کی بیٹی کسی کو اتنی اہمیت دے، یہ مشکل تھا اور جسے دے وہ غیر اہم نہیں ہوتا، مگر ابھی وہ چپ تھیں، خاموشی سے باہر چلی گئیں، عمارہ کو کھانے کی چیزیں مہیا ہونے لگیں، ان سے وہ الماری کھولے کھڑی تھی۔
''میری ماں کے حصے کے بس کچن کا کام کر دینا، خوش ہو جائیں گی تم سے۔'' وہ ہنس کر بیگ اٹھا کر بولی۔
''مجھے امید ہے میری واپسی ہو گی تو تم مجھے یہیں ملو گی اور کچھ دن ہم اکٹھے گزاریں گے۔''
''امید تو مجھے بھی ہے، مگر تمہیں میری آوارہ عادتوں کا تو پتہ ہے نا۔''
''بالکل پتہ ہے، مگر میں چاہوں گی اب تم سدھر جاؤ۔''
''رابطے کا کوئی ذریعہ ہے؟'' اسے جانے کیوں امرت کی ماں سے ذرا خدشہ تھا کہ وہ چین سے رہ پائے گی، یا وہ اس کی موجودگی کو قبول کر پائیں گی یا نہیں، خائف تو وہ صدا کی تھیں۔
''ہاں ہے، میرا نمبر ای کے پاس درج ہے اس کے علاوہ لینڈ لائن کے پاس جو ڈائری رکھی ہے فون نمبرز کی ان میں سب سے پہلے میرا اسپیل فون لکھا ہے، لینڈ لائن سے کر لینا فون اور امر کلہ، اپنا خیال رکھو گی۔''
''تم رکھنا محاذ جنگ پہ تو تم جا رہی ہو۔'' وہ سوچ رہی تھی اتنا عرصہ کس سے دور رہی ہے، امرت جیسی دوست سے، جو ہر جگہ چھپا لیتی ہے، تھام لیتی ہے، اس کے ساتھ ہوتے ہوئے تحفظ کا احساس برابر رہتا ہے۔
یہ اللہ کے وہ بندے ہوتے ہیں جو ظاہر میں لائق نہ سہی، مگر چلتے پھرتے سو طرح کی آسانیاں بچھاتے جاتے ہیں دوسروں کی راہوں میں اور اس کا خود انہیں بھی اندازہ نہیں ہوتا۔
جو مایوس نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ مایوس ہونا ہی نہیں جانتے، ان کا بھروسہ اس پہ ہوتا ہے جسے کائنات کا خدا کہتے ہیں۔

☆☆☆

وہ صبح سویرے اٹھ گئی تھی، اٹھی تو وہ فجر پڑھ رہی تھیں، اسے سکھی خالہ یاد آ گئیں اور ساتھ ہی

ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی، وقار صاحب نماز سے فری ہوکر اب سورۃ یاسین کی تلاوت کررہے تھے، کتنا پرسکون ماحول تھا۔

وہ چائے بنانے چلی گئی، رت کے برتن دھو لئے تھے، ٹوسٹ غالباً سینکنے کے لئے رکھے گئے تھے، ساتھ انڈے بھی وہ جب تک آئیں اس نے فرنچ ٹوسٹ بنا لئے تھے چائے کے ساتھ۔

''بیٹی تم صبح صبح کام میں لگ گئیں۔''

''امرت نے کہا تھا اپنا ہی گھر سمجھنا، میں نے اپنا گھر ہی سمجھا اور اپنی مرضی سے ناشتہ بنا لیا ہے۔''

''تم نے اچھا کیا، مجھے خوشی ہوئی، اپنا ہی گھر سمجھو اسے۔'' وہ ناشتہ لے کر آ گئی، وقار صاحب اخبار لے کر کرنٹ افیئرز ڈسکس کرتے رہے اس کے ساتھ۔

''بڑے دنوں بعد آج ٹوسٹ ملے ہیں، ورنہ کبھی جلے کبھی تیز مرچ والا آملیٹ۔'' یہ بات انہوں نے آہستگی سے کہی تھی امرکلہ کو۔

''میں جب تک ہوں آپ کو اپنی پسند کا ناشتہ بنا دوں گی۔''

''تم ایسا کرنا باہر نکلو تو حلوہ پوری لانا لنچ میں پیسے میں دے دوں گا۔''

''دیکھو امرت کے پاس وقت نہیں ہوتا، عدنان کھانے نہیں دیتا ایسی چیزیں اور تمہاری آنٹی تو۔'' جو سامنے سے آتی دکھائی دیں تو وہ خاموش ہو گئے۔

''تم جتنے دن بھی رہو ان کی عادتیں بگاڑ کر مت جانا بچے، ان کو تو ہر وقت کھانے کی چیزیں یاد رہتی ہیں۔'' وہ منہ بنا کر بیٹھ گئے۔

سردیوں کی صبح نے پیر پسار لئے تھے موسم بہت جلد بدلنے والا تھا، جنوری کے آخری روز تھے۔

وقار صاحب کو دکھ تھا کہ یہاں فروری تک سردی کھسک جاتی ہے اور گرمی تو سرکنے کا نام نہیں لیتی اکتوبر تک موج کرتی ہے، نومبر صرف اس کشمکش میں رہتا ہے کہ سردی آئے گی کہ نہیں، گلی کے بچے پہلے سے ہی سویٹرز عقیدتاً پہننا شروع کر دیتے ہیں۔

وہ بڑی والی کھڑکی سے بچوں کو دیکھتے رہتے، اب عدنان کے بچوں کے ساتھ دل بہلانے کے بعد انہیں بچوں کو لبھانا آ گیا تھا، انہوں نے پاکٹ میں ٹافیاں رکھنا شروع کر دی تھیں۔

ابھی بے ساکھی کے سہارے لاؤنج کی بڑی کھڑکی میں وہ کھڑے تھے اور جیب میں ہاتھ مارا تو چار پانچ روپوں کے سکے اور دو ٹافیاں نکلیں، انہوں نے بچوں کو چمکارا، وہ دوڑے دوڑے آئے تھے، صنوبر بیگم نے وہیں سے ناگوار نگاہ ڈالی، انہوں نے نظر بچا کر سکے بچوں کی ہتھیلیوں پر دھر دیئے جس کے بدلے صنوبر بیگم بچوں سے کئی بازار کے کام نکلوا لیتی تھیں، ابھی انہوں نے یہی کھڑے ہو کر سوچا تھا کہ کون سا کام رہتا تھا جو بعد میں یاد آتا تھا اور ہوا بھی یہی جب وہ کپڑے نکالنے لگیں تو یاد آیا راشن میں سے صرف کپڑے دھونے کا صابن کم پڑتا تھا، انہوں نے وقار صاحب کے دو کرتے کھنگال لئے تھے مگر باقی کپڑے رہتے تھے۔

امرکلہ نے صفائی کر لی تھی، دوپہر کے لئے آٹا گوندھ کر رکھ لیا تھا، امرت کے کمرے کے

جالے اتارے تھے، اس کی الماری ٹھیک کر رہی تھی جب وہ آئیں۔
''بیٹے تم باہر جاؤ گی امر کلہ؟''
''جی آنٹی جاؤں گی، کچھ چاہیے؟''
''بیٹے میرے ساتھ چلنا گھر کے لئے کچھ چیزیں رہتی ہیں۔''
''بالکل ٹھیک ہے چلتی ہوں، ذرا الماری ٹھیک کرلوں، امرت نے تو الماری بہت گندی کر رکھی ہے۔''
''اس میں کوئی چیز اِدھر سے اُدھر کروں تو بگڑتی ہے، ویسے یہ اس کا کمال ہے ایک الماری کے اندر دیکھو اس نے اتنی ساری چیزیں بھر دی ہیں۔''
''میری والی الماری تو ایکدم فل ہو جاتی ہے۔''
''جی ہاں جبھی تو الماری کے پٹ کھولتے ہی ساری چیزیں سلامی کو آجاتی ہیں۔'' وہ ہنسی اس بات پہ۔
''ماسی آئی تھی صفائی والی؟ یا یہ سب صفائی تم نے کی ہے؟''
''ماسی آئی ہے کیا؟ مجھے نہیں تھا پتہ، ہاں میں نے کرلی۔''
''تم کام کرنے کی کتنی تیز ہو بیٹی۔'' وہ خاصی متاثر نظر آنے لگیں تھیں، امر کلہ کو ان کی معصومیت پر ڈھیر سارا پیار آ گیا۔
''چلو اب میں سالن بھون لوں گی، پھر ہم بازار کے لئے نکلتے ہیں، میں ڈرائیور کو فون کرلوں گی کہ آجائے ٹیکسی آجاتی ہے، جب بھی کہیں باہر جانا ہوتا ہے۔'' وہ کہہ کر کچن کی طرف چلی گئیں۔
الماری کے ایک خانے سے پتوں کی طرح جھڑتی چیزوں کا یہ تاثر تھا کہ جیسے صدیوں کے قید سے رہائی ملی ہو اور ان میں سے ایک سرخ گٹھڑی جو خالی تھی، امر کلہ نے اٹھالی، اسے سر درد یاد آیا جواب بھی کبھار سر اٹھاتا تھا۔
مگر چٹ کہاں تھی، اس نے سوچا امرت سے پوچھے گی، یہ کیسے گھوم پھر کر اس تک پہنچ گئی اور جبھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی کیونکہ اس نے کہنا تھا۔
''تم جو گھوم پھر کر میرے پاس آ گئیں، یہ تو پھر بھی گٹھڑی ہے۔''
''کہنا شاید درست ہے کہ دنیا گول ہے۔''

☆☆☆

گاؤں پہنچتے ہی اس کا سب سے پہلا سامنا بوا اماں سے ہوا تھا، انہوں نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا تھا، ان کی آنکھوں میں ایک ڈر تھا اور تھوڑی سی شکایت تھی، جو کہ کسی قدر اسے بھی تھی، کبھی کبھار زبان نہیں رویے کام کرتے ہیں۔
سلام و جواب کے بعد ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی، امرت کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا جب پتہ چلا کہ وہ کئی دنوں سے مزاریں موجود ہیں، وہیں حجرے میں رکے ہیں۔
عمارہ ناشتہ لے آئی تھی، بڑی بی اس سے باتیں کم شکوے زیادہ کرنا چاہ رہی تھیں، پلٹ کر خبر نہیں لیتیں، ایک فون تک نہیں کرتیں، حد ہوتی ہے غیریت کی، حیدر آباد جا کر ہمیں بھول جاتی ہو

وغیرہ وغیرہ۔
مگر اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، لاھوت کی شرط تھی کہ وہ بغیر ناشتے کے اسے جانے نہیں دے گا کہیں، اس نے بمشکل چائے کے چار گھونٹ لئے اور الٹی کر دی۔
"تمہیں الٹی کیوں ہوئی ہے؟"
"الٹی تب ہوتی ہے جب کوئی غذا تب لی جائے جب اس کی ضرورت نہ ہو اور وہ باہر آنا چاہتی ہے تو آ گئی۔" امرت کی اپنی نرالی منطق ہوتی تھی۔
"جی نہیں الٹی زیادہ ٹینشن کی وجہ سے ہوتی ہے۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" وہ عمارہ کی بات پر سنک کے سامنے کھڑی ہو کر دانت صاف کرتے ہوئے سر ہلا کے کہنے لگی۔
"تمہاری لاپرواہی ترقی کر رہی ہے دن بدن۔" عمارہ کیوں نہ تلخ ہوتی۔
"شکر ہے میری کاوشوں کا کوئی تو نتیجہ سامنے آتا ہے۔" اس نے ایک اور گلاس پانی کا چڑھا لیا کولر سے لے کر۔
"امرت پاگل ہو کیا الٹی کے بعد پانی نہیں پیتے۔"
"شکر ہے تمہیں بنیادی باتیں معلوم ہیں۔" لاھوت پیچھے آ کھڑا تھا۔
"تم کیوں بچوں کی طرح ہر وقت میرے پیچھے پیچھے آ کھڑے ہوتے ہو۔" عمارہ کیسے بے ساختہ ٹوک دیتی تھی۔
"شرم کرو۔" امرت کہتے ہوئے پھر الٹ گئی، الٹی پر الٹی، بے حال سی ہو گئی، عمارہ اس کی پشت مسلنے لگی۔
"چھوڑو عمارہ، میں دوا لے لیتی ہوں۔" لاھوت اس کے لئے میڈیسن لے آیا تھا بڑی بی کے باکس سے۔
میڈیسن کھا کر بس دس پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے لاھوت کے روطاق جانے اور عمارہ اپنے کمرے میں جانے کی دیر تھی۔
بڑی بی باورچی خانے میں کھڑی تھیں، بواء اماں وظیفے میں گم تھیں، اس سے پہلے چیدہ چیدہ بات ہوئی تھی، وہ جیسے ہی وظیفے میں گم ہوئیں، امرت نے دیکھا اب وہ ذرا نرم ہیں، موقع دیکھ کر باہر آ گئی، ایک ملازمہ کو ساتھ لیا اور درگاہ کی طرف چل دی چادر لے کر۔
اور وہاں انہیں بی بی سے ٹکراؤ ہوا، وہی ہجرہ جس کی طرف جانے کی منع تھی، وہ وہیں گئی، امرت کو منع کرنے سے مقصد ہوتا تھا کہ ضرور جاؤ اور اسے ضرور ہی جانا ہوتا تھا۔
بی بی کا مزاج اکھڑا تھا، وہ منہ لگ گئی غلطی کر لی، جز اور قل کے سوال نے اس کے پاؤں جکڑ لئے، کیا دل جکڑ لیا، بلکہ دل کے پاؤں جکڑ لئے تھے۔
وہ دبے پاؤں نکلی، ھالار باہر انتظار کر رہا تھا اسے پہنچنا تھا، کھڑے ہو کر پوچھتی، سوال و جواب کرتی، مزید سوچتی، بیٹھ جاتی مگر وقت سکڑا جا رہا تھا یا پھر بھاگا جا رہا تھا۔
اس نے باہر کی راہ لی، اندر ھالی کو جانے کی ہمت نہ تھی، ہمت ہوتی بھی کیسے، ملازمہ نے

وہیں سے راہ بدل لی، کہنے لگی مزار کے احاطے میں کھڑی انتظار کروں گی۔
ھالار کی بے چینی عروج پر تھی، اس کی آنکھیں معصوم پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔
امرت کو اس پر جتنا رحم آتا کم تھا، وہ اندر آئی دروازہ ہلکا کھلا تھا، ایک طرف کھجور کے پتوں سے بنا بال، دری بچھی ہوئی تھی۔
مگر وہ فرش پر کروٹ کے بل ایسے پڑے تھے، بلکہ سو رہے تھے جیسے صدیوں کی تکلیف کے بعد نیند آئی ہو، خراش سی نکل رہی تھی ان کی سانسوں سے اور امرت کا دل ہول رہا تھا بے چین ہو رہا تھا، ڈوب رہا تھا، ڈوب ہی جاتا اگر ساعت کسی حیرت انگیز کیفیت کی گرفت میں نہ آتی۔
سانسوں کی خراش مدھم پڑھنے لگی اور جسم میں ہلکی سی لرزش تھی، ان کے منہ سے نہیں قلب سے اندر سے اللہ ہو، کی مدھم صدائیں ابھر رہی تھیں، جسم پر لرزش تیز ہوئی تھی، وہ آگے بڑھی اور انہیں تھام لیا، اوہ کھلے دروازے سے ھالی نے جھانکا اور چوکھٹ پہ بیٹھ گیا، بچوں کی طرح رونے لگا تھا، بے بس ہونے لگا تھا اور وہ بھی تو، بے بس تھی، ان کو بس تھام لیا، لرزش حد سے سوا تھی، انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، امرت کو، اپنی بیٹی کو، کوئی خبر گشت کرتی ہوئی حویلی تک پہنچی تھی۔
☆☆☆
اسے بھی لاؤنج میں پڑی ڈائری نے استفادہ کرنا تھا، پہلے صفحے پر لکھا ہوا امرت کا نمبر تھا، کال ریسیو ہوگئی چوتھی بیل پر، اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔
''امرت خیر ہے؟''
''تم بتاؤ پہلے، سب ٹھیک ہے، امی انکل اور تم۔''
''سب بہتر ہے، امرت ان کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے، تمہیں ایسے ہی وہم ہو رہا تھا۔''
''کل ہم مل کر بازار گئے تھے، تمہاری جتنی چیزیں رہتی تھیں، جس سوٹ کا دوپٹہ نہیں تھا اور چار سال سے پہننے کے انتظار میں تھا، اس کا دوپٹہ آ گیا ہے۔'' وہ بڑے مزے سے بتا رہی تھی۔
''کمرے کے پردے تبدیل کیے ہیں اور الماری کی شکل آ کر دیکھ لینا، تمہارے کمرے میں ایک سیف کا اضافہ ہوا ہے، لڑکی جس میں، میں نے تمہاری غیر ضروری چیزیں نچلی درازوں میں اور اشد ضروری دو اوپری درازوں میں رکھ دی ہیں۔'' وہ کہنے لگی تھی تم نے زندگی میں پہلی بار یہ سب کیا ہے، مگر کہنے لگی، زندگی میں پہلا کام تمہارا ہو گا جس سے مجھے خوشی ملی ہے۔
''یقین کرو میرے پاس ذرا وقت نہیں تھا ان بکھیڑوں کے لیے۔''
''مجھے پتہ ہے مگر امرت تمہارے اچھے خاصے پیسے خرچ ہو گئے جو تم نے سیو کر کے رکھے تھے۔''
''جانے دو اب ہی خرچ ہونے تھے، تم یہ بتاؤ اپنے لیے کیا خریدا تم نے؟''
''میں نے اپنے لیے، میں ان سے حلوہ پوری خریدی، واپسی کا کرایہ ادا کیا، سر درد کی دوا لی اور چپل لی، کیونکہ ٹوٹ گئی تھی بیچاری۔'' اس نے شمارایات بڑے فخر سے ڈال دیں تو وہ ہنس دی۔
''واہ کمال ہے امر کلہ کیا کچھ لے لیا تم نے، دیکھو یہ اے ٹی ایم میں نے تمہیں تمہارے لئے

دیا تھا اپنے لیے نہیں کہ تم نے میرے کمرے کی صورتحال بدل دی ہوئی ہے۔"
"اچھا چھوڑو بھی امرت، یہ بتاؤ ابا سے ملاقات ہوئی؟"
"ہوگئی یار۔" لہجہ ڈوب گیا تو سمجھو بات بڑی ہے۔
"خیریت ہے نا؟"
"عجیب صورتحال ہے امر، کیا بتاؤں بری طرح پھنسی ہوئی ہوں۔"
"ان کی طبیعت ٹھیک ہے؟"
"بہتر ہے، مگر بری بھی، سمجھ نہیں آتا کہ کیا ہوا ہے۔"
"کیا علاج کروں میں ان کا، کیا کرواؤں، بس دعا کرو ان کو یہاں لانے میں کامیاب ہو جاؤں۔"
"امرت کہاں ہیں وہ، گھر پہ؟" اسے شک تھا۔
"نہیں یار، درگاہ کے پاس حجرے میں۔"
"امرت!" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہہ نہ سکی۔
"امر بہت الجھی ہوں، بے ادبی سے ڈرتی ہوں، مگر یہاں بہت بہکاوے جاگ گئے ہیں، کل ایک عورت آئی تھی کہنے لگی چار سال سے بیٹا بیمار تھا، کئی علاج کروایا تھا ٹھیک نہ ہوا، عبدالحادی نے پشت پر زور سے ہاتھ مار کر کہا، ادھر آ، تو تو اب ٹھیک ہونے والا ہے نا اور چار دن سے اسے کوئی تکلیف نہ ہوئی اب بہتر ہے، سب کا کہنا ہے حادی درویشی میں آ گیا ہے اسے گدی نشین بنا لو۔"
"بہت سخت صورتحال ہے یہ امرت، نجانے انسان پر یہ امتحان کیوں آتا ہے۔"
"میں سمجھ سکتی ہوں امر کلہ، مگر ان لوگوں سے لڑ نہیں پا رہی، طاقت اللہ نے دے دی، وہ چھین بھی سکتا ہے، میرا باپ دودھاری تلوار پر چل رہا ہے امر کلہ۔"
وہ کہنا چاہتی تھی چل چکی ہوں، مگر کچھ کیفیات کو زبان میسر نہیں ہوتی، ہوتی ہے تو استعمال مشکل ہو جاتا ہے۔
"چل چکی ہو؟" وہ امرت کے سوالوں سے بھاگ کر کہاں جاتی مشکل میں آ چکی تھی۔
"پھر سے درد ہونے لگا ہے امرت سر میں، تم نے میری چٹ کدھر کی؟ گھڑی خالی ہے۔" اس نے اپنی کمزوری آگے ڈال دی۔
"وہ چٹ جانتی ہو کس نے لکھ کر دی تھی؟"
"نہیں جانتی، یہ بھی کہ کیا لکھا تھا اور یہ بھی کہ مجھ پر اثر کیوں ہوا، حالانکہ کلموں پر نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے تو دکھتا نہیں محسوسات سے بالا ہوتا ہوگا۔"
"کبیر بھائی نے کہا تھا کہ طاقت تمہاری زبان میں نہیں ہے اللہ، بزرگ و برتر کے کلام میں ہوتی ہے۔"
"تم کلمہ پڑھنے سے کیوں گھبرا رہی ہو امر کلہ؟" اس نے دل پر وار کیا۔
"امرت کیسی دوست ہو تم۔"

"کیا اس سے ڈرتی ہو کہ کلمے کے بعد نماز پڑھنی ہوتی ہے؟"
"تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں امرت پیاری، میری ماں سمجھتی ہے میں، میں نماز پڑھنے لگی ہوں، اس نے خواب دیکھا تھا اور مجھے تھپڑ جڑ دیا، سکھی خالہ کہنے لگیں ہمارے ہاں جو بچہ نماز نہیں پڑھتا اسے پہلے سمجھاتے ہیں، تاکید کرتے ہیں، پھر ڈانٹتے ہیں اگر حربہ کارآمد نہیں تو مارنے میں حرج نہیں۔"
"تیری ماں نے تمہیں تھپڑ مارا، واقعی پتہ ہوتا کہ پڑھی اگر یقین سے دیکھ لیتیں تو مار کر گھر سے نکال لیتیں، مگر تم گواہ رہنا امرت کہ میں نے ابھی کلمہ بھی نہیں پڑھا، کبھی نہیں پڑھا، جکڑی ہوئی ارادہ بھی نہیں۔"
"کوئی بات نہیں امرکلہ، کچھ لوگ تو ارادہ کر کے بھی نہیں پڑھ پاتے تم نے تو شکر ہے ارادہ نہیں کیا۔"
"کر لیتیں تو پڑھنا پڑ جاتا، پڑھ لیتیں تو لاگو ہو جاتا، لاگو ہو جاتا تو بری پھنستیں، پھنس جاتیں تو کون نکالتا، میرا باپ پھنس چکا ہے، کلمہ پڑھ بیٹھا ہے۔" امرت کی آواز نم تھی، بھیگی ہوئی۔
"سو رہا تھا اور اندر سے ہو گونج رہی تھی، ذکر پکا لیا انہوں نے؟" امرکلہ حیران تھی۔
"کبیر بھائی نے بھی ذکر پکایا ہوا تھا، ایک دن میں نے سن لی اٹھ کر بیٹھ گئے، شرمندگی سے کہنے لگے، غلطی کر بیٹھا ہوں کوئی جس سے راز کھل گیا، رونے لگے کئی دنوں تک رونے لگے، پھر میرے سامنے ایک دوبار جب نیند لی تو بڑی ہوشیاری سے لی، نیند میں بھی بار بار کروٹ بدلتے بے چینی سے کہ کہیں غلطی نہ ہو جائے، آخری نیند تب بھی، جب سفر طیبہ کے لئے خواہش لے کر ہم گولڑوی صاحب کی طرف جا رہے تھے امرت، تب وہ بڑی پرسکون نیند سوئے تھے۔"
"امرکلہ..... آجاؤ۔" وہ سمجھ چکی تھی، امرکلہ نے زبان تالو سے چپکا لی۔
"کیا غلطی ہو گئی کوئی؟"
"نہیں امر، پریشان نہ ہو، اتنا جائز ہوتا ہے۔"
"میں نے دیکھا ہے تم لوگ پکڑ لیتے ہو امرت، نواز بھاؤ تو میری کمزوریوں کا گواہ ہے، مگر فرید بھی پکڑ لیتا ہے، ڈر گئی ہوں۔" لہجہ کمزور تھا بے بس۔
"امرکلہ! جنتر منتر سے نکل آؤ۔"
"امرت اچھی بات یہ ہے کہ تمہیں یہ پتہ ہے کہ تم نے کیا کرنا ہے، بہت سوں کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔"
"پتہ ہے کبیر بھائی کو یہ پتہ ہوتا تھا کہ ان کی منزل کیا ہے اور مجھے نہیں، مگر وہ مجھے راہ نمائی کو مل گئے، تمہارے باپ کو نہیں اندازہ کہ ان کو کیا کرنا ہے، وہ بہہ گئے ہیں، اسی لئے ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، تم ان کو سنبھالو، اللہ نے تمہیں ان کے پاس اسی لئے بھیجا ہے، چاہے انہوں نے تمہیں نہیں سنبھالا مگر تم سنبھال لینا امرت، تم سنبھالنا جانتی ہو۔"
"مجھے قوت گویائی کا حکم کم ہوتا ہے امرکلہ۔"
"مگر تم یہ نہیں سوچتیں کہ تمہیں کیا کہنا چاہیے یا کیا نہیں، تمہیں صرف اتنا پتہ ہوتا ہے کہ کہنا

ہے اور اسی کی بنیاد پر تم کہہ دیتی ہو اور یہی سوچو، امرت کسی اچھے دوست نے کہا تھا شاید بھا نواز نے، کہ کرنے سے پہلے زیادہ سوچنا نہیں، ورنہ پھنس جاؤ گے، تمہیں اندازہ ہے کہ کیا ہونا چاہیے، تم کر گزرو، اگر میری وہاں ضرورت ہوتی یا مجھے وہاں کی، تو میں تم سے پہلے وہاں پہنچ چکی ہوتی، مگر وہاں تمہاری ضرورت ہوگی، یہاں مجھے کچھ بکھیڑے دیکھنے ہیں تم دعا کرنا سادھنا کیسی صورت مل جائے، آج پولیس آفس گئی تھی، وہ ڈھونڈ رہے ہیں، دعا ہے کہ میری عزت رہ جائے اس کی ماں سے وعدہ کیا ہوا ہے۔"

"اللہ بھلی کرے گا امر، پریشان مت ہو اور فرید حسین اور نواز بھا کیسے ہیں؟"

"ان کے حوالے سے کچھ زیر بحث ہے کام ہو گیا تو بتا دوں گی، نہیں تو بھی بھاگ کر کہاں جاؤں گی، گھوم پھر کر ایک دن تمہارے پاس پہنچ ہی تو جانا ہے۔" وہ ہنس دی امرکلہ کی بات پر۔

"ایک کام اور کرو، علی گوہر کے ساتھ مل کر ذرا پرچے کے دفتر چکر لگالو۔"

"نواز بھا کو لے جاؤں۔"

"علی گوہر کا نام نواز کب سے ہو گیا امرکلہ؟" وہ چھیڑ رہی تھی اسے۔

"آ کر خود ہی دیکھ لینا۔" امرکلہ بگڑنے لگی تھی، لہجہ تیز تھا، امرکلہ ابھی تک، اتنی الجھن۔

"امرت! نہ میں اس کی منزل ہوں نہ وہ میری منزل۔"

یہ بات مشکل تھی مگر تھی حقیقت۔

"وہ ختم ہو چکا ہے امرکلہ۔" امرت کو شکوہ تھا۔

"ایک سراب کے پیچھے۔" امرکلہ نے گہری سانس لی۔

"غلط کر رہی ہو تم؟" لہجہ سخت ہو گیا۔

"ٹھیک کیا کیا ہے میں نے، یہ بتاؤ؟" امرکلہ جیسے ایک لمحے کو خالی گھڑا بن گئی تھی۔

"دل کر رہا ہے دوسرا تھپڑ مار دوں تمہیں۔"

"سو مار لینا تم۔"

"فائدہ ہو تو ہزار مار لوں مگر......"

"رکھتی ہوں، دیر ہو گئی ہے کافی، تم سو جانا اور جلدی آنے کی مت کرنا، بس کام مکمل کر کے آنا، جلد یا کچھ دیر، مگر اپنے حصے کے کام چھوڑنا نہیں، جو کام جس وقت میں پورا نہ کیا جائے، اس کام کا وقت ضائع ہو جائے یاد رکھنا وہ کام پھر لٹک جاتا ہے، پھر اس کام کا وقت نہیں مل پاتا کبھی، انسان سوچتا رہ جاتا ہے اور جتنا سوچتا ہے الجھتا جاتا ہے، تمہارا خدا تمہیں الجھن سے بچائے رکھے۔"

"یہ بتاؤ میرا خدا تمہارا کیا لگتا ہے امرکلہ؟" وہ امرت تھی بار بار جال بچھاتی تھی، بار بار مشکل کھڑی کر دیتی، سکر پھینکنا، گوٹ ڈالنا، پتہ پھینکنا اس کی عادت تھی، پھر چاہے مقدر ہار ہو مگر بازی کھیلنا اس کا مقصد ہوتا تھا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ وہ جیتنے کی خواہش کے بغیر کھیلتی تھی، اسے کھیل کرنے کا مزا آتا تھا۔
امرکلہ نے فون بند کر دیا، امرت جانتی تھی یا وہ بات بدلے گی یا فون بند کر دے گی بات نہ بن

سکی تو فون بند ہو گیا۔
امرت نے ری کال کی، فون بجتا رہا، اس نے نہیں اٹھایا۔
''امرت کا فون ہے بیٹے۔'' صنوبر بیگم بجتی ہوئی رنگ سے باہر آئیں تھیں متوجہ ہو کر۔
''میری بات ہو چکی ہے آنٹی آپ کر لیں، آپ کے لئے کرتی ہوگی۔'' وہ کہہ کر کمرے کی طرف چل دی۔
دو چار منٹ بعد وہ اندر آئیں جب وہ بتی بند کرنے لگی تھی۔
''اگر میرے لئے فون تھا تو امرت یہ کیوں کہہ رہی تھی کہ امرکلہ کبھی ہار کے ٹینشن کے بغیر بھی کھیل لیا کرو۔'' وہ رک گئی، بتی نہ بند کر سکی تھی۔
''امرت بھی بس کمال ہے، جو بات کہنا ہوتی ہے وہ کہہ دیتی ہے، یہ نہیں پوچھتی کہ آگے کون ہے۔''
''اتنا غصہ اچھا نہیں ہے امرکلہ بیٹے، امرت تم سے بہت محبت کرتی ہے، فکر مند ہوتی ہے وہ تمہارے لئے۔''
''جانتی ہوں میں آنٹی، مگر اس جتنی ہمت نہیں ہے، صبح سویرے ذرا نکلنا ہے، ہو سکتا ہے لوٹ آؤں اور اگلے دن جاؤں، اگر نہ لوٹ سکی تو انتظار مت کیجئے گا، اسے بس کہیے گا کہ کھیلنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں، پتے نہ پھینکا کرے میرے سامنے۔''
''تم دونوں کی کتنی مشکل باتیں ہوتی ہیں، کیا تم لوگ شروع سے اسی زبان میں بات کرتے ہو؟ اور ہاں تو سمجھ کیسے لیتی ہو؟'' وہ معصومانہ تعجب سے بولیں تھیں، وہ ہنسی نہیں مگر مسکرائی ضرور تھی۔
''ہمیں حالات اور وقت نے بدل دیا ہے آنٹی۔''
''امرت کا تو دماغ شروع سے خراب تھا، مگر تمہارا بھی ہے یہ آج پتہ چلا ہے مجھے۔''
''غلط، آپ کو شروع سے پتہ تھا، کیونکہ آپ امرت کو کہتی تھیں کہ اس کا دماغ میں نے ہی خرب کیا ہے۔'' بہت پرانی بات تھی، وہ مسکرائیں۔
''تو یہ بات بھی ایک طرح سے سچ ہی نکلی۔''
''میں نے کب انکار کیا ہے۔''
''بس اب امرت کا دماغ مجھ سے زیادہ تیز ہو گیا ہے، اب تو وہ آسمان سے باتیں کرنے لگی ہے، شروع سے وہ میری کہاں مانتی ہے۔'' شکایت بجا تھی۔
''وہ کسی کی نہیں مانتی آنٹی سوائے اپنے دل کے۔'' وہ دونوں دیر تک باتیں کرتی رہیں۔
امرکلہ کمرے کی ہر چیز کو دیکھ رہی تھی، محسوس کر رہی تھی، چھو کر رکھ رہی تھی، امرت کی ہر چیز سے انسیت تھی، آج شام عدنان بھی آیا تھا، اس سے بھی ملاقات ہوئی تھی، اسے اچھا لگا تھا کافی، اس کی بیوی اور بچے بھی، رکا دو تین گھنٹے مگر تین گھنٹوں میں گھر کا منظر بدل گیا تھا۔
چہل پہل چہک اور باتیں، آئس کریم کھلا کر وہ انہیں چھوڑ کر گھر یہ پھر کراچی کے لئے نکل گیا تھا، اسی طرح ہفتے کے ہفتے ویک اینڈ پر چکر لگا لیتا تھا اور اس دن اس کے بچے گھر کا منظر بدل دیتے تھے۔

اور صنوبر بیگم پورے چار چھ دن چیزیں ڈھونڈتی رہتی تھی، کچھ ٹوٹا ہوا ملتا، کچھ بکھرا ہوا کونوں کھدروں سے برآمد ہوتا، انہیں یہ آسرا تھا کہ امرکلہ کے سر یہ کام جڑ دیں گی، کچھ دنوں میں لڑکی نے اچھا خاصا عادی بنا دیا تھا اپنا، امرکلہ ایسی ہی تھی، عادل بنا لیتی تھی۔

رات ڈھائی بجے کے بعد اٹھنے کے بعد انہوں نے کہا تھا۔

''امرکلہ تم مجھے یاد آؤ گی، چکر لگاتی رہنا دیکھو ادھر ہاں حیدر آباد جب بھی آنا میرے پاس رہنا، خبردار جو غائب ہوئیں تو، دیکھو امرت نے اس بار تمہیں چھوڑ دیا، اگلی بار خود پہ جبر کرلے گی تمہیں نہیں معاف کرے گی، ضدی ہے بہت، میری بیٹی ہے اس کی ضد سے میں واقف ہوں۔''

''آپ فکر نہ کریں، میں چکر لگاؤں گی، بلکہ ہم بات کرتے رہیں گے۔''

''تمہارا سیل فون نمبر لکھ دو ڈائری کا دوسرا پیج خالی ہے پہلے پر امرت کا ہے، تیسرے پر عمارہ کا، دوسرا خالی چھوڑ دیا تھا میں نے۔'' اس وقت اسے بتاتے ہوئے بہت شرمندگی ہوئی تھی کہ اس کے پاس سیل فون نہیں ہے، انہوں نے امرت کا پرانا سیل نکال کر اسے دیا۔

''دیکھو کچھ مہینے یہ اچھا چل جائے گا تمہارے پاس، رکھ لو، پھر نیا لے لینا تم، تب تک عادت پڑ جائے گی تو نیا ضرور لو گی۔''

''امرت سے پوچھے بغیر دے رہی ہیں، آپ مجھے سوچ لیں؟''

''مجھے پتہ ہے وہ تمہیں بغیر سوچے دے دیتی اور یہ نہیں بلکہ نیا والا دیتی خود بھلے پرانا رکھ لیتی۔''

''مجھے پتہ ہے اس کا دل بہت بڑا ہے آنٹی، وہ دیتے ہوئے خوش ہوتی ہے۔''

''دعا کرنا اس کا نصیب بھی اچھا ہو۔'' وہ ہنسی۔

''یہ ہوئی نا ماؤں والی بات آنٹی، دنیا میں اگر ماں نہ ہو تو کسی لڑکے لڑکی کی آسانی سے شادی نہ ہو، نصیب کی سوئی بس شادی پر ہی اٹکی ہوتی ہے۔'' ان کی معصومیت اسے بھا گئی تھی۔

وہ اس کی ماں سے قطعی مختلف تھیں، اسے یہ سوچ کر ہنسی آتی تھی کہ وہ امرت سے باقاعدہ ڈرنے لگیں تھیں۔

جبکہ اس کی ماں نے ہمیشہ اسے ڈرانے کی کوشش کی تھی، حالانکہ سیانے کہتے ہیں، جب اولاد جوان ہوتی ہے تو ماں باپ بچے بن جاتے ہیں، ڈرنے لگتے ہیں، نہ ڈریں، تو دکھاوا تو ضرور ہی کرتے ہیں۔

اگر اولاد کے بالغ ہونے کے بعد بھی وہ اولاد کو بس ڈرانے کی کوشش ہی کرتے رہیں تو قصہ الٹ جاتا ہے اولاد ان پر ہنس کر بات جھٹک دیتی ہے، ان کے ڈر کا بھوت ان کے پاس آ کر دبک جاتا ہے۔

اس کی ماں کس کیٹگری میں تھی اسے نہیں سوچنا تھا بس ماں کے رویے کی سخت چبھن تھی، اسے بس احساس تھا کہ دنیا میں اگر ماں تنگ ہونے لگے تو زمین تنگ ہونے لگتی ہے اور ماں بیزار آ جائے تو دل بیزار آ جاتا ہے، ماں کا دل دکھے تو دل کو چین راس نہیں آتا اور جب ماں دل دکھانے لگے تو طوفان آ جاتا ہے، دل کے اندر بھی باہر بھی۔

ابا جی ابا جی کی رٹ لگاتے ہوئے آج اسے پھر اپنا باپ سائبان یاد آیا تھا۔
اولاد کے ہوتے ہوئے اس کا باپ یتیم تھا، جوان اولاد کے ہوتے ہوئے جب باپ یا ماں رل جائے تو وہ یتیم ہو جاتے ہیں، اولاد کو نہیں پتہ کہ ماں باپ بھی یتیم ہوتے ہیں کیا۔
مگر ماں باپ کو پتہ ہوتا ہے، بس وہی جانتے ہیں اولاد اگر یتیم ہو جائے تو دنیا رحم کھاتی ہے، مگر ماں باپ یتیم ہوں تو دنیا کو ترس کھانا پڑتا ہے، اس کا باپ اگر مرا ہوگا تو یتیم ہو کر پروفیسر غفور کی طرح، انہیں تو پھر بھی چار چاہنے والے راس آگئے، اسے کون راس آیا ہوگا، سوچا اگر وہ زندہ ہوگا تو بھی یتیموں کی طرح زندگی گزارتا ہوگا، تف ہے ایسی اولاد پر، اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
اس نے سوچا ماں جیسی بھی ہے بس ماں کو کبھی یتیم نہیں کرنا ہے، سوچا صبح جاتے ہوئے ان کے لئے چیزیں لے کر جائے گی بات کرے گی، دلجوئی کرے گی، بچہ اگر منہ پھلا کر مسکرا دیتا ہے تو ماں کا دل بھی اتنا ہی معصوم ہوتا ہے۔

☆☆☆

''تم نے دیکھا سکھی، وہ کہاں پہنچی ہوئی ہے، پھر اسی لڑکی کے پاس مسلمانوں کے گھر۔''
سکھی نے افسوس سے اسے دیکھا۔
''تم بھی تو نگار ایک مسلمان کے گھر رہ رہی ہو، پھر کیا تم میں کوئی تبدیلی آئی؟ جو اس میں آئے گی۔'' بالآخر اس نے کہہ ہی دیا تھا، وہ کچھ دیر کے لئے سن سی رہ گئی کہ یہ طعنہ ہے یا تنبیہ۔
''ٹھیک کہتی ہو، درحقیقت تم مسلمان لوگ اچھے ہوتے ہو، ہمدرد ہوتے ہو، میں نے یہ نہیں کہا کہ تم لوگ برے ہو۔''
''میں یہ نہیں چاہ رہی کہ بدلے میں تم ہماری تعریف کرو، بس یہ کہہ رہی ہوں تمہیں کہ جو خدشے یا واہمے تم نے پال رکھے ہیں ان کو چھوڑ دو، وہ تمہاری بیٹی ہے نگار۔''
''وہ اتنا عرصہ مسلمانوں کی محبت میں رہی، اس نے کلمہ نہیں پڑھا اور جب کلمہ نہیں پڑھا تو نماز کیسے پڑھتی۔''
''مگر تم نے خواب جو دیکھ لیا اور بیٹی کو پیٹ ڈالا، جوان جہان بیٹی کا گال دہکا دیا، یہ بھی نہ سوچا کہ اس چوٹ نے اس کے دل پر اثر کیا ہوگا۔''
''مگر مجھے اس سے ڈر لگتا ہے، مجھے لگتا ہے وہ مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی، کسی مسلمان کے ساتھ شادی کر لے گی۔''
''دیکھو، شادی وہ جس کے ساتھ بھی کرے، جانا تو ہے اس نے آخر تم نے بھی تو ماں کا گھر چھوڑا تھا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تمہیں چھوڑ ہی دے گی۔''
''بیٹی کی ماں نے بٹھانی نہیں ہوتی، بیاہنی ہوتی ہے۔''
''تم ضرورت سے زیادہ واہموں میں گھر گئی ہو، حالانکہ تمہیں اللہ نے کبھی نہیں چھوڑا، وہ کسی کو نہیں چھوڑتا، ہندو ہو یا مسلمان یا پھر عیسائی، سب کا خدا تو ایک ہے نا، کیا ہوا جو نام الگ الگ ہیں۔''
''واقعی سب کا خدا ایک ہی ہے۔'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"نہیں مگر ہندوؤں کا خدا الگ ہے۔"

"بچوں جیسی باتیں مت کرو نگار، وہ ان کا عقیدہ ہے بہن۔" فاطمہ اتنی دیر سے بیٹھی سن رہی تھی اور مسکرائے جا رہی تھی۔

"وہ بس پہنچنے والی ہوگی، بیٹی کی طرف سے دل صاف کرلے نگار، مت اسے تنگ کیا کر، میں بھی شیرو کو تنگ کرتی تھی، آج پچھتا رہی ہوں۔"

"تجھے شیرو یاد آتا ہے نا۔" نگار نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"شیرو کسے بھولا ہے پگلی۔" یہ بات انہوں نے غلط موقع پر کہی تھی، فاطمہ اٹھ کر چلی گئی، نگار چپ ہوگئی تھی۔

"اس کی شادی کرا دے سکھی۔" سکھی کے چہرے پر فکر کے آثار تھے، تبھی دروازے پر بیل ہوئی، انہوں نے کہا امرکلہ آ گئی۔

☆☆☆

بچوں کی کلاس کے اندر شور زیادہ تھا، وہ باہر کھڑی تھی، کھڑکی سے ذرا ہٹ کر، اسے پتہ تھا اگر انہوں نے دیکھ لیا تو کلاس منتشر ہو جانی ہے، وہ دیکھ چکی، ایک ادھوری سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی، کچھ احساسات کتنے انوکھے اور عجیب ہوتے ہیں، قریب نہ ہوتے ہوئے بھی دل کے پاس۔

اسے سادھنا کا انتظار تھا، وہ کلاس سے باہر آئی تھی اطلاع شاید کانوں کان مل چکی تھی، وہ باہر آ کر اس سے لپٹ گئی تھی، اس کی نظریں کسی اور کو ڈھونڈ رہی تھیں، امرت نے اسے گاڑی میں بٹھاتے ہوئے وہ پیکٹ تھمایا جو امرکلہ نے اس کے لئے بھیجا تھا۔

"وہ ٹھیک ہے سادھنا، اس نے تمہارے لئے یہ بھیجا ہے، تمہاری امرکلہ باجی نے۔"

"وہ خود کیوں نہیں آئی؟" اس کی آنکھیں اس لمحے بجھی تھیں، جو پہلے پیکٹ کی رنگینی میں جگمگائی تھیں۔

آنکھیں نغ امرت جیسی آنکھیں، جگمگاتی ہوئیں پورے تاثر پھینکتیں آنکھیں، آنکھیں تھیں یا کمال تھا، شاید کمال تھا۔

اس نے سادھنا کو رنگین پنسلوں کے بہت سارے پیکٹ دیئے۔

"یہ تم اپنے کلاس فیلوز میں بانٹ دو بچے اور ٹافیاں بھی سب کے ساتھ شیئر کرنا۔" وہ ایکسائٹڈ ہو کر اٹھی، اسے جلدی تھی چیزیں بانٹنے کی وہ ایک بار پھر امرت کے گلے لگی، سے بوسہ دیا، دائیں پہ پھر بائیں گال پر اور کھلکھلاتی ہوئی ہرنی کی طرح چھلانگیں مارتی گاڑی سے نکل کر جانے لگی تھی۔

امرت نے دیکھا وہ سال میں اس کا اچھا خاصا قد نکل آیا تھا، وہ مسکرائی، قد کے ساتھ آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں، فرید حسین باہر آ گیا تھا، اس نے فرید کے لئے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا، یہ اس کے لئے اعزاز تھا، فرید کے لئے۔

"کیسی ہو دوست؟"

"بالکل ٹھیک۔" اسے پتہ تھا وہ شکوہ ضرور کرے گا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں امرت، تم نے میرا رشتہ بڑی عزت کے ساتھ ٹکرایا تھا، مجھے عزت کی خوشی ہے۔'' اس نے کیا بھی ایسا تھا، سکھی اور فاطمہ کو کھلا پلا کر اچھے سے رخصت کیا اور جب وہ خیریت سے گھر پہنچ گئی تو فون کر کے انکار کر دیا۔
ماں کافی حیران تھی اس کی۔
''یہ کیا کیا تم نے امرت۔'' انہوں نے سوچا امرت خوش ہے، بہت جبھی اتنی آؤ بھگت ہو رہی ہے، انہیں تسلی تھی کہ چلو شکر ہے، امرت کو کوئی لڑکا شادی کے لئے پسند تو آیا، مگر نہیں۔
''دیکھو امرت تم نے ہمیشہ اپنی من مانی کی ہے، یہ کوئی تمیز نہیں ہے، گھر آئی نعمت کو ٹھکراتی ہو۔'' اس کے پاس ماں کو سمجھانے کے لئے بہت کچھ تھا، مگر سب فضول تھا۔
''میں ایک بار پھر بھیجوں گا اور دوسری بار انکار مت کرنا امرت۔'' یہ اس نے جاتے ہوئے کہا تھا۔
''تم دوبارہ نہیں بھیجو گے فرید حسین، اپنی فیملی کو۔''
''مجھ میں آخر کیا کمی ہے امرت، میں سننا چاہتا ہوں۔''
''تم میں کوئی کمی نہیں ہے، کمی کسی میں نہیں ہے فرید۔''
''تمہیں کیا چاہیے امرت۔''
''میرا کوئی آئیڈیلزم نہیں ہے، اسی بات کا رونا ہے فرید اگر میرا کوئی آئیڈیلزم ہوتا تو میرے لئے زیادہ آسانی تھی، فیصلہ مشکل نہیں ہوتا مگر مسئلہ ہے ہی یہی، جب شادی کا موڈ ہوا تب سوچیں گے، ابھی چلوں؟''
''بہت جلدی میں ہو، ویسے میری آئیڈیل تمہارے جیسی کوئی لڑکی ہے، ہو گی ہو سکتی ہے۔''
''فرید، آخری بات سنو، اپنے اے بی سی ڈی اسکول میں جانے سے پہلے۔''
''تم میرے اسکول کی توہین کر رہی ہو دوست۔'' اے بی سی ڈی پر مسکراہٹ آ گئی۔
''اور تم نے یہ توہین دل سے قبول کی ہے دوست۔''
''تم نے مجھے پہلی بار دوست کہا ہے امرت۔'' وہ چہکتا تھا، وہ ہنسی۔
''خوشیوں پر تمہارا حق ہے فرید، مگر سنو، تم مجھ سے نہیں میرے کارناموں سے متاثر ہو، فرید جب تمہیں میرے علاوہ کوئی اور نظر نہ آئے۔''
''جب تم کہو امرت کے علاوہ صرف امرت، تب رشتہ بھیجنا، انکار نہیں ہو گا۔'' اس نے فرید کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا، وہ اتر گیا، جانے سے پہلے کھڑکی پہ جھکا۔
''جب تم میری آخری چوائس ہو گی امرت، تب رشتہ بھیجوں گا اور اب تو بھیجوں گا انکار مت کرنا، مگر یہ بتاؤ کلاس کے اندر نہیں چلو گی؟ بچے تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

(آخری قسط آئندہ ماہ)

حدیث مبارکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"سات گناہوں سے بچو۔"

"اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کرنا، کسی آدمی کا ناحق قتل، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، میدان جہاد سے راہ فرار اختیار کرنا، پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔"

(دوسروں کے ساتھ احسان کرنے سے انسان بری (حادثاتی) موت سے محفوظ رہتا ہے، پوشیدہ صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ختم ہوتا ہے اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔)

رابعہ رزاق، سیالکوٹ

(سچی بات)

حضرت بایزید بسطامی ایک روز خوشی خوشی اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

"ماں میرے اندر اللہ تعالیٰ نے کتنا کمال پیدا کر دیا ہے کہ امراء وزراء علماء جو بھی آتے ہیں میری عزت اور احترام کرتے ہیں۔"

"بیٹا! یہ تیرا کمال ہے۔" بایزید بسطامی نے کہا۔

"عبادت و ریاضت اور اطاعت تو میں کرتا ہوں اس میں آپ کا کمال کہاں سے آ گیا۔"

ماں نے کہا۔

"اگر میں تہجد کے وقت اٹھ کر نماز پڑھ کر تجھے دودھ نہ پلاتی تو تیرے اندر یہ کمال کہاں سے پیدا ہوتا۔"

مرزا علی شیر بیگ، ٹھٹھہ مغلاں

(اپنی باتیں)

ہر دین کا ایک امتیازی وصف ہوتا ہے، اسلام کا امتیازی وصف حیاء ہے اسے اختیار کریں۔ (موطا امام مالک)

نگاہوں کی پاکیزگی شرمگاہوں کی حفاظت اور سامان زینت کے اظہار سے بچاؤ کا سلیقہ اختیار کریں۔ (النور 31)

غیر محرموں پر اپنی زیب و زینت کی چیزوں کا اظہار نہ ہونے دیں اور زیورات کی جھنکار بھی ان تک نہ پہنچے۔ (النور 31)

عورت کا خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا بدکاری ہے اور باریک لباس پہن کر نکلنا عریانی اور دعوت گناہ ہے اس سے اجتناب کریں۔ (جامع ترمذی صحیح مسلم)

اجنبی اور غیر محرم مردوں سے گفتگو کرو تو اپنے لب و لہجہ میں نزاکت پیدا نہ کریں۔ (الاحزاب 33)

ایسے راستوں سے نہ گزریں جہاں مردوں کی ریل پیل ہو، بلکہ کنارے پر چلتے ہوئے راستہ طے کریں۔ (سنن ابی داؤد)

کسی غیر محرم مرد حتی کہ جیٹھ اور دیور وغیرہ کے ساتھ بھی تنہائی میں ملنے اور سفر سے اجتناب کریں۔ (صحیح بخاری)

دائے خان، موڑ ایمن آباد

ایک بات ہمیشہ یاد رکھو کہ

عورت کے ہاتھ مہندی کے بغیر بھی اچھے لگتے ہیں اگر خانہ داری میں مصروف رہیں۔
عورت کی آنکھیں کاجل کے بغیر بھی اچھی لگتی ہیں اگر ان میں حیاء ہو
عورت کی زبان، سریلی آواز کے بغیر بھی اچھی لگتی ہے اگر ذکر اللہ سے تر ہو۔
عورت کے بال شیمپو کے بغیر بھی اچھے لگتے ہیں اگر ان پر آنچل موجود ہو۔
عورت کا قد بغیر ہیل کے بھی لمبا ہو سکتا ہے اگر تخیل میں بلندی ہو۔
عورت اس وقت عورت ہوتی ہے جب اس میں یہ سب کچھ ہو، کیا ہم سب میں یہ سب کچھ ہے؟؟؟

ثنا کنول اللہ دتہ، لودھراں

بھکاری

بوعلی سینا جب گھر سے نکلا تو اسے بے ساختہ ہنسی آرہی تھی دوست نے پوچھا۔
''بوعلی تمہیں ہنسی کیوں آرہی ہے؟''
بوعلی سینا نے جواب دیا۔
''آج میری چھوٹی بیٹی نے مجھ سے ایک درہم مانگا، میں نے معذرت کی اور کہا میری جیب خالی ہے اس لئے درہم نہیں دے سکتا۔''
میری بیٹی بگڑ گئی اور غصے میں ماں سے کہا۔
''اماں کیا دنیا کے سارے امیر مر گئے تھے جو آپ نے اس بھکاری سے شادی کر لی۔''

رابعہ ساجد، ساہیوال

نئے سال سے التجاء

ہم ایک نئے حوصلے کے ساتھ گزرتے سال کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہیں گے اور نئے سال کو خوش آمدید کہیں گے کہ شائد آنے والا یہ نیا سال ہماری امنگوں اور آرزوؤں کے مطابق ہو لیکن ہمارا دل نہیں چاہتا کہ ان لمحو کو بھول جائیں جہاں بہت سی انمٹ یادیں اور باتیں یہ سال چھوڑ کر جا رہا ہے وہاں سہانے منظروں اور خوابوں کی تعبیریں بھی نظر آرہی ہیں، کچھ چیزیں، کچھ باتیں، کچھ لوگ اور کچھ یادیں بہت انمول ہوتی ہیں جن کا کوئی بدل نہیں ہوتا ان کو کھونا نہیں چاہیے کہ ان کو کھونا نہیں چاہیے کہ ان کو کھو کر پھر زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔
اے نئے سال! ہم اپنے گزرے لمحوں، خوابیدہ شاموں، یادوں کے جگنوؤں کو تھامے آنکھوں میں لرزتے آنسو لئے تیری طرف بڑھ رہے ہیں۔
ہاں اے نئے سال! تیری طرف پہلا قدم بڑھاتے ہوئے اپنے کچھ دوست، کچھ یادیں، کچھ باتیں، کچھ سکھ، کچھ دکھ اور کچھ بے لوث چاہتیں، تیرے پاس بطور امانت رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم سے بھی زیادہ ہماری امانت کی حفاظت کرنا تاکہ زندگی گزارنے کے لئے ہم جس موڑ پر بھی ملیں اجنبی نہ کہلائیں، کچھ کھونے کا احساس نہ ہو۔
اے نئے سال! ہم نے اس بار بھی اعتماد، خلوص اور سندر جذبوں کو امر کرنا ہے نا۔

عابد محمود، ملکہ ہانس

راز

زندگی کچھ نہیں
احساس محبت کے بغیر
جیسے جنگل کی ہوا
کس نے پہچانا اسے
دیکھتا کوئی نہیں ہے اس کو
چاہتا کوئی نہیں ہے اس کو
تیری قربت میں
یہی راز کھلا ہے مجھ پر
آدمی خاک ہے چاہت کے بغیر

زندگی کچھ نہیں احساس محبت کے بغیر

ریحانہ احمد، سکھر

عدالت کی نگاہ میں سب برابر ہیں

امام ابو یوسف عباسی سلطنت کے پہلے دور کے مشہور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ہوئے ہیں، ایک دفعہ ان کی عدالت میں ایک یہودی نے خلیفہ وقت ہارون رشید کے خلاف دعوا دائر کر دیا، ہارون رشید کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہونا پڑا، یہودی (مدعی) بھی موجود تھا، لیکن وہ ہارون سے پیچھے ہٹ کر ایک طرف کھڑا تھا، مقدمہ کی سماعت سے پہلے امام ابو یوسف نے یہودی سے فرمایا۔

''تم آگے آ کر مدعا علیہ کے برابر میں کھڑے ہو جاؤ، عدل و انصاف کی بارگاہ میں ایک کو دوسرے پر کوئی بڑائی حاصل نہیں، قانون عدل کے نزدیک سب لوگ برابر ہیں، آگے وہ ہو گا جسے اس کا حق آگے بڑھا دے۔''

اس مثالی کردار کے باوجود امام ابو یوسف کو اپنے منصب کی ذمہ داریوں کا کتنا احساس تھا، اس کا اندازہ اس دعا سے فرمایئے جو انھوں نے بالکل زندگی کے آخری لمحوں میں مانگی۔

''اے خدا! تم جانتا ہے کہ میں نے کسی مقدمہ میں کبھی کسی کی امارت و وجاہت یا سفارش کو ترجیح نہیں دی، کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، عدل و انصاف کو قائم کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اے میرے مالک! اگر اس پر بھی مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو تو تیری بخشش و رحمت کا امیدوار ہوں۔''

صبا رانا، کوٹ چھٹہ

خلیل جبران کا کہنا ہے

''جب میں ایک شفاف آئینہ بن کر تمہارے سامنے کھڑا ہوا تو تم مجھ کو دیر تک غور سے دیکھتے رہے اور تمہیں مجھ میں اپنی صورت نظر آئی، پھر تم نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، لیکن درحقیقت تم نے مجھ پر اپنی ذات سے محبت کی ہے۔''

کرنیں

☆ جب عقل کامل ہوتی ہے تو بولنا کم ہو جاتا ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆ دعا مانگتے رہو کیونکہ ممکن اور ناممکن تو [illegible] سوچ میں ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ (حضرت علیؓ)

☆ جس کا غصہ زیادہ ہے اس کے دوست کم ہیں۔ (حضرت داتا گنج بخشؒ)

☆ کسی کے گرنے پر خوش نہ ہونا، کل پتا نہیں تیرے ساتھ کیا ہو۔ (حضرت علیؓ)

☆ جب دولت کی خواہش چھوڑ دو گے تو دولت مند بن جاؤ گے۔ (حضرت عبد القادر جیلانیؒ)

☆ عمر کی نصیحت کے لئے موت کافی ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

☆ تیرے سب سے بڑے دشمن تیرے برے ہم نشین ہیں۔ (غوث اعظم)

فریحہ رحیم، ملتان

جنگ اور امن

کسی نے سقراط سے پوچھا۔

''جنگ کیا ہے؟ اور امن کیا ہے؟'' سقراط نے جواب دیا۔

''امن وہ زمانہ ہے جب جوان بوڑھوں کی لاشوں کو کندھوں پر اٹھا کے قبرستان میں دفن کرتے ہیں اور جنگ وہ زمانہ ہے جب بوڑھے جوانوں کی لاشوں کو اپنے کمزور و نحیف کندھوں پر اٹھا کر قبرستان پہنچاتے ہیں۔''

زیبا منصور، رحیم یار خان ☆☆☆

زارا مہرانی ---- لیہ

یہ سال بھی گزر گیا تیرے پیار کی مانند
آتے ہوئے کچھ اور تھا جاتے ہوئے کچھ اور ہے

....

لپٹ جاؤ میرے سینے سے کہ چلا گیا ہے دسمبر
کہیں یہ سرد ہوا تمہیں بیمار نہ کر دے

....

اک نئے سال کی آمد کا سہارا لے کر
بیت جائیں گے نجانے کتنے دسمبر

عابد محمود ---- ملکہ ہانس

سحر سسکتے ہوئے آسمان سے اتری
تو دل نے جان لیا یہ بھی سال درد کا ہے
نفس نفس پہ پڑے آبلوں سے لگتا ہے
نہ جانے روح میں کب سے ابال درد کا ہے

فریحہ شبیر ---- شاہ پور

مجھے بچوں کی آنکھوں میں وہ سارے رنگ ملتے ہیں
جنہیں چھونے سے آئے زندگی کی خواہش کرنا

صائمہ خالد ---- بسوہا

روز محشر میری نمازوں اور عبادتوں کو نہ گننا
میں کس کا امتی ہوں بس اتنا دھیان رکھنا

....

مسجد محض سجدوں کے لئے نہیں بنائی جاتی
وہاں تلاش خدا کا بڑا پرانا رواج ہے

مرزا علی شیر بیگ ---- ٹھٹھہ مغلاں

اپنی آنکھوں کو باوضو رکھنا
جب بھی آئینہ روبرو رکھنا
زندہ رہنا بھی اک عبادت ہے
زندہ رہنے کو آرزو رکھنا

....

منزل عشق ملا کرتی ہے جانبازوں کو
ایسے ویسے تو یونہی راہ میں مر جاتے ہیں

بینارخ اے ڈی ---- کھڈیاں خاص

مست نظروں کا نشلا جام تھا
یہ جلوہ اسی کی شام تھا
وہ ستم ڈھا رہے تھے بینارخ
واہ لفظوں کا کیسا کلام تھا

کوثر ناز ---- حیدر آباد

گر کبھی ارادہ ہو چھوڑ جانے کا تو پہلے خبر کرنا
اچانک حادثے مجھے بے موت مار دیتے ہیں

....

کشش کی بہت خوب کہی تم نے
اس نے ہم پر ستم ہزار ڈھائے ہیں

ماہ جبیں آسیہ ---- لیہ

ہمیں اس سرد موسم میں تیری یادیں ستاتی ہیں
تمہیں احساس ہونے تک دسمبر بیت جائے گا
دھند میں لپٹی ہوئی شب سرد ہوا اور ہجر کا عالم یونہی
گماں ہوتا ہے اس بار دسمبر مار ڈالے گا

....

بہت سر چڑھا رکھا ہے تجھے لوگوں نے اے ماہ دسمبر
میری بربادی میں شامل تو تیری ہر رات ہے
اور ہوں گے تیری محفل سے ابھرنے والے
حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

رابعہ رزاق ---- سیالکوٹ

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

....

محبت میں محبت کی گواہی دے رہے ہیں ہم
عجب آشنا ہے عذر آشنائی دے رہے ہیں ہم

....

ہر جرم میری ذات سے منسوب ہے محسن
کیا میرے سوا شہر میں معصوم تھے سارے

ریحانہ احمد ---- سکھر

ہم نے ہر دکھ کو محبت کی عنایت سمجھا
ہم کوئی تم تھے کہ زمانے سے شکایت کرتے

....

ابھی خرید لیں دنیا کہاں کی مہنگی ہے
مگر ضمیر کا سودا برا لگتا ہے

....

عدم خلوص کے بندوں میں اک خامی ہے
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں

صبا رانا ---- کوٹ چھٹہ

گلے ملے نہ میسر تمہاری دید ہوئی
تم ہی بتاؤ یہ محرم ہوا کہ عید ہوئی

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا

....

اک دل کا درد ہے کہ رہا زندگی کے ساتھ
اک دل کا چین تھا کہ سدا ڈھونڈتے رہے

فریحہ رحیم ---- خانیوال

یوں تو پتھر کی بھی تقدیر بدل جاتی ہے
شرط یہ ہے کہ اسے دل سے تراشا جائے

....

ضرورت ہو نہ ہو اس سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے
جنہیں ہو مانگنا وہ حسب عادت مانگ لیتے ہیں
ابھی ہم خیریت بھی پوچھنے نہیں پاتے ان کی
اور وہ آتے ہی جانے کی اجازت مانگ لیتے ہیں

....

نہ راستے ہی میں ٹھہریں نہ اپنے گھر جائیں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے چلو بکھر جائیں
تیرا وجود بھی سچ ہے مگر ہمیں تجھ سے
وہ عشق ہے کہ تجھے سوچ کر ہی مر جائیں

زیبا منصور ---- رحیم یار خان

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

....

ذکر اس کا ہی سہی بزم میں بیٹھے ہو فراز
درد کیسا ہی اٹھے ہاتھ نہ دل پہ رکھنا

....

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں درد کہاں ہوتا ہے
اک جگہ ہو تو بتاؤں کہ یہاں ہوتا ہے

نغمانہ حبیب ---- راولپنڈی

غم کی تصویر بنے درد کا افسانہ بنے
تیری دنیا میں چلے آئے تو کیا کیا نہ بنے

....

یارو نئے موسم نے یہ احسان کیے ہیں
اب یاد مجھے درد پرانے نہیں آتے

....

دوستوں کے ہجوم میں ناصر
میرے اندر کا شخص تنہا ہے

عاصمہ حیدر ---- قصور

سمو لیے ہیں زمانے کے غم تبسم میں
زمانہ اس پر بھی برہم ہے کیا کیا جائے
عظیم تر ہے عبادت شباب کی لیکن
یہی گناہ کا موسم ہے کیا کیا جائے

....

تمام عمر عذابوں کا سلسلہ تو رہا
یہ کم نہیں ہمیں جینے کا حوصلہ رہا

اجڑ اجڑ کر جو بستا رہا وہ شہر ہوں میں
فاریہ سلیم ---- شرقپور
مغرور ہی سہی مجھے وہ اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
روٹھا ہوا تھا ہنس تو پڑا مجھے دیکھ کر
مجھ کو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

....

باقی ہیں تیری یاد کے کچھ نقش ابھی تک
دل بے سرو سامان سہی ویران تو نہیں

....

نہ وہ آنکھ ہی تیری آنکھ تھی نہ وہ خواب ہی تیرا خواب تھا
دل منتظر تو پھر کس لئے تیرا جاگنا اسے بھول جا
وہ بساط جاں ہی الٹ گیا وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے پکارنے سے حصول کیا اسے مت بلا اسے بھول جا
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی
نہ تن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نماز شوق تو واجب ہے بے وضو ہی سہی

....

موچا کیسے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کو خوں کر گئے جس کے ملال میں

....

عمر بھر کی ہیں مسافتیں یہ دوریاں یہ فاصلے
تم چاہو تو کچھ عجب نہیں یہ پل ہیں سر ہو جائیں
میں کاٹ سکوں گا تنہا نہ تم کاٹ سکو گے
یہ زیست کے کٹھن راستے ہمسفر ہو جائیں
عالیہ بٹ ---- لاہور
جاگا نہیں گیا کبھی سویا نہیں گیا
ہم سے حساب ہجر میں نہیں رکھا گیا

اک عمر جن پہ جاں کو نچھاور کیے رہے
ان سے ہمارا حال بھی پوچھا نہیں گیا

....

تمہاری یادیں کسی مفلس کی پونجی جیسی
جسے ہم ساتھ رکھتے ہیں جسے ہم روز گنتے ہیں

....

تمنا دید کی موسیٰ کرے اور طور جل جائے
عجب دستور الفت ہے کرے کوئی بھرے کوئی
فریحہ گیلانی ---- اوکاڑہ
سوچتا ہوں کبھی تیرے دل میں اتر کر دیکھ لوں
کون بسا ہے تیرے دل میں جو مجھے بسنے نہیں دیتا

....

دین دھرم سب پاپ ہوئے غربت تقویٰ چھین گئی
رات گئے کل شہر سے باہر رہبر رستہ بیچ رہا تھا
تعلیم کا زیور پہن کر بھی بہنیں میری کنواری ہیں
یہ کہہ کر کل اک مفلس بچہ اپنا بستہ بیچ رہا تھا

....

سدا رہے جکڑے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں
صوبیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور
وہ محبتوں کے سودے بھی عجیب کرتا ہے فراز
بس مسکراتا ہے اور دل خرید لیتا ہے

....

تمہارا ساتھ تسلسل سے چاہیے مجھ کو
تھکن زمانوں کی لمحوں میں کب اترتی ہے

....

ہمیں آ کر منا لینا
کسی بھی شام سے پہلے
اداسی ٹھہر جاتی ہے
تمہارے نام سے پہلے

کہا تھا کس نے کہ عہد وفا کرو اس سے
جو یوں کیا ہے تو پھر کیوں گلہ کرو اس سے
یہ اہل بزم تنگ حوصلہ سہی پھر بھی
ذرا فسانہ دل ابتدا کرو اس سے
میرب راشد ---- دہاڑی
مرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ ہو عطا
ضرورت آن پڑی کشتیاں جلانے کی

....

عزم راسخ ہو تو دیتی ہے صدا خود منزل
حوصلہ ہو تو کوئی راہ بھی دشوار نہیں

....

عین وصل میں بھی مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب
سائرہ نعمان ---- کھاریاں
شکستہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا
شکستہ دل ہیں مگر حوصلہ بھی اب کے گئے

....

زندگی پھیلی ہوئی تھی شام ہجراں کی طرح
کس کو اتنا حوصلہ تھا کون جی کر دیکھتا

....

اب تو ہاتھوں سے لکیریں بھی مٹی جاتی ہیں
اس کو کھو کر تو میرے پاس رہا کچھ بھی نہیں
صباحت علی ---- منڈی بہاؤالدین
اس شہر غم کو دیکھ کے دل ڈوبنے لگا
اپنے پہ ہی سہی کوئی ہنستا دکھائی دے

....

سردیاں بارشیں ہوا چائے کا کپ
وہ مجھے یاد آ رہا ہو شام ہو
یا الٰہی ایسے لمحے سے بچا
وہ مجھے یاد آ رہا ہو شام ہو

....

ہر اک شام نئے خواب اس پر کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تمہاری شال آ جائے
انہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے
فرح سلیم ---- ٹی پور
زباں کا ورد ہوئے پر دل میں گھر نہ ہوئے
ہتھیلیوں پہ لکھے نام ہمسفر نہ ہوئے
عجب طریقہ ہے جاناں تجھے بھلانے کا
کہ تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے

....

دل سے تیری یاد اتر رہی ہے
سیلاب کے بعد کا سماں ہے

....

ہم کو نہ دیکھو اس طرح دیکھو ہمارے پاس تم
آئے تو تھے دریدہ دل لوٹے تو بار تو گئے
ہم ہیں وہ نخل راستی سائے میں جس کے تم کبھی
ٹھہرے تو ہم نفس ہوئے گزرے تو مشکبو ہوئے
نسرین فیصل ---- جہلم
خدا گواہ کہ خوشیاں بہت ملیں لیکن
میں کیا کروں جو اداسی ہی دل کے اندر ہو

....

ان کے آنے کا ہے امکان خدا خیر کرے
دل پر گزرے گا یہ طوفان خدا خیر کرے
وہ تو ہیں اونچے محلوں کے رہنے والے
اور میرا گھر ہے بیاباں خدا خیر کرے

....

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہ شوق سے دور ہیں رگ جاں سے لاکھ قریں سہی
☆☆☆

ثناء کنول ---- لودھراں

س: عین غین بھائی کیا ہر کسی کو خوشیاں ملتی ہیں؟

ج: جی ہر کسی کو اس کے حصے کی خوشیاں ضرور ملتی ہیں۔

س: کیا کوئی کسی سے واقعہ محبت کر سکتا ہے؟

ج: یہ "واقعہ" محبت کیا ہوتی ہے؟

س: کیا مرد کبھی بھی اپنی بیوی کو سمجھ سکتا ہے؟

ج: مرد تو نہیں مگر بیوی اپنے خاوند کو ضرور سمجھ جاتی ہے۔

س: کیا ساری ساس اور بہویں خراب ہوتی ہیں؟

ج: حقیقت میں تو نہیں مگر ٹی وی ڈراموں میں ضرور خراب ہوتی ہیں۔

س: کیا میرے دل میں جو ہے وہ رہے گا؟

ج: جب تک ہے جان ضرور رہے گا۔

س: کیا ماں باپ کے علاوہ کوئی آپ کو پسند ہے؟

ج: پسند تو بہت کچھ ہے

س: عورت کے کتنے گھر ہوتے ہیں؟

ج: عورت کے لئے ایک ہی گھر کافی ہے۔

س: عین غین جی ہمارے سوال اتنے مشکل تھے جو آپ جواب دینے سے قاصر رہے؟

ج: آپ کا سوال تو مشکل نہیں تھے ان کے جواب مشکل تھے جو آپ سمجھ نہیں سکے۔

س: عین غین جی آپ نے اپنی عادتیں چھوڑی نہیں، واقعی؟

ج: آپ کو کیا لگتا ہے؟

وائے خان ---- موڑ ایمن آباد

س: عرصہ دراز کے بعد موڑ ایمن آباد سے آپ کی محفل میں آگئے ہیں خوش آمدید کہیے؟

ج: جی آیاں نوں۔

س: عین غین کی محفل میں عین غین عرصہ دراز بعد عینک لگائے ہاتھ میں چھڑی پکڑے ابھی تک اسی محفل میں بیٹھے ہیں، آپ ابھی...... تک؟

ج: آپ بھی تو عرصہ دراز کے بعد وہیل چیئر پہ بیٹھ کر......

عابد محمود ---- ملکہ ہانس

س: عین غین جی میری طرف سے حنا فیملی کے تمام افراد کو نئے سال اور حنا کی سالگرہ کی مبارکباد قبول ہو؟

ج: شکریہ۔

س: عین غین جی یہ یادیں اتنی منہ زور کیوں ہوتی ہیں کہ انہیں جتنے مرضی دھکے دے ڈالو یہ بھی آموجود ہوتی ہیں؟

ج: یہ یادیں نہیں پچھتاوا ہوتا ہے۔

س: جدائیاں جو دکھ دیتی ہیں وہ بعد میں کیوں معلوم ہوتے ہیں؟

ج: دکھ جدائی کے بعد ہی ملتا ہے، جدائی سے پہلے دکھ کا کیا کام۔

س: عین غین جی کافی عرصہ بعد دوبارہ آپ کی خوبصورت بزم میں شامل ہو رہا ہوں امید ہے جگہ ملے گی؟

ج: امید پوری ہو گئی۔
س: سنا ہے بارشوں کے موسم میں زمین سیراب ہوتی ہے اور دل......؟
ج: ہجر کے موسم آنسوؤں سے۔
س: یہ شام اتنی اداس کیوں ہوتی ہے؟
ج: اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔

مرزا علی شیر بیگ ---- ٹھٹھہ مغلاں

س: عین غین جی شعر کا جواب شعر میں دیں۔
زندگی کیا ہے اک پھٹی پتلون ہے
زندگی گزارے جا ٹاکیاں لگائے جا
ج:
فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سی پتلون پہنے ہوئے ہے
س: عین غین جی کیوں اتنا شور مچا رکھا ہے پلیز آہستہ بولیں؟
ج: آپ ٹا کی صحیح طرح لگاؤ تو ہمیں بولنے کی ضرورت نہ پڑے۔
س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟
ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل امان اللہ سے بھی کہہ رہے تھے۔

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: تمیں سی لائی بے قدراں نال یاری۔

ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع و عریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا ع غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہئے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: تبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

س: یہ زندگی تیرے بغیر کیسے کٹ گئی؟
ج: جیسے اب تک کٹی ہے۔

☆☆☆

بلقیس بھٹی

معجزہ

ایک بچہ میڈیکل اسٹور پر جاتا ہے اور دس کا نوٹ دے کر کہتا ہے۔
"انکل میرے پاس اتنے ہی پیسے ہیں، کیا اتنے سے پیسوں میں مجھے معجزہ مل جائے گا؟"
میڈیکل اسٹور والا حیرانی سے پوچھتا ہے۔
"بیٹا! آپ کو معجزہ کیوں چاہیے؟"
بچہ بہت معصومیت سے جواب دیتا ہے کہ۔
"ڈاکٹر انکل کہتے ہیں اب معجزہ ہی میری ماں کو بچا سکتا ہے۔"

فریحہ شبیر، شاہ پور

انتظار

اب تو دیمک
بھی کھا کر چھوڑ گئی
تیری دستک کے
منتظر دروازے کو

فریحہ شبیر، شاہ پور

استعفیٰ

معمر استانی نے استعفیٰ دے دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ آج کل اساتذہ ہیڈ ماسٹر سے ڈرتے ہیں، ہیڈ ماسٹر، انسپکٹر آف اسکولز سے ڈرتے ہیں، انسپکٹر محکمہ تعلیم سے ڈرتے ہیں، محکمہ تعلیم والے بچوں کے والدین سے ڈرتے ہیں، والدین بچوں سے ڈرتے ہیں، بچے کسی سے نہیں ڈرتے لہٰذا مجھے ملازمت سے سبکدوش کیا جائے۔

☆

ایک شخص نے پاگل خانے کی سیر کرتے ہوئے ایک پاگل سے دریافت کیا۔
"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"
پاگل نے جواب دیا۔
"اس کمبخت جمہوری نظام کی وجہ سے۔"
اس شخص نے پوچھا۔
"وہ کیسے؟"
پاگل نے جواب دیا۔
"لوگ کہتے ہیں کہ میں پاگل ہوں اور میں کہتا تھا لوگ پاگل ہیں۔"
اس شخص نے پوچھا۔
"پھر کیا ہوا؟"
پاگل نے جواب دیا۔
"ان کے حق میں ووٹ زیادہ پڑ گئے۔"

توبہ شہزادی، کھڈیاں خاص

کرایہ

ہوٹل کے مالک نے مسافر کو کمرہ دکھاتے ہوئے کہا۔
"اس کمرے کا کرایہ دس روپے اس لئے زیادہ ہے کہ کمرے کی کھڑکی سے آپ دور دور تک نظارہ کر سکتے ہیں۔"
مسافر نے جواب دیا۔
"پھر آپ دس روپے فوراً کم کر دیں کیونکہ میری نظر کمزور ہے، نظارہ نہ کر سکوں گا۔"

☆

تفریح

ایک صاحب رات گئے سڑک پر چہل قدمی

کرتے ہوئے کہیں جارہے تھے کہ راستے میں ایک کانسٹیبل نے انہیں روکا اور ان سے پوچھا۔
''آپ اس وقت کہاں جارہے ہیں؟''
''تقریر سننے۔'' ان صاحب نے اطمینان سے جواب دیا۔
''مگر یہ تقریر کا کون سا وقت ہے؟'' کانسٹیبل نے حیرانی سے پوچھا۔
وہ صاحب دوبارہ گویا ہوئے۔
''آپ میرے ساتھ گھر چلئے اور دیکھئے کہ میری بیوی کی تقریر کا یہی وقت ہے۔''
رابعہ حبیب، سیالکوٹ

خوش قسمت

''صائمہ کی شادی ہورہی ہے۔'' ایک شخص نے اپنے دوست کو بتایا۔
''کون ہے وہ خوش قسمت آدمی جس سے صائمہ کی شادی ہو رہی ہے؟'' دوست نے پوچھا۔
''خوش قسمت تو میں ہوں، اس نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کردیا تھا۔'' اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا۔
نعمانہ حبیب، راولپنڈی

ناقابل برداشت

دو عورتوں کی ملاقات ہوئی تو ایک نے دوسری کو بتایا۔
''بہن! تم نے کچھ سنا؟ شازیہ کے شوہر کا دورہ قلب سے انتقال ہوگیا۔''
''ارے...... وہ کیسے؟'' دوسری عورت نے پوچھا۔
''دونوں میاں، بیوی میں لڑائی ہورہی تھی، اس دوران شازیہ نے اپنے شوہر سے فوری طلاق کا مطالبہ کردیا۔'' پہلی عورت نے بتایا۔
''اچھا...... تو وہ صدمے سے مر گیا۔'' دوسری عورت نے اظہار خیال کیا۔
''ارے نہیں، وہ اتنی زیادہ خوشی اچانک برداشت نہ کرسکا۔'' پہلی عورت نے جواب دیا۔
عاصمہ حیدر، قصور

انوکھی خواہش

ایک وکیل نے اپنے دوست کو اپنی زندگی کے پرلطف واقعات سناتے ہوئے ایک مقدمہ کا ذکر کیا، جس میں ایک عورت نے نان نفقے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا۔
''جناب اعلا! مجھے اپنے شوہر سے کچھ نہیں چاہیے، میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ میرا شوہر مجھے اسی حالت میں چھوڑ دے، جس میں اس نے مجھے پایا تھا۔''
''اور وہ حالت کیا تھی؟'' جج نے پوچھا۔
''میں بیوہ تھی۔'' عورت نے سر جھکا کر کہا۔
میراب راشد، وہاڑی

نارمل عادت

ایک عورت نے نفسیاتی علاج کے ماہر ڈاکٹر سے کہا۔
''اللہ کے لئے میرے شوہر کو سدھارنے کے لئے کچھ کیجیے، وہ سارا سارا دن ایک بہت بڑا ڈھول بجاتے ہوئے گھومتے پھرتے ہیں۔'' ڈاکٹر بولا۔
''اسے خبط تو نہیں کہا جاسکتا، بالکل نارمل عادت ہے یہ، میں خود بھی کبھی کبھی ایک بہت بڑا ڈھول بجاتا ہوں۔'' عورت نے حیران ہو کر پوچھا۔
''ڈھول کے اندر بیٹھ کر۔''
سائرہ نعمان، کھاریاں

مانگنے کا انداز

ایک پڑھا لکھا بھکاری سڑک کے کنارے

کھڑا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان خوب صورت جوڑا، ایک دوسرے سے باتیں کرتا ہوا اس کی جانب چلا آرہا ہے، بھکاری نے انہیں دیکھ کر بلند آواز میں صدا لگائی۔

''خدا تمہارا بھلا کرے، بے پناہ حقیقی مسرتیں تم دونوں کی تلاش میں رہیں اور دنیا بھر کی کامرانیاں تمہارے پیچھے آئیں۔'' نوجوان جوڑا بھکاری کو نظر انداز کرتا آگے بڑھ گیا تو بھکاری بڑبڑایا۔

''مگر خدا کرے تم ان سے محروم رہو۔''

صباحت علی، منڈی بہاؤالدین

نیا ریکارڈ

ایک تربیتی طیارہ ویرانے میں گر کر تباہ ہو گیا، تاہم پائلٹ پیراشوٹ کے ذریعے نیچے کودنے میں کامیاب ہوگیا، وہ براہ راست زمین پر نہ اتر سکا، بلکہ ایک درخت کی شاخ میں پھنس گیا، کچھ دیر کی کوشش کے بعد وہ آخر کار درخت سے اترنے میں کامیاب ہوگیا، نیچے کھڑا ایک دیہاتی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''میں آج ایک ریکارڈ قائم کرنے کے ارادے سے جہاز لے کر نکلا تھا، لیکن قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔'' پائلٹ نے ٹھنڈی سانس لے کر تھکے ہارے انداز میں زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ایک ریکارڈ تو بہرحال تم نے قائم کر دیا ہے۔'' وہ دیہاتی بولا۔

''وہ کیا؟'' پائلٹ نے چونک کر کہا۔

''تم ایک ایسے درخت سے اترے ہو جس پر تم چڑھے ہی نہیں تھے۔'' دیہاتی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

فرح سلیم علی پور

قانون کی پابندی

شکار پر پابندی کے باوجود ایک شخص مچھلی کا شکار کرتے ہوئے پکڑا گیا، وارڈن نے کہا۔

''تمہیں معلوم نہیں کہ سال کے اس حصے میں شکار کھیلنا منع ہے؟''

''ہاں بالکل معلوم ہے۔'' شکاری نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

''تم پھر بھی تم شکار کر رہے ہو؟'' وارڈن نے غصے سے کہا۔

''وجہ یہ ہے جناب۔'' شکاری نے جواب دیا۔

''جب شکار کا موسم آتا ہے تو مچھلیاں اچانک غائب ہو جاتی ہیں، لیکن جب شکار کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو دریا میں ہر طرف مچھلیاں ہی مچھلیاں نظر آتی ہیں، اب آپ بتائیے ایسے قانون کا کیا فائدہ جس کی پابندی مچھلیاں نہ کرتی ہوں۔''

نسرین فیصل، جہلم

شریف وہ ہے جسے......

بیوی نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بات ہے کہ آپ کے دوست گھر آتے ہیں تو آپ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں، ان کے گلے ملتے ہیں، ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں، مگر...... جب میری سہیلیاں آتی ہیں تو آپ ذرا خوش نہیں ہوتے؟''

''میں اس وقت اور بھی زیادہ خوشی اور گرم جوشی کا مظاہرہ کر سکتا ہوں، مگر آپ اپنی سہیلیوں سے ملنے کا موقع تو دیں۔''

عظمیٰ ساجد، گوجرانوالہ

☆☆☆

صائمہ محمود

زارا مہرانی: کی ڈائری سے ایک انتخاب
دسمبر کی آخری شام
یہ شام یاد رکھنا
تیری نگاہ سے جب میں اپنی نگاہ
چھڑا کے پلٹ رہی تھی
تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا تھا
نہ میں نے کچھ سنا تھا
مگر ہوا میں نمی اچانک ہی بڑھ گئی تھی
مریم ماہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم
یہ نادان دل ضد پہ جو یونہی اڑ جائے
انا کی اینٹیں جوڑ کر دیوار تک بنا ڈالے
اس دیوار سے پرے دلوں پہ
چاہے کوئی قیامت بھی ڈھے جائے
انا کا بت سنبھالے یہ دل
بے حسی کا لبادہ اوڑھے رکھے
کسی کے احساس کا ریشم بھی
کسی کے بھی دل کو الجھا جائے
کوئی بھی بدگمانی، بے دھیانی میں
دلوں میں نفرتوں کے بیج بو جائے
یہ نادان دل ضد پہ جو یونہی اڑ جائے
ایسے میں دلوں کی بستیوں پہ
بے حسی کے طوفانوں کا ستم ٹوٹے
نہ دل پہ کوئی درد جاگے
نہ ہی کسی کے آنسو دلوں
کی پیاسی مٹی کو نم کر پائیں
دلوں کے مابین ایسے میں
صدیوں پہ محیط فاصلے حائل ہو جائیں
یہ نادان دل ضد پہ جو یونہی اڑ جائے
عابد محمود: کی ڈائری سے نئے سال کی آمد
اب کے سال بھی ہم سب کو
ستاروں کی ضرورت ہے، بہاروں کی ضرورت ہے
ذرا سوچو تو آپس کے سہاروں کی ضرورت ہے
چلو پھر آنے والی رات کا استقبال کرتے ہیں
محبت ہی محبت
کاشت اب کے سال کرتے ہیں
بیناخ اے ڈی: کی ڈائری سے ایک غزل
چلو آج آپ کے لئے ایک کام کرتے ہیں
آج کی شام آپ کے نام کرتے ہیں
ایک ساتھ جو دن ہم نے گزارے
ہم یاد وہی آج ایام کرتے ہیں
کیا عشق کیا ہے خوشیوں سے دامن بھرا ہے
چلو درد کی وادی میں قیام کرتے ہیں
بہت دکھی ہیں ہم پھر بھی مطمئن ہیں
تیری بے رخی کو ہم سلام کرتے ہیں
محبت اگر یہ جرم ہے بیناخ
تو جرم ہم سر عام کرتے ہیں
آمنہ ساجد: کی ڈائری سے ایک غزل
زندگی کو سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں
دہشت گرد خود کو دھوکا دیتے ہیں
سوچتے ہیں مذہب کی تکمیل کرتے ہیں
کئی گھروں کے چراغ جو گل کر دیتے ہیں
زندگی کو جنہوں نے جہاد مسلسل سمجھا
وہی بار بار یہ کفر کر دیتے ہیں

کمزوری ہے یہ مذہبی ناواقفیت کی
جو یہ ظلم کسی انجان پر کر دیتے ہیں
کرتے ہیں وہ یہ سب کچھ جنت کے شوق میں
مگر ہار وہ دوزخ میں گھر کر لیتے ہیں
مہرین کنول ضیا: کی ڈائری سے محسن نقوی کا کلام۔
دسمبر مجھے راس نہیں آتا
کئی سال گزرے
کئی سال بیتے
شب وروز کی گردشوں کا تسلسل
دل و جان میں سانسوں کی پرتیں الٹتے ہوئے
زلزلوں کی طرح ہانپتا ہے
چٹختے ہوئے خواب
آنکھوں کی نازک رگیں چھیلتے ہیں
مگر میں ہر اک سال کی گود میں جاگتی صبح کو
بے کراں چاہتوں سے الٹی زندگی کی دعا لے کر
اب ایک وہی جستجو کا سفر کر رہا ہوں
گزرتا ہوا سال جیسا بھی گزرا
مگر سال کے آخری دن نہایت کٹھن ہیں
میرے ملنے والو
نئے سال کی مسکراتی ہوئی صبح گر ہاتھ آئے تو
تو ماننا
کہ جاتے ہوئے سال کے ساعتوں میں
یہ بجھتا ہوا دل
دھڑکتا تو ہے مسکراتا نہیں
دسمبر مجھے راس آتا نہیں
مونا شاہ قریشی: کی ڈائری سے ایک نظم
چلچلاتی دھوپ کی تپش میں
گر تیری محبت کا سائباں میسر ہو تو
میں خاک ہو جاؤں تیری جستجو میں
کہ ابر کے جیسے تو مجھ پہ برسے
میرے پیاسے من کے مندر کو
تو بوند بوند سیراب کرے
میرے بنجر دل کو شاداب کرے
میرا ریزہ ریزہ بھیگا ہو
اس نرم گیلی مٹی سے
بس خوشبو تیری آتی ہو......
اور مجھ میں بس سی جاتی ہو......!
ماریہ یاسر: کی ڈائری سے ایک غزل
میری زندگی کے ہم سفر
تجھے کیا پتہ تجھے کیا خبر
یہ جو تیرا میرا ساتھ ہے
زرد روشنیوں کے نام ہے
ہو کبھی مجھ سے کوئی خطا
نہ ہونا تم مجھ سے خفا
تجھے پیار کروں میں بے پناہ
تو بھی رکھنا مجھ کو سب سے خاص
یہ جو تیرا میرا ساتھ ہے
زرد روشنیوں کے نام ہے
جب ہوتے ہو تم مجھ سے دور
تجھے یاد کروں میں بے پناہ
میرے دل کا حال تجھے کیا پتہ
یہ جانے صرف میرا خدا
ہو جب بھی تجھ کو کوئی گلہ
مجھ کو دینا تم صرف ایک صدا
سب کچھ میں چھوڑ چھاڑ کے
دور کروں میں تیرا گلہ
تو بھی کرنا مجھ سے بہت ہی پیار
نہ چھوڑ کے تو جانا کہیں
میری زندگی کے ہم سفر
تجھے کیا پتہ تجھے کیا خبر
یہ جو تیرا میرا ساتھ ہے
زرد روشنیوں کے نام ہے
فریحہ شبیر: کی ڈائری سے ایک نظم
"مان جانا"

میں اپنی راتوں کی فرصتوں میں
تجھے مناؤں تو مان جانا
اگر کسی دن میں اپنے آنسو
جو لے کر آؤں تو مان جانا
تو خوش نہیں ہے میرے وجود سے
تو صرف اتنا بتا دے مجھ کو
تیری خوشی کے لئے
سولی پہ مسکراؤں تو مان جانا
تو بدگمان ہے اگر میری وفا سے تو
ایک بار تو آزما لے مجھ کو
جو ہار جاؤں لوٹ جانا
جو جیت جاؤں تو مان جانا

صائمہ خالد: کی ڈائری سے ایک غزل
اک بات بتاؤں کچھ یوں ہوا
وہ پہلی بار مجھ سے ہم کلام ہوا
کچھ میری نگاہوں میں سوال عجیب تھے
کچھ وہ جوابوں میں لاجواب ہوا
میں نے پوچھا رات کو چاند تنہا کیوں ہوتا ہے
وہ بولا وفا کے سوداگر تنہا ہی رہتے ہیں
میں نے پوچھا ریت کے ذرے ہاتھ میں کیوں نہیں ٹھہرتے
وہ بولا جو مقدر میں نہ ہو زبردستی نہیں لیتے
میں نے پوچھا سمندر کی لہروں میں شور کیسا ہے
وہ بولا یہ اس کی خاموشی کی آہ و بکا ہے
میں نے پوچھا محبت کیا ہے
وہ بولا یہ عشق کی پہلی سیڑھی ہے
میں نے پوچھا تو پھر عشق کیا ہے
عجیب سوال تھا وہ بولا کچھ بھی نہیں
مجھ پہ نگاہ ڈالی اور سیل لب روانہ ہوا

فریدہ عابد: کی ڈائری سے امجد سلام امجد کی نظم
"کوئی چاند چہرہ کشا ہوا"
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
وہ دھند تھی بکھر گئی
وہ جو حبس تھا وہ ہوا ہو
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا تو سمٹ گئی
وہ جو تیرگی تھی چہار سو
وہ جو برف ٹھہری تھی روبرو
وہ جو بے دلی تھی صدف صدف
وہ جو خاک اڑتی تھی ہر طرف
مگر اک نگاہ سے جل اٹھے
وہ جو چراغ جاں تھے بجھے ہوئے
مگر اک سخن سے مہک اٹھے
میرے گلستاں، میرے آئینے
کس جوش نظر کے حصار میں
کس خوش قدم کے جوار میں
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
میرا سارا باغ ہرا ہوا

منزہ سجاد: کی ڈائری سے ایک نظم
میں نے تمہاری یادوں کو
شہر کے گلی کوچوں میں تقسیم کر دیا ہے
تاکہ آنے جانے والے لوگوں کی دھول
انہیں دھندلا کر دے
میں نے تمہاری محبت کو
بہت سارے لوگوں میں بانٹ دیا ہے
تاکہ ریزہ ریزہ ہو کر کمزور پڑ جائے
اور میں نے خود کو بہت ساری آنکھوں کے لئے
الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے
تاکہ جدائی کا دکھ
مجھے تلاش کرتا رہے اور کبھی کامیاب
نہ ہو سکے

عالیہ وحید: کی ڈائری سے چند اشعار
انا کے خول سے باہر بھی آ کر دیکھ لیتے ہیں
بھلا وہ کیوں منائے ہم منا کر دیکھ لیتے ہیں
سنا ہے منزلوں سے جا کے رستے پھر نکلتے ہیں

☆☆☆

افراح طارق

چکن مال کری

اشیاء

مرغی	ایک عدد
دہی	ایک کپ
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سویا سوس	دو کھانے کے چمچے
خشخاش	ایک چائے کا چمچہ
بادام، پستے پسے ہوئے	دس بارہ عدد
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچے

ترکیب

مرغی کو دھو کر خشک کر لیں اور اس پر دہی، سرخ مرچ پاؤڈر، سیاہ مرچ پاؤڈر، سرکہ، سویا سوس، زردے کا رنگ، خشخاش، بادام، پستے اور لیموں کا رس لگا کر ایک سے دو گھنٹے میرینیٹ ہونے کے لئے رکھ دیں، ایک بیکنگ ڈش میں تیل لگا کر اسے چکنا کریں مرغی کو بمعہ میرینیشن کے بیکنگ ڈش میں رکھ کر پہلے سے گرم اوون میں 180C پر رکھ کر ایک گھنٹے تک بیک کریں، گوشت کے گولڈن براؤن ہونے سے بیکنگ ٹرے کو اوون سے نکال کر اس پر چار کھانے کے چمچے مکھن لگائیں۔

سوس بنانے کے لئے:۔

ٹماٹر	چار عدد
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز (چوپ کرلیں)	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	چار کھانے کے چمچے

ترکیب

ٹماٹروں کو گرائنڈ کر کے اس کا پیسٹ بنا لیں، تیل گرم کریں پیاز ڈال کر ساتھ فرائی کریں اس کے بعد اس میں ٹماٹر کا پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، نمک اور سرکہ ڈال کر پکا لیں پانی خشک ہونے پر بھون لیں، سوس تیار ہے، سرونگ ڈش میں بیک کیا ہوا مرغی کا گوشت رکھیں، کھیرے اور لیموں سے گارنش کریں مزے دار چکن مال کری تیار ہے، سوس کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

چکن ہرا بھرا

اشیاء

مرغی	ایک کلو
تیل	آدھا کپ
لہسن پیسٹ	ایک چوتھائی کھانے کا چمچہ
ادرک پیسٹ	دو چائے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چٹکی
پانی	حسب ضرورت
سفید مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چٹکی
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹو پیسٹ	50 گرام
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	آدھا چائے کا چمچہ
کریم	ایک کپ

ترکیب
ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور لہسن، ادرک ڈال کر فرائی کرلیں، اس کے بعد ہلدی پاؤڈر، گرم مصالحہ پاؤڈر، سفید مرچ پاؤڈر، نمک، ٹماٹو پیسٹ، فرائی کی ہوئی پیاز کا پیسٹ، ہرا دھنیا اور پانی ایک پیالے میں ڈال کر مکس کریں اور اس آمیزے کو کڑاہی میں ڈال کر چمچہ چلائیں، تیل اوپر آجائے تو اس میں مرغی اور دہی ڈال دیں اور چمچہ چلاتی رہیں، جب مرغی اچھی طرح پک جائے تو اس کے بعد کوکونٹ پاؤڈر اور کریم ڈال کر اچھی طرح سے مکس کریں، مزے دار چکن ہرا بھرا تیار ہے۔

میتھی اور پالک کا ساگ

اشیاء

میتھی	ایک گڈی
پالک	ایک گڈی
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
ادرک	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	دو سے تین عدد
چاٹ مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ثابت سرخ مرچ	تین سے چار عدد
چیری ٹماٹو	آٹھ سے دس عدد
پیاز (چوپ کرلیں)	ایک عدد (چھوٹی)
تیل	دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
تھائی گرین کری پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب
پالک اور میتھی کو دھو کر کاٹ لیں، پتیلی میں تیل گرم کریں، اس میں لہسن، ادرک، ہری مرچیں، ثابت سرخ مرچیں، پیاز ڈال کر اچھی طرح بھون لیں، اس کے بعد اس میں پالک، میتھی اور سرخ مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر، نمک، تھائی گرین کری پیسٹ ڈالیں اور ہلکی آنچ پر آٹھ سے دس منٹ کے لیے پکائیں۔
میتھی اور پالک کا ساگ تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکالیں، چیری ٹماٹو سے گارنش کرکے سرو کریں۔

چکن ویجی ٹیبل کباب

اشیاء

مرغی (بون لیس)	ایک کلو
آلو	ڈیڑھ کلو
گاجر	آدھا کلو
لہسن، ادرک کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
سویا سوس	دو کھانے کے چمچے
ہری پیاز (چوپ کرلیں)	آٹھ سے دس عدد
ہری مرچ	دس عدد
لال مرچ (کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
چلی گارلک سوس	تین کھانے کے چمچے
مایونیز	ایک کپ
انڈے	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
بریڈ کرمز	حسب ضرورت

ترکیب
مرغی میں نمک، لہسن، ادرک، چلی گارلک اور سویا سوس ڈال کر ابال لیں، بوائل ہوجائے تو چکن کے ریشے کرلیں، آلو ابال کر چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، گاجر کو کش کرلیں، ہری پیاز اور ہری مرچ باریک کاٹ لیں، مرغ کے ریشے، آلو گاجر، ہری مرچ، ہری پیاز

سب ایک ٹرے میں ڈال کر اوپر مایونیز ڈال کر مکس کر لیں، اس کو بریڈ کرمز لگا کر چپٹے کباب بنا لیں اور انڈے میں ڈبو کر ڈیپ فرائی کر لیں، مزے دار چکن ویجی ٹیبل کباب تیار ہیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ گرم سرو کریں۔

گوشت درباری

اشیاء

ران کا گوشت	ایک کلو
بڑی الائچی (دانے نکال لیں)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	تین کھانے کے چمچے
گھی	تین کھانے کے چمچے
لہسن کے جوے (بھون لیں)	تین سے چار عدد
پیاز (بڑی باریک کاٹ لیں)	ایک عدد
ادرک (باریک پیس لیں)	ایک انچ کا ٹکڑا
گرم پانی	تین سے چار کپ
ٹماٹر پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
تل	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت سیاہ مرچ	دس عدد
تیز پات	ایک عدد
لونگ	چار عدد
ہری مرچ (لمبائی میں آدھی کاٹ لیں)	دو عدد
رائی	ایک کھانے کا چمچہ
خشخاش	دو کھانے کے چمچے
ثابت خشک لال مرچ	چار عدد
دار چینی	دو انچ کا ٹکڑا

ترکیب

گوشت پر سے اضافی چکنائی اتار لیں اور دو انچ بوٹیاں بنا لیں، رائی، تل، خشخاش، ثابت سیاہ مرچ، ثابت خشک لال مرچ، تیز پات، دار چینی، لونگ، ملا کر گرائنڈ کر لیں اور سرکہ ملا کر مصالحہ پیسٹ تیار کر لیں اور اس پیسٹ کو گوشت پر اچھی طرح لگا کر میری نیٹ کرنے کے لئے چار سے چھ گھنٹے پر ریفریجریٹر میں رات بھر کے لئے رکھ دیں، لہسن میں نمک ملا کر پیس لیں اور ملائم پیسٹ بنا لیں۔

گھی کو ہلکی آنچ پر گرم کریں، پیاز اور ادرک ملا کر آنچ درمیانی کر دیں اور پیاز کے نرم ہونے تک فرائی کریں، ادرک کا پیسٹ شامل کر دیں اور مزید دو سے تین منٹ چمچہ چلاتے ہوئے فرائی کریں۔

گوشت ملا دیں اور پیاز کے مکسچر میں اس وقت تک پکائیں کہ گوشت کی تمام بوٹیاں براؤن ہو جائیں، پانی ملا دیں اور ابال لیں، آنچ کم کر کے ٹماٹر پیسٹ، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ملا دیں اور آنچ درمیانی کر کے چمچہ مسلسل چلاتے ہوئے تین سے چار منٹ تک پکائیں، پتیلی کو آگ پر سے اتار لیں۔

مزے دار گوشت درباری تیار ہے، گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

مینگو کریم بالز

اشیاء

مینگو پلپ (گودا)	ایک کپ
آئسنگ شوگر	ایک کھانے کا چمچہ
میدہ	آٹھ کھانے کے چمچ
پانی	ایک گلاس
انڈے	چار عدد
گھی	سات کھانے کے چمچ
نمک	پاؤ چائے کا چمچہ
فریش کریم	دو سو گرام

ترکیب

گھی، نمک اور پانی ڈال کر پکائیں ابال آنے پر اس میں میدہ ڈال دیں، چمچہ مسلسل چلاتی رہیں، جب سخت ہو جائے تو اتار لیں، اب اس میں ایک ایک کر کے انڈا ڈالتے جائیں اور بیٹ کرتی رہیں، پین کو گھی سے چکنا کر لیں، آمیزے کی 20 عدد بال بنالیں اور پین میں رکھ دیں، اوون میں 300 ڈگری سینٹی گریڈ پر 35 منٹ کے لیے بیک کر لیں، اوون بند کر کے پین کو ایک گھنٹے تک اسی میں رہنے دیں، فریش کریم بیٹ کر لیں اب اس میں آئسنگ شوگر اور مینگو پلپ ڈال کر مکس کریں، بالز کو درمیان سے کاٹیں، کریم اور مینگو پلپ کا آمیزہ بھریں، فریزر میں رکھ کر خوب اچھی طرح ٹھنڈا کر لیں، مینگو کریم بالز تیار ہیں۔

لکھنوی گلاوٹ کے کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
کچا پپیتا (پیس کر)	دو چائے کے چمچے
ادرک کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	حسب پسند
سفید زیرہ	دو چائے کے چمچے
پسا ہوا کھوپرا	چار چائے کے چمچے
خشخاش	دو چائے کے چمچے
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
جائفل	1/4 سائز کا ٹکڑا
جاوتری	ایک چائے کا چمچہ
بیسن (بھون کر چھان لیں)	چار کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
دار چینی	دو انچ کا ٹکڑا
پیاز	ایک عدد
دہی	دو کھانے کے چمچے
کوکنگ آئل	فرائی کے لیے

ترکیب

سب سے پہلے سفید زیرہ، پسا ہوا کھوپرا اور خشخاش بھون کر پیس لیں، پھر گرم مصالحہ پاؤڈر، جائفل، جاوتری اور دار چینی بھی باریک پیس لیں، قیمے میں کچا پپیتا، نمک اور ادرک لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں، اب اس میں باقی سارے مصالحے اور دہی، پیاز وغیرہ کو اچھی طرح ملا کر مزید آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں، اب اس آمیزے کے گول یا کسی بھی شکل کے کباب بنا لیں، ایک فرائنگ پین میں آئل ڈالیں اور گرم ہونے پر اس میں یہ کباب فرائی کر لیں، نہایت مزے دار لکھنوی گلاوٹ کے کباب تیار ہیں۔

سادہ پراٹھا

اشیاء

آٹا	دو کپ
میدہ	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
گھی	حسب ذائقہ

ترکیب

آٹے میں میدہ، نمک اور تھوڑا گھی ملا لیں، حسب ضرورت پانی ڈال کر گوندھ لیں، ایک مناسب سائز کا پیڑا بنا لیں اور اسے بیل کر اس پر گھی لگا دیں، اب دوبارہ سے اس کو لپیٹ کر رول بنا کر پراٹھے کی طرح بیل لیں۔

پہلے سے گرم کیے ہوئے توے پر ڈال کر کناروں سے ہلکا گھی ٹپکاتے ہوئے سنہری ہونے تک سینک لیں سرونگ ڈش میں نکال کر اچار اور رائتے وغیرہ کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

السلام علیکم!

فروری کے شمارے میں آپ کے خطوط اور جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کے لئے بہت سی دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ۔

کسی کا اعتماد حاصل کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے اور اگر خوش نصیبی سے حاصل ہو جائے تو اسے برقرار رکھنا اس سے بھی زیادہ دشوار ہوتا ہے، آج سے 37 برس قبل جب ماہنامہ حنا کا شمارہ منظر عام پر آیا تھا اس وقت ہمارا اپنے قارئین سے اعتماد کا رشتہ استوار ہوا تھا، آج وقت کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد وہ رشتہ وہ تعلق قائم ہے، بلکہ اور بھی زیادہ پائیدار ہو گیا ہے، اتنا طویل وقت آپ سب کی خوشگوار رفاقتوں سے دن بدن خوشنما ہوتا گیا، نہ آپ کی پسندیدگی میں کمی آئی نہ ہماری طرف سے دانستہ کوئی کوتاہی ہوئی، جو معیار روز اول تھا اسے مزید بہتر سے بہترین بنانے کی تگ و دو میں ہم لگے رہے، الحمدللہ آج ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ حنا سے محبت کرنے والوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، اس بات کا ثبوت آپ سب دوستوں کے وہ خطوط، ای میل اور فون کالز ہیں جو آپ لوگوں نے جنوری کے شمارے ''سالگرہ نمبر'' کی پسندیدگی کے لئے کی۔

ہم آپ سب کے انتہائی شکر گزار ہیں، آپ کی پسندیدگی ہمارے لئے باعث فخر ہے انشاءاللہ ہم اسے مزید بہتر بنانے کی تگ و دو میں لگے رہیں گے۔

آپ سب قارئین کی رائے ہمارے لئے محترم ہے، آپ سب دوستوں نے جو تجاویز نئے سلسلے شروع کرنے کے سلسلے میں دی ہے انشاء اللہ اس پر غور کریں گے، یہاں میں اپنی تمام مصنفات کی بھی دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے کبھی میرا مان نہیں توڑا، میں نے جب بھی تحریر کے سلسلے میں فرمائش کی سب نے مسکراتے ہوئے پوری کی۔

انشاءاللہ رفاقتوں کا یہ سفر یوں ہی جاری و ساری رہے گا۔

اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں، بہت سی نیک تمناؤں کے ساتھ آئیے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں۔

جی کیا کہا؟ میں کچھ بھول رہی ہوں، نہیں ہرگز نہیں نہ میں بھولی ہوں نہ آپ سب، ہم سب کو اچھی طرح یاد ہے کہ ہم نے پہلے درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرنا ہے اور پھر خطوط کی محفل کی طرف بڑھنا ہے۔

یہ پہلا خط ہمیں کوٹ ادو سے مہر النساء کا ملا ہے، وہ لکھتی ہیں۔

جنوری کا شمارہ ''سالگرہ نمبر'' تھا لیکن ٹائٹل انتہائی ڈل ذرا بھی پسند نہیں آیا، اشتہارات کو پھلانگتے ہوئے فہرست میں پہنچے تو وہاں اپنی سبھی پسندیدہ مصنفین کو پایا۔

لیکن ایک چیز جس کی کمی بے حد محسوس ہوئی وہ ''سالگرہ نمبر'' کے حوالے سے کوئی سروے تھا، حنا کی تو ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ وہ سالگرہ

نمبر میں اپنے کھٹے میٹھے سوالوں سے مصنفین کے چٹ پٹے خیالات سامنے لاتا تھا پھر اس بار کیوں نہیں؟ خیر آگے بڑھے اسلامیات والا حصہ ہمیشہ کی طرح ایمان افروز تھا، انشاء نامہ میں انشاء جی کی نظم ''تو کون؟'' بے حد اچھی تھی جب کے ان پر لکھی گئی قرۃ العین حیدر کی تحریر ''چاند نگر کا جوگی'' پڑھ کر دل اداس ہو گیا، لیکن یہ کیا ایک دن حنا کے ساتھ پھر غائب؟ لیکن آگے ایک مرتبہ پھر ابتدائی صفحات پر اُم مریم کو براجمان دیکھ کر دل خوش ہو گیا، ''دل گزیدہ'' اُم مریم کے ناول کا عنوان ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ، دوسری قسط بھی پہلی قسط کی طرح انتہائی شاندار بلکہ سحر زدہ، ایک ایک کردار انتہائی جاندار، بہت شکریہ فوزیہ آپی کا کہ آپ ایک مرتبہ پھر اُم مریم کو لے کر آئیں اور ہمیں ان کی تحریر پڑھنے کو ملی، یقیناً یہ ناول آگے چل کے کامیابی کے جھنڈے گاڑھے گا، ''اک جہاں اور ہے'' میں سدرۃ المنتہیٰ اب تحریر کو وائنڈ اپ کر رہی ہیں، سدرۃ کی تحریر نے پہلے دن سے لے کر اب تک اپنی دلچسپی برقرار رکھی ہر کردار اپنی اپنی جگہ اہم ہے وہ ھالار ہو امرت یا پھر تانگے والے کا کردار ہر ایک نگینے کی طرح فٹ ہے، جب کہ ایک اور ماہنامہ میں سدرۃ آپی نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ تحریر ان کی اب تک بہترین تحریر ہے اور ان کے دل کے قریب ہے، شکریہ سدرۃ آپی اپنی اتنی اچھی تحریر حنا کے نام کرنے کا، اب بات ہو جائے محبت محبت اور محبت کے موضوع پر قلم اٹھانے والی نایاب جیلانی کی ''پربت کے اس پار کہیں'' اب تیزی سے دلچسپی کے مراحل طے کر رہا ہے کہانی میں اب بہت کچھ نیا ہے، یقیناً آگے چل کر ہمیں مزید دلچسپ تحریر پڑھنے کو ملے گی انشاء اللہ، مکمل ناول میں کافی عرصہ بعد مصباح نوشین نظر آئیں کہ ''تقاضہ دل'' لئے ہوئے، ویلڈن مصباح ہمیشہ کی طرح آپ نے اچھا لکھا، نئے سال کے حوالے سے طویل تحریر میں فرزانہ حبیب یہ کہتی ہوئی ملی، ''مجھے آواز دے لینا'' واہ بہت خوب فرزانہ حبیب صاحبہ آپ ایک اچھی تحریر پڑھنے کو دی اگرچہ کہیں کہیں تحریر آپ کی گرفت سے نکلی لیکن تھوڑی بہت گنجائش تو نکل ہی آتی ہے، آپ کو ہماری طرف سے مبارک باد۔

افسانوں میں ''گھڑی کی کہانی'' طیبہ مرتضیٰ کی ہلکی پھلکی مگر بے حد اہم موضوع پر لکھی گئی تحریر، آپ نے سچ لکھا کہ ہر بندہ اپنے اپنے نظریہ کے تحت سوچتا ہے، ثمینہ بٹ کا افسانہ ''تیرا بھروسہ'' کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکا جبکہ روشانے عبد القیوم اور تمثیلہ زاہد نے اچھی کوشش کی۔

ناولٹ ''خواب خواہش اور آرزو'' فرح طاہر بٹ کی تحریر اس ماہ کی بور ترین تحریر تھی پہلی قسط تو پھر بھی کچھ بہتر تھی، پلیز فوزیہ آپی آپ دلچسپ تحریروں کا انتخاب کیا کریں، مصنفین کو چاہیے وہ اپنی تحریروں میں تھوڑی بہت حقیقت بھی دکھایا کریں، اب کوئی اتنا سیدھا نہیں ہوتا جتنا فرح نے اپنی ہیروئین کو دکھایا ہے، کوئی ایسا بھی بے وقوف نہیں کہ اپنی محنت کی کمائی دوست کو بھیجے۔

مستقل سلسلے اس مرتبہ بھی بہترین تھے، حاصل مطالعہ کے انتخاب نے بے حد متاثر کیا، کس قیامت کے یہ نامے میں ہمیشہ کی طرح فوزیہ آپی نے مسکراتے ہوئے سب کو خوش آمدید کہتے ہوئے ملی، یہ ان کی حوصلہ افزائی اور محبت ہی جو میں نے بھی آج اس محفل میں شرکت کی ہے۔

مہر النساء خوش آمدید، اس محفل میں نہ صرف ہماری طرف سے بلکہ تمام قارئین کی طرف سے

بھی، ”سالگرہ نمبر“ کا ٹائٹل آپ کو پسند نہیں آیا، اس کے لئے ہم معذرت خواہاں ہیں انشاء اللہ آئندہ کوشش کریں گے کہ آپ کو ایسی شکایت نہ ہو، بقیہ تحریروں کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ، آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، ہم آئندہ بھی آپ کی محبت کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

سمعان آفندی: چکوال سے لکھتے ہیں۔
حسب معمول حنا آٹھ کو ملا، ٹائٹل گرل عمدہ ہی لگیں، فوراً سے پہلے اشتہاروں کو پھلانگ کر انکل سردار محمود کی باتیں پڑھیں جو سچائی کا عکس لگیں، حمد و نعت سے دل کو طراوت محسوس کروا کے سیدھے آگے بڑھے سوئٹ اُم مریم کے پاس، وہ کیا ہے ناں کہ جناب اُم مریم کے بہت ہی بڑے فین ہیں، انہی کی وجہ سے خط لکھنے کی جسارت کر رہے ہیں، بس امید ہے فوزیہ آپی مایوس نہیں کریں گی، مریم آپی غانیہ کیا واقعی ہی میں اندھی ہے جو ایک بیٹے کے باپ سے محبت کر بیٹھی یا وہ واقعی ہی میں ثابت کرنا چاہتی ہے اس کہاوت کو کہ محبت اندھی ہوتی ہے، جو بھی ہو مریم آپی آغاز اچھا ہے امید اس کا اینڈ بھی آپ کے سپر ہٹ ناول (مجھے ہے حکم آذاں) کی طرح ہوگا انشاء اللہ، ویسے مریم آپی غانیہ میں مجھے اسی فیصد نندنی عرف فاطمہ کی جھلک محسوس ہوئی جو عباس کے پیار میں پاگل تھی، مکمل ناول ”مجھے آواز دینا“ اگرچہ موضوع پرانا تھا مگر رائٹر کی کوشش اچھی لگی خاص طور پر محبت کا مفہوم جو رامین بتاتی ہے، باقی سلسلے وار ناولز کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا، وجہ یہ میرا فرسٹ خط ہے جو حنا کو پڑھ کے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں، افسانے تمام عمدہ تھے، مستقل سلسلے دل کو بھائے۔
اور آخر میں ایک بات کہ سلسلہ کس قیامت کے یہ نامے، کے آغاز یا اختتام میں خط پوسٹ کرنے کی آخری تاریخ اور ایڈریس دے دیا کریں تاکہ مجھ جیسے نیو ریڈرز کو مسائل کا سامنا نہ ہو اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے فوزیہ آپی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ آپ کی بدولت ایک مرتبہ پھر سے ان کی تحریر کے ذریعے مریم آپی سے ملنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

بھائی سمعان آفندی خوش آمدید، جنوری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، اُم مریم تک ان سطور کے ذریعے آپ کے جذبات پہنچائے جا رہے ہیں، آپ ہر ماہ کی بیس تاریخ تک آپ خط پوسٹ کر دیا کریں حنا کے لئے ابتدائی صفحات پر خط لکھنے کا ایڈریس ہر ماہ شائع ہوتا ہے، اپنی رائے سے آگاہ کرتے رہیے گا شکریہ۔

ثناء: نامعلوم مقام سے لکھتی ہیں۔
میں پہلی بار حنا کی اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں، وہ بھی خاص اُم مریم کی وجہ سے، بہت شکریہ مریم آپ ہمارے لئے ایک اور خوبصورت ناول لے کر آئی ہیں، بے پناہ خوشی محسوس ہوئی حنا میں دوبارہ آپ کا نام دیکھ کر، ویسے تو اس ڈائجسٹ میں لکھنے والی بہت سی رائٹرز میری فیورٹ ہیں، جن کی تحریریں مجھے بہت پسند مگر مومو سے ہمیں پیار کچھ زیادہ ہے، آخر وہ ہماری پیاری سی نرالے جہان کی فرینڈ ہیں۔
”میرے ساحر سے کہو، تم آخری جزیرہ ہو“ کے بعد اب اس نئے سلسلے وار ناول کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں، دعاؤں میں یاد رکھیے گا مریم جہاں بھی رہیں ہمیشہ خوش رہیں۔
اب جب اس محفل میں آ ہی گئے ہیں تو کیوں نا اوروں کا ذکر بھی ہو جائے، نایاب جیلانی، سدرۃ المنتہیٰ آپی، مصباح نوشین، فرح طاہر، سباس گل، قرۃ العین خرم ہاشمی، فرحین اظفر،

عابی ناز، فوزیہ احسان، عمارہ امداد، ہما عامر، نائلہ طارق، فرزانہ حبیب، تمثیلہ زاہد، ام اقصیٰ، سندس جبین، عزہ خالد، حیاء بخاری، ثمینہ بٹ، آپ سب کی تحریریں مجھے بہت پسند ہیں کچھ اور نام بھی ہیں جو فی الحال یاد نہیں آ رہے، آپ سب کے لئے ڈھیر ساری دعائیں اللہ پاک آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

ثنا اس محفل میں شرکت کرنے پر خوش آمدید، جنوری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، اُم مریم اور دیگر مصنفین کی طرف سے بھی شکریہ قبول کریں آئندہ جب بھی اپنی رائے کا اظہار کریں شروع میں اپنا اور اپنے شہر کا نام نمایاں لکھیں شکریہ۔

ثمینہ بٹ: کی ای میل لاہور سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

جنوری کا حنا چھ تاریخ کو مل گیا ٹائٹل پسند آیا آگے بڑھے اور فہرست پر نظر پڑتے ہی دل خوش ہو گیا، اپنا نام دیکھ کر، سردار صاحب کی باتوں کو دلی طور پر تسلیم کرتے ہوئے آگے بڑھے، اسلامیات والا حصہ ہمیشہ کی طرح روح پرور رہا، انشاء نامہ میں انشاء جی کی شاعری ''تو کون'' پڑھی کمال کی شاعری اور لازاول نثر، انشاء جی کا خاصہ ہے، انشاء کی یاد میں قرۃ العین حیدر کا ''چاند نگر کا جوگی'' پڑھا، سچ کہوں تو اس تحریر میں کھو کر رہ گئے، کیا خوبصورتی سے قرۃ العین نے انشاء جی کے متعلق بتایا، ایک یادگار اور خوبصورت تحریر مکمل ناول اس بار دونوں ہی اچھے تھے، مصباح نوشین کی ''تقاضہ محبت''، انا خود داری، خلوص تعریف اور بے اعتباری جیسے جذبوں پر مبنی کہانی، مصباح کے قلم نے تحریر کا حق ادا کر دیا، ویلڈن مصباح خدا کرے زور قلم اور زیادہ چلے، فرزانہ حبیب کا ''مجھے آواز دے لینا'' محبتوں کے رنگ میں گوندھی ایک خوبصورت تحریر، فرزانہ حبیب آپ کی تحریر اپنے عنوان کی طرح بے حد خوبصورت اور منفرد لگی، جزاک اللہ۔

فرح طاہر کا ''خواب خواہش اور آرزو'' اب تکمیل کی طرف گامزن ہے اس لئے اس پر تبصرہ بھی بعد میں، افسانے اس بار پانچ تھے، طیبہ تقی کی ''گھڑی کی کہانی'' وقت کی زبانی، ایک تلخ حقیقت واقعی ہر انسان اپنے حالات اور تجربات کی بنیاد پر ہر چیز کے متعلق اچھی اور بری رائے قائم کرتا ہے۔

طیبہ صاحبہ اتنی اچھی تحریر پر دلی مبارک باد۔

روشانے عبدالقیوم کی تحریر ''میرا پاکستان'' پسند نہیں آئی، معذرت کے ساتھ، تمثیلہ زاہد کی ''آخری خواہش'' بھی ٹھیک ہی تھی، ماریہ یاسر کی رواجوں میں جکڑی کہانی، مگر مختلف اہتمام کے ساتھ پسند آیا، نایاب جیلانی اور سدرۃ دونوں کو اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارک باد۔

اُم مریم اپنے ایک نئے ناول کے ساتھ حنا کے صفحات پر جلوہ افروز ہوئی، خوش آمدید جی اُم مریم، حنا کے باقی تمام سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح بہترین تھے۔

ثمینہ بٹ بہت بہت شکریہ جنوری کے حنا کو پسند کرنے کا، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆